آسیب زدہ تابوت
خوفناک اور پراسرار ناول
اے۔ حمید

انتساب

برخوردار

نوید اختر کے نام

جس نے اس کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا۔

اے حمید

جس آدمی کے ساتھ یہ ناقابلِ یقین ہیبت ناک حادثہ گزرا ہے' اس نے قسم دے کر مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں نہ تو اس کا نام ظاہر کروں گا' نہ یہ بتاؤں گا کہ وہ شخص کون تھا' کہاں سے آیا تھا اور مجھے اپنی رونگٹے کھڑی کر دینے والی سچی آپ بیتی کا لکھا ہُوا مسودہ دے کر کہاں چلا گیا تھا؟

میری اس شخص سے کہاں ملاقات ہوئی؟

یہ بھی اپنی جگہ پر ایک پُراسرار واقعہ ہے۔ میں ان دنوں اپنی ایک زیرِ تحریر کتاب کو مکمل کرنے میں بہت مصروف تھا۔ جس اشاعتی ادارے کے لیے میں یہ کتاب لکھ رہا تھا وہ کتاب کو جلد از جلد شائع کرنا چاہتے تھے۔ ایک تو وقت کم تھا' دوسرے اس کتاب کے لیے مجھے مکمل تنہائی اور یکسوئی کی ضرورت تھی جو شہر کے ہنگامہ پرور ماحول میں ملنی مشکل تھی۔ چنانچہ میں نے ایک روز بوریا بستر باندھا اور ایک پرفضا خاموش پہاڑی مقام پر آگیا۔ یہاں میرے ایک دوست نے گرمیوں کا سیزن گزارنے کے لیے ایک چھوٹا سا کاٹج بنا رکھا تھا۔ گرمیوں کا سیزن نکل چکا تھا' سردیاں شروع ہو گئی تھیں۔ اس پہاڑی کاٹج میں بیٹھ کر میں کتاب کا باقی کا حصہ پندرہ بیس دنوں کے اندر ہی اندر مکمل کر سکتا تھا۔

اس پہاڑی کاٹیج میں ہر طرح کی سہولت موجود تھی۔ ایک نوکر زمان گل ہر سیزن میں وہاں موجود رہتا تھا۔ جس روز میں اس پہاڑی کاٹیج میں پہنچا میرے دوست کا ملازم زمان گل وہاں پر موجود تھا۔ یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔ زمان گل نے بتایا دو ایک دن میں برف گرنا شروع ہو جائے گی۔

کاٹیج کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں ہی میں نے کھڑکی کے پاس پلنگ بچھوا کر اپنا بستر لگوا لیا۔ آتشدان میں لکڑیاں جلائیں' پانی گرم کروا کر منہ ہاتھ دھویا۔ زمان گل میرے لیے کافی بنا کر لے آیا۔ بڑا سمجھدار نوجوان ملازم تھا۔ گرمیوں کے سیزن میں میرے دوست کی فیملی کے لیے یہی کھانا وغیرہ بھی پکاتا تھا۔ اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ میں نے اسے پیسے دے کر ضروری سامان منگوا لیا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ میں سادہ غذا پسند کرتا ہوں اور صبح کو صرف ناشتے پر چائے پیتا ہوں۔ نہار منہ اٹھ کر چائے نہیں پیتا جسے انگریز لوگ بیڈ ٹی کہتے ہیں۔ میں شام ہونے سے ذرا پہلے پہاڑی کاٹیج پر پہنچا تھا۔ چائے پی کر میں نے گرم کپڑے پہن کر اوپر سے لمبا گرم اوور کوٹ پہنا اور ہاتھ میں چھڑی لے کر ایک پہاڑی پگڈنڈی پر سیر کو نکل گیا۔ سرد ہوا چل رہی تھی اور درختوں پر سے خشک پتے گر رہے تھے۔ شہر کے شور و غل کے ماحول سے ایک دم پہاڑ کی خاموش فضاؤں میں آ کر مجھے ایک دم تنہائی کا شدید احساس ہونے لگا تھا لیکن یہ تنہائی میرے کام کے لیے بڑی ضروری تھی۔ مجھے اپنی کتاب مکمل کرنے کے لیے اسی ماحول کی ضرورت تھی۔

کاٹیج کے آس پاس کا علاقہ ویران ویران سا تھا۔ آگے جا کر نشیب میں کوٹھیاں اور کاٹیج تھے جو سردیوں کے موسم کی وجہ سے ویران پڑے تھے۔ میرے جوتوں کے نیچے آ کر چرچراتے ہوئے سوکھے پتوں کی آواز' بے برگ و بار درختوں کی شاخوں میں سے گزرتی سرد ہوا کی آواز کے ساتھ مل کر ماحول کو اور زیادہ اداس اور سوگوار بنا رہی تھی۔ اس سے پہلے میں یورپ کے ایک دو شہروں میں برف باری میں سردیوں کا موسم گزار چکا تھا۔ لیکن اپنے وطن پاکستان کے کسی پہاڑی مقام پر سردیوں کا موسم گزارنے کا مجھے پہلی بار

اتفاق ہو رہا تھا۔ پہاڑی علاقے میں کچھ دور تک سیر کرنے کے بعد میں واپس آیا تو کمرے کے آتشدان میں آگ خوب روشن تھی۔ باہر سخت سردی تھی' اس کے مقابلے میں ڈرائنگ روم خوب گرم تھا۔ زمان میرے لیے کافی بنا کر لے آیا۔ کافی پی کر میں میز پر بیٹھ کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ رات آٹھ بجے تک کتاب لکھنے میں مصروف رہا۔ اس کے بعد کھانا کھایا اور بستر میں لیٹ کر وکٹر ہیوگو کا ایک ناول پڑھنے لگا۔ کمرے کو خوب گرم کرنے کے بعد آتشدان میں آگ مدھم پڑ گئی تھی۔ اتنے میں ملازم زمان گل آ گیا۔ کہنے لگا۔

"صاحب! کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔ میں اپنی کوٹھڑی میں سونے جا رہا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ باقی صبح کو میں ٹھیک آٹھ بجے ناشتہ کرتا ہوں۔"

زمان بولا۔ "فکر نہ کریں صاحب! آٹھ بجے آپ کو ناشتہ تیار ملے گا۔ آپ ناشتے میں کیا چیز پسند کریں گے؟"

میں نے اسے بتا دیا کہ میں صرف ایک انڈہ فرائی اور دو خشک ٹوسٹ ناشتے میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔ زمان کے جانے کے بعد میں نے ڈرائنگ روم کے لکڑی کے دروازے کی چٹخنی لگا لی اور بستر میں گھس کر دوبارہ مطالعے میں مشغول ہو گیا۔ کمرے کی بتی بجھی ہوئی تھی' صرف میرے پلنگ کے سرہانے تپائی پر گہرے رنگ کے شیڈ والا ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ کھڑکی بند تھی۔ کھڑکی کے باہر سے سرد ہواؤں کا ہلکا ہلکا شور سنائی دے رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں کب میں ٹیبل لیمپ بجھا کر سو گیا۔

صبح زمان نے دروازے پر دستک دے کر مجھے جگایا۔ میں نے گھڑی دیکھی' ساڑھے سات بج رہے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا اور کتاب لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ دوپہر کو کھانا کھا کر تھوڑی دیر کے لیے آرام کیا اور اس کے بعد شام سات بجے تک کام کرتا رہا۔ شام کے وقت گہرے سرمئی رنگ کے بادل چھانے لگے تھے۔ ہوا بھی سرد اور

تیز ہو گئی تھی۔ زمان گل کہنے لگا۔

"صاحب! لگتا ہے آج رات برف گرے گی۔"

اس کا اندازہ درست تھا۔ رات کو میں سو گیا۔ صبح اٹھا تو باہر برف گر رہی تھی۔ برف کے سفید سفید گالے پھولوں کی پنکھڑیوں کی طرح سرد ہواؤں کے ساتھ ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ میں اوور کوٹ پہن کر، سر پر گلگت کی سفید گرم ٹوپی پہن کر برف میں چہل قدمی کرنے نکل گیا۔ مجھے شروع ہی سے گرتی برف میں سیر کرنا بڑا اچھا لگتا ہے۔ یورپ میں تھا تو وہاں بھی جب پہلی بار برف باری ہوتی تھی تو میں سیر کرنے نکل پڑتا تھا اور یہ تو میرا اپنا وطن پاکستان تھا۔ اپنے وطن کی ہواؤں کی خوشبوئیں ہی کچھ اور تھیں۔ اس کی برف باری میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ یورپ کی فضا آلودہ ہوتی ہے مگر پاکستان کی پہاڑی فضا اس کے مقابلے میں بڑی شفاف اور پاک صاف تھی۔ کچھ دور تک برفباری میں چہل قدمی کرنے کے بعد میں کاٹج میں واپس آ گیا۔ اس روز دوپہر تک برفباری ہوتی رہی۔ درخت، پہاڑی راستے اور کاٹج کی چھت سفید برف سے ڈھک گئی۔ شام تک میں اپنے کام میں لگا رہا۔ باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ رات کو کھانا کھا کر پھر لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ میں کتاب کو جلدی ختم کرنا چاہتا تھا۔ زمان گل میرے تھرمس کو چائے سے بھر کر جا چکا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم کے دروازے کی چٹخنی لگا لی تھی۔ رات کے گیارہ بجے میں نے لکھنا بند کیا اور بستر میں دبک گیا۔ ٹیبل لیمپ روشن کر کے کچھ دیر وکٹر ہیوگو کا ناول پڑھتا رہا۔ پھر جب نیند آنے لگی تو ٹیبل لیمپ بھی بجھا دیا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

آتشدان میں دن بھر ہلکی ہلکی آگ روشن رہی تھی جس کی وجہ سے کمرے کی فضا نیم گرم اور پرسکون تھی۔ اب آتشدان میں جلی ہوئی لکڑیوں کے صرف کوئلے ہی دہک رہے تھے جن پر کہیں کہیں سفید راکھ جمی ہوئی تھی۔ چھوٹا سا ٹائم پیس لیمپ کے پاس ہی تپائی پر رکھا ہوا تھا۔ تپائی میرے سرہانے کی جانب دیوار کے ساتھ تھی۔ تپائی کے ساتھ ہی کھڑکی تھی جو بند تھی اور جس پر پردہ گرا ہوا تھا۔ معلوم نہیں باہر برف گر رہی تھی کہ نہیں لیکن سرد ہوا ضرور چل رہی تھی جس کا دھیما دردناک سا شور سنائی دے رہا تھا۔ وہاں آنے کے بعد اس رات پہلی بار مجھے ہوا کی ان دردناک آوازوں سے ہلکا سا خوف محسوس ہوا۔ لیکن دوسرے لمحے میں نے خوف کے اس خیال کو دل سے نکال دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ مجھ پر غنودگی پہلے ہی طاری تھی، کچھ دیر بعد میں نیند کی خواب آلود وادیوں میں پہنچ چکا تھا۔

سوتے سوتے اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ باہر ہواؤں کا شور کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ اسی شور سے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے ٹیبل لیمپ روشن کر کے ٹائم پیس پر نگاہ ڈالی، رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں ٹیبل لیمپ بجھا کر دوبارہ سو گیا۔ آدمی سویا ہوا ہو تو ظاہر ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے۔ اسے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ مجھے خواب میں ایسی آواز سنائی جیسے کوئی دروازے پر ٹھک ٹھک کر رہا ہے۔ پہلے میں اسے خواب سمجھا، لیکن جب تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ٹھک ٹھک ہوتی رہی تو میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ شروع رات میں یخ بستہ تیز ہواؤں کا جو شور تھا، وہ اب سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں لحاف کے اندر ہی ہمہ تن گوش ہو کر دروازے پر کان لگائے لیٹا رہا۔ اب میں جاگ چکا تھا۔ اتنے میں وہی آواز پھر سنائی دی۔ کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ زمان گل ہے۔ خدا جانے اسے رات کے وقت کیا کام پڑ گیا ہے۔ میرے ذہن میں اسی کا خیال آ سکتا تھا۔ میں نے ٹیبل لیمپ روشن کر کے ٹائم پیس پر نگاہ ڈالی۔ رات کے ڈھائی بج چکے تھے۔ دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی۔

میں اٹھ کر دروازے کے پاس گیا۔ میں نے سوچا کہ پوچھ لینا چاہئے کہ کون ہے۔ کوئی چور ڈاکو بھی ہو سکتا ہے یا کوئی بھوت پریت بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے کسی مرد کی آواز آئی۔ "جناب اگر آپ کا نام...... ہے اور آپ ہمارے

ملک کے مشہور ناول نگار ہیں تو پلیز دروازہ کھول کر مجھے تھوڑی دیر کے لیے اندر آنے کی اجازت دیجئے۔ میں آپ کے لیے کچھ لایا ہوں۔"

آواز میں بڑی متانت تھی۔ کوئی پڑھا لکھا آدمی لگتا تھا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ گرم اوور کوٹ میں ملبوس ایک دراز قد آدمی میرے سامنے کھڑا تھا۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس کی داڑھی تھوڑی تھوڑی بڑھی ہوئی تھی۔ سر گرم چترالی ٹوپی سے ڈھکا ہوا تھا۔ عمر یہی کوئی چالیس کے قریب ہو گی۔ شکل سے یہ آدمی پڑھا لکھا اور ذہین لگتا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں لکڑی کی چھڑی تھی جو برف میں چلنے کے لیے پہاڑوں پر لوگ پاس رکھ لیتے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں کوئی تھیلا تھا جسے اس نے بغل میں دبا رکھا تھا۔ میں نے کہا۔ "اندر آ جائیں۔"

میں نے دروازہ بند کر دیا کیونکہ باہر سے یخ بستہ سردی اندر آ رہی تھی۔ آتشدان میں اگرچہ آگ بجھ چکی تھی لیکن کمرے کی فضا پرسکون اور نیم گرم تھی۔ وہ شخص صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے کمرے کی بتی روشن کر دی اور خود بھی اس کے سامنے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا۔ "فرمایئے۔ اتنی رات گئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ آپ کیسے تشریف لائے ہیں؟"

اس آدمی نے کہا۔ "محترم! پہلے مجھے یہ یقین دلایئے کہ آپ کا نام ..... ہے اور آپ ہمارے ملک کے نامور ادیب' ناول نگار اور کہانی نویس ہیں۔"

میں نے کہا۔ "جی ہاں' میں ہی..... ناول نگار اور کہانی نویس ہوں۔ آپ اتنی سرد رات میں کہاں سے تشریف لائے ہیں اور میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

اس شخص نے تھیلا بغل سے نکال کر میز پر رکھ دیا۔ چھڑی ایک طرف رکھ دی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرتے ہوئے بولا۔ "جناب! کیا میں تمباکو نوشی کر سکتا ہوں؟ میرا مطلب ہے آپ کو تمباکو کا دھواں ناگوار تو نہیں گزرتا؟"

میں اگرچہ تمباکو نہیں پیتا تھا لیکن کوئی دوسرا سگریٹ پائپ وغیرہ پی رہا ہو تو مجھے اس کا دھواں اچھا لگتا تھا۔ میں نے کہا۔ "جی نہیں۔ کوئی بات نہیں آپ بے شک پئیں۔"

اس نے ماچس کی تیلی جلا کر پائپ سلگایا اور اس کے دو تین کش لینے کے بعد لمبا سانس بھر کر کہنے لگا۔ "جناب! میں آپ کو اپنا اصلی نام نہیں بتاؤں گا۔ میں یہ بھی نہیں بتاؤں گا کہ میں کس شہر یا گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ میں نے اتنی سخت سرد رات میں آپ کو تکلیف دی لیکن یقین کریں میں صرف اسی وقت آپ سے ملنے کے لیے آ سکتا تھا۔ دن کے وقت نہیں آ سکتا تھا یہ میری مجبوری ہے۔ جب آپ کو میری زندگی کے وہ ہیبت ناک واقعات معلوم ہو جائیں گے جو میرے ساتھ گزر چکے ہیں اور جن سے میں ابھی تک گزر رہا ہوں تو آپ میری اس مجبوری کو سمجھ جائیں گے کہ میں نے آدھی رات کے وقت آپ کو زحمت کیوں دی ہے۔"

میں بڑے غور سے اس شخص کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی دماغی صحت پر مجھے کچھ شک سا پڑنے لگا تھا۔ میں نے پوچھا کہ اسے کیسے پتہ چلا کہ میں اس پہاڑی کاٹج میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اس نے کہا۔ "محترم! جب میں لاہور شہر وارد ہوا تھا مجھے آپ کی تلاش تھی۔ کسی نہ کسی ذریعے سے میں نے معلوم کر لیا کہ آپ اس پہاڑی کاٹج میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کسی ناول پر کام کر رہے ہیں۔"

اب اس کی باتیں مجھے بور کرنے لگی تھیں۔ میں چاہ رہا تھا کہ یہ شخص جتنی جلدی ہو سکے اپنا مدعا بیان کرے اور چلا جائے تاکہ میں بستر میں گھس کر دوبارہ سو سکوں۔ میں نے صاف صاف لفظوں میں اس سے کہا۔ "برائے مہربانی آپ اپنا اصل مدعا بیان فرمائیں۔ یہ بتائیں کہ میرے پاس آپ کس لئے تشریف لائے ہیں؟"

اس نے میز پر جو تھیلا رکھا تھا اس پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ تھیلا آپ کو وہ سب کچھ بتا دے گا جو میں زبانی آپ کو بیان نہیں کر سکتا۔ اس تھیلے میں' میں نے وہ تمام خوفناک واقعات اور ناقابل یقین ڈراؤنے تجربات جن سے میں گزر چکا ہوں' پوری سچائی کے ساتھ لکھ کر رکھ دیئے ہیں۔ یہ میں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ ان کا مطالعہ

فرمائیں۔ میری خواہش ہے کہ یہ تمام واقعات جس طرح میرے ساتھ گزرے ہیں اور جس طرح میں نے پوری تفصیل کے ساتھ انہیں قلم بند کیا ہے' اسی حالت میں لوگوں تک پہنچیں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ عجائبات عالم میں ایسے ایسے حادثات بھی وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اسے قابل اشاعت نہ سمجھیں تو بے شک اس آتشدان میں پھینک کر نذر آتش کر دیں' مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے میری زندگی کی ماورائے انسانی عقل داستان کو پڑھتے وقت آپ کو ان واقعات پر یقین نہ آئے لیکن میں آپ کو صدق دل سے یقین دلاتا ہوں کہ یہ سب کچھ میرے ساتھ گزر چکا ہے۔ اب میں جاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس کے بعد آپ سے میری ملاقات نہ ہو۔ میں نے اتنی رات گئے آپ کو زحمت دی۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے گا۔"

یہ کہہ کر وہ شخص چھڑی پکڑ کر اٹھا اور میرا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوا دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں دروازہ بند کرنے لگا تو میں نے جھانک کر باہر دیکھا۔ کاٹیج کا صحن اور درخت برف سے ڈھکے ہوئے خاموش و ساکت کھڑے تھے۔ چاروں طرف منجمد خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ برفیلی ہوا چل رہی تھی۔ مجھے وہ پراسرار شخص کہیں دکھائی نہ دیا جو ابھی ابھی میرے کمرے سے نکل کر گیا تھا۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ کمرے میں ٹیبل لیمپ بھی جل رہا تھا اور کمرے کی بتی بھی جل رہی تھی۔ صوفے کے سامنے چھوٹی میز پر وہ تھیلا اسی طرح پڑا تھا جس میں اس شخص کی داستان بند تھی۔ صوفے پر بیٹھ کر میں نے تھیلا کھولا۔ یہ پلاسٹک کا ایک پرانا تھیلا۔ اس کے اندر سے ایک مسودہ برآمد ہوا۔ سرخ بال پوائنٹ سے شکستہ حروف میں لکھی ہوئی اردو کی تحریر تھی۔ کافی ضخیم یہ مسودہ تھا۔ میں نے اسے پڑھنا شروع کیا تو میں اس کہانی کے حیرت انگیز' مافوق الفطرت اور پراسرار واقعات میں ایسا غرق ہوا مجھے صبح ہونے کی بالکل خبر تک نہ ہوئی۔ نوکر زمان نے آ کر دستک دی تو مجھے معلوم ہوا کہ دن نکل آیا ہے۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں پھر مسودے کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ شام تک میں نے ساری داستان پڑھ ڈالی۔ انسانی عقل و دانش کو حیران کر دینے والی سچی داستان کو بغیر

کسی ترمیم و اضافے کے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس داستان کا نام "سات آسیب زدہ تابوت" میں نے اپنی طرف سے رکھا ہے۔ باقی کسی جگہ کوئی لفظ تک تبدیل نہیں کیا تاکہ قارئین تک یہ عجیب و غریب ہیبت ناک کہانی اپنے حقیقی رنگ میں پہنچے۔ کہانی اس طرح شروع ہوتی ہے۔

O=========☆=========O

میں اپنا اصلی نام ظاہر نہیں کروں گا لیکن اپنا فرضی نام سلطان لکھوں گا۔ میں کس جگہ بیٹھ کر یہ داستان' جو کہ میری سچی آپ بیتی ہے' لکھ رہا ہوں؟ آپ کو یہ بھی نہیں بتاؤں گا۔ ان باتوں سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہئے۔ اصل بات وہ واقعات اور حادثات ہیں جو مجھے پیش آئے اور جن سے میں گزرا ہوں۔ وہ میں آپ کو بالکل سچ سچ سناؤں گا۔ نہ کوئی چیز آپ سے چھپاؤں گا' نہ کوئی بات اور واقعہ اپنی طرف سے شامل کروں گا۔

میرا نام (فرضی) سلطان ہے۔ میری پیدائش پاکستان کے ایک مشہور تاریخی شہر میں ہوئی تھی۔ اسی شہر میں' میں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ بی اے پاس کرنے کے بعد میں ایک انشورنس کمپنی میں ملازم ہو گیا۔ قسمت میں یہی لکھا تھا۔ میری نوکری کو دوسرا سال جا رہا تھا کہ میرے ماں باپ بس کے ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔ میں اکیلا رہ گیا۔ ماں باپ کی شفقت سے محروم ہونے کے بعد میرا جی اس شہر سے اکھڑ گیا۔ کسی چیز میں دل نہیں لگتا تھا۔ مجھے سیر و سیاحت کا شروع ہی سے شوق رہا تھا اور میں پاکستان کے خوبصورت شمالی علاقہ جات کی کئی بار سیاحت کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بار ایران اور مصر کا بھی چکر لگا چکا تھا۔ تاریخ' خاص طور پر قدیم مصر اور یونان کی تاریخ سے مجھے گہری دلچسپی تھی۔ کالج کے زمانے میں بھی تاریخ کا مضمون میرا دل پسند مضمون رہا تھا۔ قدیم مصر کی تہذیب کی پراسراریت اور اہرام مصر کے بارے میں جو عقل کو حیرت میں ڈال دینے والی عجیب و غریب روایات مشہور تھیں' ان سے بڑا متاثر تھا۔

پہلی بار جب میں مصر کی سیاحت پر گیا تو میں نے اہرام کی سیر ضرور کی تھی اور دو ایک اہرام اندر جا کر بھی دیکھے تھے لیکن چونکہ میرے پاس زرمبادلہ بہت کم تھا اس لئے قاہرہ میں زیادہ دیر قیام نہ کر سکا اور اہرام مصر کو زیادہ قریب سے دیکھنے اور وہاں رہ کر قاہرہ کے ان عجائب گھروں کا بھرپور مطالعہ کرنے کی حسرت لے کر پاکستان واپس آ گیا تھا' جہاں مصر کے فرعونوں کی حنوط شدہ لاشیں رکھی ہوئی ہیں۔

جب میں دنیا میں اکیلا رہ گیا اور ہر شے سے جی اچاٹ ہو گیا تو سوچا کہ کیوں نہ ایک بار پھر قدیم مصر و یونان کے ملکوں کی سیاحت کی جائے۔ اس طرح سے جی بھی بہل جائے گا اور میرا شوق بھی پورا ہو جائے گا۔ میں نے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ مصر میں زیادہ سے زیادہ قیام کروں گا۔ اس ملک کی قدیم تاریخ سے میں بے حد متاثر تھا۔ پاسپورٹ میرے پاس موجود تھا۔ اس پر پہلے بھی ویزا لگ چکا تھا۔ دوسری بار ویزا لگوانے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی۔ میں نے نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔ بنک سے اپنی جتنی رقم تھی نکلوا کر اس سے بیرونی زرمبادلہ خریدا اور بغیر کسی کو بتائے اپنے آبائی شہر کی ٹرین میں سوار ہو کر کراچی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہم لوگ شروع ہی سے کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ چابی میں نے اپنے ایک رشتہ دار کو دے دی اور کہا کہ میں کچھ دنوں کے لیے کراچی جا رہا ہوں۔ مجھے معلوم تھا جب میں واپس ہی نہ آیا تو مالک مکان میرے رشتہ داروں سے مکان کا کرایہ طلب کرے گا۔ وہ مجھے تلاش کریں گے۔ جب میں نہ ملا تو وہ مکان سے میرا سامان وغیرہ اٹھوا کر اپنے گھر میں ڈال لیں گے اور مکان مالک کے حوالے کر دیں گے' یہی میں چاہتا تھا۔ کراچی سے میں ایک بحری جہاز کے ذریعے مصر کی بندرگاہ اسکندریہ پہنچ گیا۔

تاریخ کا طالب علم ہونے کی وجہ سے مجھے معلوم تھا کہ اسکندریہ کا شہر سکندر اعظم نے آباد کیا تھا۔ اس زمانے میں سارے ایران اور مصر پر سکندر اعظم کی حکومت تھی۔ یہ شہر اس سے پہلے بھی میں دیکھ چکا تھا۔ اسکندریہ سے ریل میں بیٹھ کر میں قاہرہ آگیا۔ قاہرہ میں وائی ایم سی اے والوں کا ایک ہوسٹل تھا جہاں سیاح سٹوڈنٹ آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ پہلی بار جب میں یہاں آیا تھا تو اسی ہوسٹل میں ٹھہرا تھا۔ تھوڑے سے پیسوں کے عوض یہاں رات بسر کرنے کو ٹھکانہ مل جاتا تھا۔ میں دل میں یہ سوچ کر چلا تھا کہ قاہرہ میں پہنچنے کے بعد وہاں کوئی ملازمت وغیرہ تلاش کروں گا تاکہ معاشی اعتبار سے بے فکر ہو کر اس قدیم تہذیب و تمدن والے شہر کے آثار قدیمہ کا سکون کے ساتھ مطالعہ کر سکوں۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ قاہرہ میں پاکستانی بھی کاروبار کرتے ہیں اور کافی عرصے سے وہاں آباد ہیں۔ ان لوگوں سے مجھے مدد مل سکتی تھی۔

قاہرہ میں وارد ہونے کے بعد مَیں نے وائی ایم سی اے کی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں ڈیرہ جما لیا اور قاہرہ میں آباد ایک پاکستانی سے جا کر ملاقات کی جو قاہرہ کی ایک مارکیٹ میں پرانے سکوں اور نوادرات کا کاروبار کرتا تھا۔ اس نے میری طرف کوئی زیادہ توجہ نہ دی اور جب میں نے اسے بتایا کہ میں قاہرہ میں کوئی کام تلاش کر رہا ہوں تاکہ یہاں کچھ عرصہ قیام کروں تو وہ الٹا مجھے نصیحتیں کرنے لگا کہ خبردار ویزا جتنی مدت کا ہے اس سے ایک دن بھی اوپر نہ ٹھہرنا۔ یہاں کی پولیس بڑی سخت ہے اور پکڑ کر جیل میں بند کر دیتی ہے اور یہاں کی جیلوں میں جو غیر ملکی ایک بار داخل ہو جائے پھر اس کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا۔ میں سخت بددل ہو کر واپس اپنے ٹھکانے پر آگیا۔ اسی طرح میں دو تین اور پاکستانی دکانداروں اور تاجروں سے ملا۔ انہوں نے بھی آؤ بھگت اور زبانی بات چیت کے میرے لیے کچھ نہ کیا۔ شاید وہ بھی پردیس میں تھے اور مجبور تھے۔ بہرحال مَیں نے ہمت نہ ہاری اور کام کی تلاش میں لگا رہا۔ میں بڑی کفایت شعاری سے خرچ کر رہا تھا تاکہ میرے پاس جو زرِمبادلہ ہے وہ کم سے کم خرچ ہو۔ یوں سمجھ لیں کہ صرف دال روٹی پر گزارا کر رہا تھا۔

شام کے وقت میں وائی ایم سی اے کے چھوٹے سے آفس میں جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ دفتر کا منیجر ایک پرتگالی کرسچین تھا۔ میرے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتا تھا۔ ایک روز میں دفتر میں بیٹھا تھا کہ ایک سیاہ گھنگریالے بالوں والا خوش شکل نوجوان اندر آیا۔ اس نے پتلون اور بش شرٹ پہنی ہوئی تھی اور سگریٹ پی رہا تھا۔ آتے ہی اس نے پرتگالی منیجر سے عربی میں گفتگو شروع کر دی۔ گندمی رنگ کا یہ نوجوان جو مصری ہی تھا بڑی خندہ پیشانی سے باتیں کر رہا تھا اور کبھی کبھی گفتگو کے دوران میری طرف نظریں اٹھا کر دیکھ لیتا تھا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے پرتگالی منیجر سے پوچھا۔ "یہ نوجوان کون تھا؟"

پرتگالی منیجر تھوڑی تھوڑی اردو بول لیتا تھا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ اس نوجوان کا نام جابر پاشا تھا اور وہ بیرون ملک سے آنے والے سیاحوں کے ساتھ گائیڈ کے فرائض انجام دیتا ہے۔ یعنی انہیں مصر کے تاریخی مقامات اور آثار قدیمہ کی سیر کراتا ہے اور ان آثار قدیمہ کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالتا ہے۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ جابر پاشا سے کسی طرح دوستی کرنی چاہئے۔ اچھے اخلاق والا نوجوان ہے' مصری ہے۔ گائیڈ ہے' اس کی مدد سے میں مصر کے تاریخی مقامات اور آثار قدیمہ کی سیاحت بھی کر سکوں گا۔ اور ان کے بارے میں میری تاریخی معلومات میں اضافہ بھی ہوگا۔

دوسری بار گائیڈ جابر پاشا آیا تو میں اپنی کوٹھڑی میں تھا۔ پرتگالی منیجر سے میں نے کہہ رکھا تھا کہ پاشا آئے تو میرا اس سے ضرور تعارف کرانا۔ اس نے مجھے بلوا لیا اور پاشا سے تعارف کرایا کہ یہ پاکستانی ہے اور اس کا نام سلطان ہے' مصر کی سیاحت کو آیا ہوا ہے۔ پاشا نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور بولا۔ "آخاہ! الباکستان۔ برادر اسلامی ملک۔"

پاشا عربی کے علاوہ اردو' فرانسیسی اور انگریزی زبان بھی خوب بول لیتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی اطالوی زبان میں بھی بات کر لیتا تھا۔ دو تین ملاقاتوں میں ہی ہم ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں قاہرہ میں طویل مدت تک قیام کرنا چاہتا ہوں تاکہ اطمینان سے قدیم مصر کی تاریخ پر تحقیقی کام کر سکوں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ مجھے کہیں کوئی چھوٹی موٹی نوکری مل جائے تاکہ میرے ضروری

اخراجات پورے ہوتے رہیں تو اس نے کہا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا لمبی مدت کا ویزا بھی لگوا دوں گا اور تمہیں کہیں نہ کہیں نوکری بھی دلوا دوں گا۔"

گائیڈ جابر پاشا اثر رسوخ والا آدمی تھا۔ اس نے ایک ہفتے میں ہی مجھے نوادرات کے ایک سٹور میں کام دلوا دیا۔ یہ سٹور ایک مصری کی ملکیت تھا اور میری ڈیوٹی صبح آٹھ بجے سے دو بجے دوپہر تک ہوتی تھی۔ اس کے بعد میں قاہرہ سے باہر تاریخی مقامات کی طرف نکل جاتا۔ کسی روز پاشا بھی میرے ساتھ ہوتا تھا۔ میری رہائش وائی ایم سی اے کی کوٹھڑی میں ہی تھی۔ پاشا نے اپنے اثر رسوخ سے میرے پاسپورٹ پر دو سال کا ویزا بھی لگوا دیا۔ اب میں بڑے اطمینان سے قاہرہ میں رہنے لگا۔

اس زمانے میں مصر کے ایک دور افتادہ اہرام سے قدیم مصر کے فرعون آمون کی حنوط شدہ لاش برآمد ہوئی تھی جسے دیکھنے کے لیے غیرملکی سیاح بھاری تعداد میں آ رہے تھے۔ اس فرعون کی لاش بڑی اہم دریافت تھی۔ ماہرین آثار قدیمہ کو اس کی ایک مدت سے تلاش تھی۔ مصری گائیڈ اور میرا دوست پاشا فرعون کی اس نو دریافت لاش کو سیاحوں کو دکھانے میں بہت مصروف تھا۔ ایک روز میں بھی اس کے ساتھ فرعون آمون کی لاش دیکھنے چلا گیا۔ یہ لاش اہرام میں زمین کے اندر بہت گہرائی میں دفن کی گئی تھی۔ اس کا تابوت کھول دیا گیا تھا۔ ساری لاش پٹیوں میں لپٹی ہوئی تھی' صرف چہرہ نظر آ رہا تھا۔ حنوط کرنے والوں نے کچھ اس طریقے سے لاش کو حنوط کیا تھا کہ فرعون کا چہرہ خراب نہیں ہوا تھا۔ چہرے کے نقوش درست حالت میں تھے۔ صرف آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔ تاج میں سونے کے ایک سانپ نے پھن اٹھایا ہوا تھا۔ سیاحوں کو لاش کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔ پانچ فٹ کے فاصلے سے اسے دیکھا جا سکتا تھا۔

پاشا سیاحوں کو انگریزی میں فرعون آمون کے بارے میں رٹے رٹائے انداز میں بتا رہا تھا کہ یہ فرعون پانچ ہزار سال قبل مسیح میں مصر پر حکومت کرتا تھا اور اس کی ملکہ کا نام یہ تھا اور اس نے فلاں فلاں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ مجھے اس فرعون کی لاش میں کوئی خاص پراسراریت نظر نہیں آئی تھی جس کے لیے قدیم مصر کے فرعونوں کی لاشیں

مشہور تھیں۔ البتہ اس فرعون کے اہرام سے سونے چاندی کے برتن' زیورات اور ہیرے جواہرات بھاری تعداد میں برآمد ہوئے تھے جنہیں مصری حکومت نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ میں اپنے دوست پاشا کے ساتھ ہی رہا۔ جب وہ سارے سیاحوں کو بھگت چکا تو ہم ابوالہول کے نیچے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے ریستوران میں قہوہ پینے کے لئے آ گئے۔ فرعونوں کی لاشوں کے بارے میں یہ روایت بھی مشہور تھی کہ جو لوگ ان لاشوں کو دریافت کرتے ہیں ان کو فرعون کی لاش کی بددعا لگ جاتی ہے اور پھر اس کی موت بڑے المناک طریقے سے ہوتی ہے۔ مَیں نے اس بارے میں پاشا سے بات کی تو وہ بولا۔ "شروع شروع میں جب پہلی بار اہرام کی کھدائی ہوئی تھی اور فرعونوں کے تابوت کھولے گئے تھے تو ان لوگوں میں کچھ آدمی فرعون کی بددعا کا شکار ضرور ہوئے تھے اور ان کے بارے میں سنا گیا ہے کہ کوئی فرانس میں اور کوئی انگلستان میں عجیب و غریب بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا تھا مگر اب اس قسم کی کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔ شاید اس لئے کہ تقریباً سارے اہرام کھودے جا چکے ہیں۔"

مَیں نے کہا۔ "لیکن آمون فرعون کا اہرام تو حال ہی میں کھودا گیا ہے۔ اس کی بددعا کسی کو نہیں لگی۔"

پاشا پیالیوں میں قہوہ ڈال رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "مَیں ایک پیشہ ور گائیڈ ہوں۔ یہی میری روزی کا ذریعہ ہے۔ اگر میں ان باتوں پر دھیان دینے لگوں تو کھاؤں گا کہاں سے؟"

ہم خاموشی سے گرم گرم مصری قہوہ پینے لگے جو بے حد شیریں تھا۔ مصر' عراق اور شام میں لوگ قہوے میں چینی بہت زیادہ ڈال کر پیتے ہیں۔ پاشا کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔ مَیں نے اسے کہا۔ "مجھے تو اس فرعون کی لاش میں کوئی خاص بات دکھائی نہیں دی۔"

پاشا نے جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگا لیا۔ اس کا ایک کش لگایا اور میری طرف تھوڑا سا جھک کر بولا۔ "اس فرعون آمون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے شاہی دربار کے کاہن اعظم نے زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔"

میں نے کہا۔ "بادشاہوں کے ساتھ تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ ساری تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ کسی کو قتل کر دیا جاتا ہے تو کسی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس میں کون سی عجیب بات ہے؟"

پاشا کہنے لگا۔ "آمون فرعون کے متعلق ایک اور روایت مشہور ہے؟"

میں نے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

پاشا بولا۔ "اس فرعون کے ساتھ ایک عجیب روایت مشہور ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ جس جادوگر کاہن نے فرعون کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا اس نے فرعون کی لاش کا ایک پتلا بنا کر' اس پتلے کے دل میں ایک خنجر گھونپ دیا تھا۔ پھر اس پتلے کو ایک چھوٹے سے تابوت میں بند کر کے تابوت کو اہرام کے اندر ہی کسی خفیہ تہہ خانے میں چھپا دیا تھا۔ فرعون کے پتلے پر اس نے ایک طلسم پڑھ کر پھونک دیا تھا۔ ایسا اس نے اس لئے کیا تھا کہ فرعون کی روح جادوگر کاہن سے اپنی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لیے اسے ہلاک نہ کر سکے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کاہن جادوگر نے فرعون کے پتلے کی روح کو اس طلسمی پتلے کے اندر جکڑ دیا تھا۔ کہتے ہیں اگر کوئی شخص فرعون کے پتلے کے دل میں اترا ہوا خنجر باہر نکال لے تو فرعون کی روح آزاد ہو جائے گی اور اپنے قاتل جادوگر کاہن کی نسل کا کوئی بھی خاندان دنیا کے کسی خطے میں بھی زندہ ہو گا اس خاندان کے تمام لوگوں کو ایک ایک کر کے عبرت ناک طریقے سے مار ڈالے گی اور یوں کاہن جادوگر سے اپنے قتل کا بدلہ لے کر سکون حاصل کرے گی۔"

گائیڈ پاشا کی یہ باتیں میں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ سنیں لیکن میں نے ہنس کر کہا۔ "پاشا! یہ محض افسانوی باتیں ہیں۔ حقیقت کی دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

پاشا نے سگریٹ کا کش لگایا اور اس کا دھواں چھوڑتے ہوئے بولا۔ "میرے دوست! قدیم اہرام مصر کی ایک اپنی حقیقت کی دنیا ہے۔ ان اہرام میں ایسی ایسی باتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں کہ جن کو دیکھ کر انسان کو یقین نہیں آتا کہ آج کی مادی اور سائنسی دنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے ان پراسرار اہرام میں گھوم پھر کر ایک عمر گزار دی ہے۔ میں نے اہرام کی خالی راہ داریوں اور سنسان دالانوں میں نظر نہ آنے والے انسانوں کے قدموں کی چاپ سنی ہے۔ کئی بار مجھے ایسے لگا ہے جیسے پانچ ہزار برس پہلے کی کوئی عورت ہلکا سا نقرئی قہقہہ لگاتے ہوئے میرے قریب سے گزر گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے یہ ہزاروں برس پرانے اہرام جن کو ہم لوگ مردہ ٹیلے کہتے ہیں' زندہ ہیں۔ یہ سانس لیتے ہیں۔ جب تمام سیاح چلے جاتے ہیں اور سناٹا چھا جاتا ہے تو یہ اہرام خاموشی کی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں۔"

پاشا کی آواز اور لہجہ بھی پراسرار سا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خود مجھے ہزاروں سال پہلے فرعونوں کے زمانے کا کوئی آدمی لگنے لگا تھا۔ مجھے اس کی باتوں میں واقعی دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ پاشا سچ کہہ رہا ہے اور اہرام مصر میں کوئی پراسرار اور طلسمی توانائی ہزاروں برس گزر جانے کے بعد آج بھی موجود ہے۔ میرا خیال فرعون آمون کے پتلے کی طرف چلا گیا۔ میں نے پاشا سے پوچھا۔ "پاشا! تم تجربہ کار پرانے گائیڈ ہو۔ اہرام مصر کے تمام تہہ خانوں اور خفیہ راہداریوں سے واقف ہو۔ تمہیں تو ضرور معلوم ہو گا کہ فرعون آمون کا وہ پتلا کس خفیہ جگہ پر دفن ہے جس کے سینے میں جادوگر کاہن نے خنجر گھونپ رکھا ہے۔"

پاشا نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا۔ "تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "بات یہ ہے میرے دوست! میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس پتلے کے سینے میں سے جادوگر کاہن کا خنجر نکال کر فرعون کی ہزاروں برس سے قید روح کو آزاد کر دوں۔"

پاشا نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھایا اور اپنی پیالی میں قہوہ انڈیلتے ہوئے کہنے لگا۔ "ایسا خیال کئی بار میرے دل میں بھی آیا ہے کہ میں فرعون کے پتلے کے سینے سے خنجر نکال دوں اس کی جکڑی ہوئی روح کو آزاد کر دوں۔ کیونکہ اس پتلے کے بارے میں ایک اور روایت بھی سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہے کہ جو کوئی پتلے کے سینے سے خنجر نکال کر فرعون کی روح کو آزاد کرے گا فرعون کی روح اس شخص کو انعام دے گی۔ اور انعام یہ ہو گا کہ

وہ اس شخص کی زندگی کی ایک خواہش جو وہ کرے گا' پورا کر دے گی اور مجھے معلوم ہے کہ فرعون کی روحیں ایسا کر سکتی ہیں۔"

میرے دل میں فرعون کے طلسمی پتلے کے متعلق مزید تجسس پیدا ہو گیا۔ میں نے پاشا سے کہا۔ "تو پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

پاشا بولا۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ کاہن جادوگر نے فرعون آمون کا پتلا کس اہرام میں دفن کیا ہوا ہے۔ اتنا مجھے یقین ہے کہ پتلا اس اہرام میں دفن نہیں کیا گیا جس اہرام میں سے فرعون آمون کی لاش برآمد ہوئی ہے۔ دوسری اہم بات جو مجھے اس پتلے کا کھوج لگانے سے باز رکھتی ہے' یہ ہے کہ کاہن جادوگر نے جہاں پتلے کا چھوٹا تابوت دفن کیا ہوگا وہاں اردگرد ضرور ہلاکت خیز طلسم پھونک رکھا ہوگا تاکہ جو کوئی پتلے تک پہنچنے کی کوشش کرے وہ پتلے کے تابوت تک پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک ہو جائے۔ ان دو باتوں کے علاوہ ایک اور سب سے خطرناک بات جو اس پتلے کے بارے میں لوگوں میں سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہے' یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ کاہن جادوگر کی بدروح مرنے کے بعد فرعون کے پتلے کی نگرانی کر رہی ہے۔ کیونکہ کاہن جادوگر کو یہ خوف ہے کہ فرعون کی روح اگر آزاد ہو گئی تو وہ اگلی دنیا میں کاہن جادوگر کی روح سے اپنے قتل کا بھیانک بدلہ لے سکتی ہے۔ چنانچہ کاہن جادوگر کی بدروح فرعون کے پتلے کی ہر وقت نگرانی کرتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص فرعون آمون کی روح آزاد کر کے اس سے زندگی کی کوئی خواہش پوری کروانے کے لالچ میں پتلے کے تابوت کے پاس چلا بھی جائے گا تو کاہن جادوگر کی بدروح وہیں اس کی گردن تن سے جدا کر دے گی۔ اب تم اچھی طرح سے سمجھ گئے ہو گے کہ میں نے اب تک فرعون کے پتلے کا کھوج لگانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

سب کچھ میں بڑی اچھی طرح سمجھ گیا تھا مگر میں نے اپنے دل میں سوچ لیا تھا کہ چاہے بھی کچھ ہو جائے فرعون کے پتلے کا کھوج لگا کر رہوں گا اور اس کے سینے سے خنجر نکال کر فرعون کی روح سے انعام کے طور پر اپنی زندگی کی کوئی سب سے قیمتی خواہش

پوری کراؤں گا۔ یہ میرا ذوق تجسّس تھا یا شیطانی لالچ تھا جو اس وقت میرے دماغ پر مسلط ہو گیا تھا۔ آپ کچھ سمجھ لیں لیکن میں فرعون کی روح کو آزاد کر کے اس سے اپنی زندگی کی ایک خواہش پوری کرانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

مَیں نے پاشا کو اپنے دل کے فیصلے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ مَیں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مجھے ہرگز ہرگز اس راستے پر چلنے کی اجازت نہیں دے گا کیونکہ اس میں ہر قدم پر جان کا خطرہ تھا۔ وہ خود اتنا تجربہ کار اور قدیم مصری طلسمات اور دیومالا کا علم رکھنے کے باوجود اس راستے پر چلنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا تو میں تو اس کے مقابلے میں بالکل اناڑی تھا وہ مجھے کیسے اجازت دے سکتا تھا۔ لیکن پاشا کی مدد کے بغیر فرعون کے پتلے کا کھوج لگانا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اس گفتگو کے بعد میں نے پاشا سے زیادہ ملنا جلنا شروع کر دیا۔ پہلے ہماری ملاقات صرف قاہرہ کے وائی ایم سی اے والے آفس میں ہی ہوتی تھی۔اب میں شام کے وقت جب پاشا گھر پر ہوتا تو اس سے ملنے چلا جاتا۔ ہم قاہرہ کے کسی سستے سے ریستوران میں بیٹھ کر قہوہ یا کافی پیتے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہتے۔ باتوں ہی باتوں میں موقع دیکھ کر ایک روز میں نے پاشا سے کہا۔ "دوست! یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں تاریخ کا طالب علم ہوں اور خاص طور پر قدیم مصر کی تہذیب میرا مضمون رہا ہے۔ تم نے فرعون آمون کی موت کے بارے میں مجھے جو حیرت انگیز باتیں بتائی ہیں ان سے میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ کیوں نہ فرعون آمون کی زندگی اور اس کی موت پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر پاکستان میں کتابی صورت میں چھپوا دوں۔ اس سے مجھے شہرت بھی ملے گی اور مالی اعتبار سے بھی مجھے فائدہ ہوگا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

پاشا کو میرے دل کی اصل بات کا تو علم ہی نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ "اگر اس طرح سے تمہیں اپنے وطن میں مالی فائدہ ہوگا اور تمہاری علمی حیثیت میں بھی اضافہ ہوگا تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ اس سلسلے میں' میں ہر طرح سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ قدیم مصر کی تہذیب اور ان کے طلسمی علوم کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے' میں وہ

سب کچھ تمہیں لکھوا دوں گا۔"

میں نے پاشا کے تعاون سے بظاہر آمون فرعون کی زندگی مگر درپردہ فرعون کے طلسمی پتلے کا کھوج لگانے کا کام شروع کر دیا۔ ہفتے میں دو یا تین بار میں اور پاشا پرانے قاہرہ کے کسی ریستوران میں یا دریائے نیل کے کنارے کسی پرفضا جگہ پر بیٹھ جاتے۔ فرعون آمون کی زندگی اور اس کے طلسمی پتلے کے متعلق جو روایتیں اور حکایتیں مشہور تھیں ان کے بارے میں باتیں ہوتیں۔ پاشا جو کچھ بیان کرتا' میں اسے ایک نوٹ بک میں لکھتا جاتا۔ تین چار ہفتوں کے بعد پاشا کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا کہ پرانے قاہرہ میں عمارہ نام کی ایک بوڑھی عورت رہتی ہے جس کو قدیم مصر کی تاریخ اور اس کی دیومالا پر بڑا عبور حاصل ہے اور اس کے پاس مصر کی قدیم زبان میں لکھی ہوئی بعض دستاویزات بھی ہیں جن کی مدد سے وہ فرعونوں کے زمانے کے مدفون خزانوں کا بھی پتہ لگا لیتی ہے۔ میں نے اس مصری عورت عمارہ کا پورا پتہ معلوم کر لیا اور ایک روز دوپہر کے بعد اس کے پاس پہنچ گیا۔

گنجان آباد پرانے قاہرہ شہر کے ایک چھتے ہوئے بازار کی ایک تنگ سی گلی میں اس کا مکان تھا۔ چھوٹے سے کمرے میں اہرام مصر' مصر کے فرعونوں اور اہراموں کی کھدائی سے برآمد ہونے والے قدیم مصری رسم الخط میں لکھے ہوئے کتبوں کی تصویریں لگی تھیں۔ کمرے کے درمیان میں چھوٹی گول میز کے گرد چار پانچ پرانی کرسیاں رکھی تھیں۔ نیچی چھت والے تنگ کمرے کی فضا میں گھٹن تھی اور مشک کافور کی طرح کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ عمارہ نام کی یہ بوڑھی عورت جوتش کا علم بھی جانتی تھی اور لوگوں کے ہاتھ بھی دیکھتی تھی اور پرانے مدفون خزانوں کی تلاش میں بھٹکنے والے لوگوں کو جوتش کا حساب لگا کر مدفون خزانوں کے بارے میں معلومات بھی فراہم کرتی تھی۔ سر کے سفید بالوں کو نیلے ریشمی رومال سے ڈھانپے' گلے میں عجیب عجیب قسم کے منکوں کی مالائیں پہنے وہ میرے سامنے بیٹھی ایک پرانی بوسیدہ کتاب کھول کر دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی فیس ادا کر دی تھی اور اسے اپنے بارے میں بتایا تھا کہ میرا تعلق پاکستان سے

ہے۔ میں قدیم مصری تہذیب پر ریسرچ کر رہا ہوں اور حال ہی میں قاہرہ کے ایک اہرام سے فرعونِ مصر آمون کی لاش برآمد ہوئی ہے' اس پر تحقیق کر رہا ہوں اور اس کے متعلق جو یہ روایت مشہور ہے کہ اس کو کاہن جادوگر نے زہر دے کر ہلاک کیا تھا اس سلسلے میں تاریخی حقائق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ بوڑھی عورت عمارہ اردو بالکل نہیں جانتی تھی۔ انگریزی زبان ضرور جانتی تھی۔ چنانچہ میں انگریزی میں ہی اس سے بات کر رہا تھا۔

عمارہ نے میری گفتگو بڑے غور سے سنی تھی اور مجھے کوئی جواب دیئے بغیر پرانی کتابوں میں سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگی تھی۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی ہوئی تھی اور اس کے اوراق بوسیدہ ہو چکے تھے۔ عمارہ بڑی احتیاط سے اس کے ورق پلٹ رہی تھی۔ کچھ دیر وہ بڑے انہماک سے کتاب کے مطالعے میں مصروف رہی۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ عمارہ نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی اور میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"فرعون مصر آمون کے متعلق تم نے جو کچھ سنا ہے وہی اس کتاب میں بھی لکھا ہے۔ اسے دربار کے شاہی کاہن جادوگر نے زہر دے کر مار دیا تھا۔ اس کاہن جادوگر کا نام پرانی خفیہ کتابوں میں قابوس لکھا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

ابھی میں اس عورت کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ مجھے اصل میں فرعون مصر آمون کے اس طلسمی پتلے کی تلاش ہے جس کے سینے میں خنجر گھونپ کر کاہن جادوگر قابوس نے اسے کسی خفیہ اہرام میں دفن کر دیا تھا۔ اس بوڑھی عورت عمارہ کی تیز نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں' جیسے میرے دل کا راز معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ پھر اس نے ایک سلیٹ اپنے سامنے رکھی اور مجھ سے میری تاریخ پیدائش پوچھی۔ میں نے اسے بتا دی۔ عمارہ نے چاک سے سلیٹ پر ایک مربع خانہ بنایا پھر اس کو چھ خانوں میں تبدیل کر دیا۔ ہر خانے میں اس نے عربی کے حروف تہجی کا ایک ایک حرف لکھا اور اسے غور سے دیکھنے لگی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میرا زائچہ بنا رہی تھی۔ سلیٹ ایک طرف کر کے وہ ایک اور پرانی کتاب کھول کر دیکھنے لگی۔ میں نے گردن ذرا اونچی کر کے کتاب کو دیکھا۔ کتاب کے صفحے پر ستاروں کی تقویم کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ کچھ دیر اس نقشے کو دیکھنے کے بعد اس نے سلیٹ

کے خانوں میں عربی میں کچھ لکھا پھر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات ایسے تھے جیسے اس نے میرے دل کا حال معلوم کر لیا ہو۔ بڑے دھیمے اور مشفقانہ لہجے میں کہنے لگے۔ "تمہیں جس چیز کی تلاش میرے پاس لے کر آئی ہے اور اپنے دل کے جس راز کو تم مجھ سے چھپا رہے تھے وہ راز میں نے معلوم کر لیا ہے۔ اب میں تم سے ایک سوال کروں گی، مجھے اس کا جواب دو۔"

میں کچھ شرمندہ سا ہو گیا کیونکہ اس عورت کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ میرے دل کی حقیقت معلوم کر چکی ہے۔ کہنے لگی۔ "کیا تمہیں فرعون مصر آمون کے طلسمی پتلے کی تلاش ہے؟"

اس کے سامنے انکار کرنے کی اب گنجائش نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ جب راز کھل ہی گیا ہے تو اس عورت سے صاف صاف بات ہو جانی چاہئے۔ ممکن ہے اس کی وجہ سے مجھے طلسمی پتلے کا سراغ مل جائے۔ میں نے کہا۔ "خانم! تم نے میرے دل کی بات پا لی ہے، میں تمہارے علم کا قائل ہو گیا ہوں۔ مجھے واقعی فرعون آمون کے طلسمی پتلے کی تلاش ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا علم جوتش تمہیں ضرور بتا دے گا کہ یہ طلسمی پتلا کاہن جادوگر نے کس اہرام میں دفن کیا تھا۔"

عمارہ کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی چھا گئی۔ اس نے آہستگی کے ساتھ ستاروں کی تقویم والی پرانی کتاب کو پرے ہٹایا اور کہنے لگی۔ "میں تمہیں نصیحت کروں گی کہ طلسمی پتلے کی تلاش کا خیال اپنے دل سے نکال کر پھینک دو۔ تمہارا زائچہ بتا رہا ہے کہ اگر تم اس کی کھوج میں نکلے تو ایک ایسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے جس میں سے نکلنا تمہارے لیے ناممکن ہو جائے گا۔"

میں نے تو فرعون کے طلسمی پتلے تک پہنچنے اور فرعون کی روح سے اپنی زندگی کی ایک خواہش پوری کروانے کا پختہ عزم کر رکھا تھا۔ مجھ پر عمارہ کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے کہا۔ "خانم! فرعون کے طلسمی پتلے کو حاصل کرنا میں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہوا ہے۔ میں ہر قیمت پر اسے حاصل کر کے رہوں گا چاہے اس کے لیے مجھے کچھ ہی

کرنا پڑے۔ تم اپنے علم کی ماہر خاتون ہو۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے سوا دوسرا کوئی طلسمی پتلے کی کھوج لگانے میں میری مدد کرنے کے لائق نہیں ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تمہاری مدد سے میں طلسمی پتلا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور فرعون کی روح نے میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کو پورا کر دیا تو میں تمہارے احسان کا بدلہ چکانے تمہارے پاس ضرور آؤں گا۔"

بوڑھی عمارہ کے ضعیف چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ کہنے لگی۔ "تم نے اپنی زندگی کی کون سی خواہش فرعون کی روح سے پوری کرانا چاہتے ہو؟"

میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ یہ میں سوائے فرعون کی روح کے اور کسی کو نہیں بتاؤں گا لیکن تمہیں اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے فرعون کی روح سے جو کچھ بھی ملا اس میں تمہارا حصہ ضرور ہو گا۔ تم مجھے حساب لگا کر صرف یہ بتا دو کہ فرعون آمون کا طلسمی پتلا کاہن جادوگر نے کس اہرام میں دفن کیا تھا۔"

بوڑھی عورت نے حساب لگانا شروع کر دیا۔ وہ مختلف پرانی دستاویزوں کے پلندے کھول کھول کر خستہ اوراق کو پلٹ کر دیکھتی جاتی تھی۔ ساتھ ساتھ مجھ سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ کہنے لگی۔ "کاہن جادوگر قابوس نے طلسمی پتلے کو ایسی جگہ دفن کیا ہوا ہے جس کا پانچ ہزار سال گزر جانے کے بعد آج تک کسی کو علم نہیں ہو سکا۔ پرانی دستاویزات اور طلسم کی کتابوں میں اس کے اشارے ضرور ملتے ہیں۔ انہی اشاروں کی مدد سے میں اس جگہ کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

کافی دیر تک عمارہ پرانی کتابوں اور کاغذات کے مطالعے میں مصروف رہی۔ میں خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا رہا۔ اچانک ایک دستاویز کو دیکھتے ہوئے اس کے بوڑھے چہرے پر امید کی ہلکی سی کرن روشن ہوئی۔ کہنے لگی۔ "میں نہیں جانتی یہ تمہاری خوش قسمتی ہے یا تمہاری بدقسمتی ہے، مجھے اس جگہ کا اشارہ مل گیا ہے جہاں طلسمی پتلا دفن ہے۔"

میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ میں نے کہا۔ ”یہ جگہ کہاں پر واقع ہے خانم؟ تمہاری بڑی عنایت ہوگی۔ مجھے جلدی سے بتا دو۔“

عمارہ نے سلیٹ کے دوسری طرف زائچہ بنانے والی لکیریں ڈالیں۔ ان کے چھ خانے بنائے اور بولی۔ ”اس خفیہ جگہ کا ابھی مجھے خود علم نہیں ہے۔ زائچہ بنا کر وہ جگہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔“

زائچہ بنانے کے بعد وہ دیر تک غور کرتی رہی۔ پھر اس نے الگ کاغذ پر کچھ لکھا‘ ایک نقشہ سا بنایا اور ایک جگہ انگلی رکھ کر میری طرف دیکھا۔ ”یہ وہ جگہ ہے جہاں زائچے نے بتایا ہے کہ فرعون کا طلسمی پتلا دفن کیا گیا تھا۔“

میں آگے کو جھک کر کاغذ پر بنی ہوئی لکیروں اور چھوٹے دائروں کو دیکھنے لگا۔ عمارہ کہنے لگی۔ ”اس طرح تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔ میں تمہیں زبانی سمجھاتی ہوں۔ یہ لو کاغذ اور پنسل‘ ضروری باتیں اور اشارے نوٹ کرتے جانا۔“

بوڑھی عورت عمارہ نے بتایا کہ مصر کی بندرگاہ اسکندریہ کے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف جائیں تو بیس کلومیٹر کے فاصلے پر عاریہ نام کا ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں کے قریب ایک ویران پہاڑی ٹیلہ ہے۔ لوگ اسے ٹیلہ ہی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت ہی قدیم اہرام ہے۔ زائچہ بتاتا ہے کہ کاہن جادوگر نے فرعون آمون کا طلسمی پتلا اسی اہرام کے اندر دفن کیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا اس اہرام کے اندر جانے کا کوئی راستہ بھی ہے؟“

عمارہ ایک بار پھر سلیٹ پر بنے ہوئے زائچے کو دیکھنے لگی۔ کچھ توقف کے بعد بولی۔ ”زائچہ بتاتا ہے کہ ایک زمین دوز راستہ اس گمنام اہرام کے اندر جاتا ہے۔ یہ غار نما راستہ ہزاروں سال سے بند پڑا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”مجھے صرف اتنا بتا دو کہ اس غار کا دہانہ کس جگہ پر ہے۔ باقی مجھ پر چھوڑ دو کہ اہرام کے اندر کیسے جاؤں گا۔“

عمارہ نے اپنی نگاہیں زائچے پر جما دیں۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے

تھے۔ پھر اس نے اپنی نظریں زائچے سے ہٹا کر مجھے دیکھا اور بولی۔ ”اہرام کی مغربی دیوار میں بڑے بڑے پتھروں کی سلیں لگی ہوئی ہیں۔ یہ سلیں ہزاروں سال کی گرد مٹی اور گھاس پھونس اور جھاڑیوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ تمہیں پتھروں کی یہ سلیں یعنی بلاک تلاش کرنے پڑیں گے۔ زائچے کے حساب سے یہ ساتھ ساتھ لگی ہوئی سات سلیں ہیں۔ بائیں جانب سے چوتھی اور پانچویں سل کے درمیان ایک چھوٹا شگاف رکھا گیا تھا جو بعد میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس شگاف کے اندر ایک لوہے کی چھوٹی ہتھی ہے۔ اگر تم اس ہتھی کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اس کو پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچنا۔ میرا حساب بتا رہا ہے کہ اس ہتھی کے کھینچنے سے اہرام کے اندر جانے والا زمین دوز راستہ کھل جائے گا۔ یہ راستہ تمہیں اہرام کے اندر اس تہ خانے میں لے جائے گا جہاں کاہن جادوگر قابوس نے فرعون کے طلسمی پتلے کو ایک تابوت میں رکھ کر بند کر دیا تھا۔ اس کے آگے زائچہ خاموش ہے اور میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔“

میں نے عمارہ سے کہا کہ کاہن جادوگر نے وہاں ضرور طلسمی حصار وغیرہ کھینچے ہوں گے اور طلسمی منتر پھونکے ہوں گے۔ ان سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔ وہ بولی۔ ”میں تمہیں ایک تعویذ دوں گی۔ اس تعویذ کو اپنے بازو پر باندھے رکھنا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک یہ تعویذ تمہارے بازو پر بندھا رہے گا تم پر کسی جادو طلسم کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔“

عمارہ نے الماری میں سے ایک پرانی ساخت کا لکڑی کا ڈبہ نکالا۔ اس میں سے چمڑے میں منڈھا ہوا چھوٹا سا تعویذ نکالا جس کے ساتھ سیاہ دھاگہ بندھا ہوا تھا۔ کہنے لگی۔ ”اپنا بازو آگے کرو۔“

میں نے دایاں بازو آگے کر دیا۔ عمارہ نے عربی میں کچھ پڑھنے کے بعد وہ تعویذ میرے دائیں بازو پر اچھی طرح سے باندھ دیا۔ جب میں عمارہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا۔ ”میں ایک بار پھر تمہیں یہی کہوں گی کہ طلسمی پتلے کا خیال دل سے نکال دو۔ یہ مہم تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا کر سکتی ہے۔“

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ مسکراتے ہوئے تہہ دل سے بوڑھی مصری عورت کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا آیا۔

ہوسٹل کی کوٹھڑی میں آکر میں نے عاریہ گاؤں کے پہاڑی ٹیلے والے اہرام کے بارے میں جو اشارے نوٹ کئے تھے انہیں اپنی پاکٹ بک میں وضاحت کے لکھا اور ذہنی طور پر طلسمی پتلے کی تلاش کی خطرناک مہم کی تیاریاں شروع کر دیں۔

رات کو اتفاق سے پاشا وائی ایم سی اے کے دفتر میں آگیا۔ اس نے مجھے بھی بلوا لیا۔ کہنے لگا۔ "برادر سلطان! تم نے تحقیق کا کام ضرور شروع کر دیا ہوگا۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فرعون آمون کے اہرام میں ایک اور تہہ خانہ دریافت ہوا ہے جس میں قدیم مصری زبان میں لکھی ہوئی کچھ دستاویزات برآمد ہوئی ہیں۔ تم اگر چاہو تو کل میرے ساتھ چل کر ان کو دیکھ سکتے ہو۔"

مجھے ان دستاویزات سے اب کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو کسی اور ہی مہم کی تیاریاں کر رہا تھا۔ پاشا کو میں نے عمارہ سے اپنی ملاقات اور وہاں جو باتیں ہوئی تھیں، اُن کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مجھے معلوم تھا وہ مجھے اس مہم پر نہیں جانے دے گا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ میں کسی دوسرے کو اپنی مہم کے راز میں شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رات دیر تک میں سوچتا رہا کہ اگر میں طلسمی پتلے تک پہنچنے اور اس کے سینے میں دھنسا ہوا خنجر نکال کر فرعون آمون کی روح کو حاضر کرنے میں کامیاب ہوگیا تو میں اس کے آگے اپنی زندگی کی کون سی سب سے بڑی خواہش کا اظہار کروں گا۔ اتنا مجھے یقین تھا کہ اگر واقعی فرعون کی روح نے مجھ سے میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوچھی تو وہ اسے ضرور پورا کرے گی۔ یہی وہ یقین تھا جو مجھے اس مہم پر لئے جا رہا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر میں نے ایک خواہش سوچ لی۔ یہ خواہش میں آپ کو بھی ابھی نہیں بتاؤں گا۔ جب میں فرعون کی روح کے آگے اپنی خواہش بیان کروں گا تو آپ کو خودبخود معلوم ہو جائے گا۔

میں اس مہم کو شروع کرنے کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار ہو چکا تھا۔ دیر لگانے کی کوئی وجہ نہیں تھی چنانچہ دوسرے دن میں نے اپنے ایک عزیز سے ملنے اسکندریہ جانے کا بہانہ کر کے نوادرات کے سٹور سے جہاں میں کام کرتا تھا، تین دن کی چھٹی لے لی اور صبح کے وقت ٹرین میں سوار ہو کر اسکندریہ کی طرف چل پڑا۔ دوپہر کے وقت اسکندریہ پہنچا۔ ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں چھوٹا سا کمرہ کرائے پر لے لیا۔ سامان میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے ہوٹل میں ہی اس بات کی تصدیق کر لی کہ عاریہ نام کا گاؤں اسکندریہ سے جنوب کی طرف بیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مجھے اسی گاؤں میں جانا تھا۔ گمنام اہرام کا پہاڑی ٹیلہ اسی گاؤں کے قریب تھا۔ میں دن کی روشنی میں اس اہرام کا سروے کرنا چاہتا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا اہرام کے ٹیلے کے مغربی جانب پتھر کی وہ سات سلیں اپنی جگہ پر موجود ہیں جن کے بارے میں عمارہ نے بتایا تھا کہ چوتھی اور پانچویں سل کے درمیان ایک شگاف تھا۔ مجھے یہ شگاف سلوں پر جمی ہوئی مٹی اور گھاس وغیرہ کھود کر تلاش کرنا تھا۔ یہ سروے میں دن کی روشنی میں ہی کر سکتا تھا۔ جگہ کا تعین ہو جانے کے بعد میرا ارادہ سورج غروب ہو جانے کے بعد جب ذرا اندھیرا ہو جائے تو وہاں دوبارہ آنے کا تھا۔ میں گاؤں کے لوگوں کی نظروں سے بچ کر کام کرنا چاہتا تھا۔

اسکندریہ کا موسم قاہرہ کے مقابلے میں سمندر قریب ہونے کی وجہ سے خوشگوار تھا۔ خوب ہوا چل رہی تھی۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے فوراً بعد میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور عاریہ نامی گاؤں کی طرف روانہ ہوگیا۔ ساحل سمندر کے ساتھ ایک پختہ سڑک عاریہ گاؤں سے ہوتی ہوئی آگے کسی بڑے قصبے کی طرف نکل جاتی تھی۔ ہر طرف ساحل سمندر پر ریت ہی ریت تھی۔ کہیں کہیں کھجور کے درختوں کے جھنڈ نظر آ جاتے تھے۔ عاریہ گاؤں پہنچ کر میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن چونکہ ایک بڑے شہر کے قریب تھا اس لئے وہاں سیاحوں کے لیے جدید سہولتیں میسر تھیں۔ ایک ریستوران بھی تھا۔ اس ریستوران میں بیٹھ کر میں نے کافی پی۔ بہت کم لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ یورپی سیاحوں کا ایک جوڑا کونے والی ٹیبل پر بیٹھا کھانے پینے میں مصروف تھا۔ گمنام اہرام

کا پہاڑی ٹیلہ میں نے گاؤں بھی داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کافی ختم کر کے میں
خاموشی سے اٹھا اور کاؤنٹر پر بل ادا کیا۔ اس کے بعد سیر کرنے کے انداز میں چلتا چلتا اس
کچے راستے پر آگیا جو کچھ فاصلے پر موجود پہاڑی ٹیلے کی طرف جاتا تھا۔

پہاڑی ٹیلے کے قریب جا کر میں رک گیا اور اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالی۔ یہ
ایک ویران اجڑا ہوا اونچا ٹیلہ تھا۔ اس کو دیکھ کر کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ
کوئی اہرام ہے۔ ساری پہاڑی پر بھورے رنگ کی خشک جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ کوئی
درخت نہیں تھا۔ جہاں سے یہ پہاڑی ٹیلہ شروع ہوتا تھا وہاں بھی خشک جھاڑیاں اگی ہوئی
تھیں۔ زمین ریتلی تھی۔ جابجا چھوٹے بڑے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ میں پہاڑی کے
مغرب کی جانب آگیا۔ بوڑھی مصری خاتون عمارہ نے کہا تھا کہ مغرب کی جانب ایک جگہ
پتھر کی بڑی بڑی سات سلیں ایک ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ چوتھی اور پانچویں سل کے درمیان
شگاف رکھا گیا ہے جس کے اندر ایک آہنی ہتھی لگائی گئی تھی جس کو کھینچنے سے اہرام کے
اندر جانے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اس نے یہی کچھ بتایا تھا۔ پہاڑی کی ڈھلان اوپر سے
لے کر نیچے تک خشک گھاس اور جھاڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اگر کہیں کوئی جگہ خالی رہ
بھی گئی تھی تو وہاں ہزاروں سال کے ریتلے گرد و غبار نے پتھر پر جمی ہوئی ریت کی تہیں
چڑھا دی تھیں۔

لیکن مجھے ہر حالت میں مطلوبہ جگہ کو تلاش کرنا تھا۔

میں پہاڑی کی مغرب کی طرف اوٹ میں ہوتے ہی ڈھلان کے ساتھ ہو کر بڑے
غور سے جھاڑیوں اور خشک گھاس میں پتھر کی سلوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگا۔
جھاڑیوں پر بھی ریت اڑ اڑ کر جمی ہوئی تھی۔ ہاتھوں سے ٹٹولتا اور جھک کر بڑے انہماک
سے دیکھتا ہوا پہاڑی کے دوسرے سرے تک چلا گیا۔ مجھے وہاں کوئی پتھر کی سل نظر نہ
آئی۔ وہاں سے جائزہ لیتا ہوا جہاں سے چلا تھا وہاں واپس آگیا۔ اس دفعہ بھی کوئی کامیابی
نہ ہوئی۔ چوتھے پھیرے پر مجھے پہاڑی ڈھلان میں ایک جگہ سلیٹی رنگ کا چھوٹا سا پتھر
دکھائی دیا۔ میں نے جھاڑیوں اور گھاس پھونس کو اس جگہ سے نوچ ڈالا۔ یہ سلیٹی رنگ کا

پتھر کسی بڑے پتھر کا کنارا تھا۔ میں نے مزید گھاس پھونس صاف کی تو معلوم ہوا کہ وہ پتھر
اصل میں ایک سل ہے۔ میں جلدی جلدی باقی جگہ سے بھی گھاس اور جھاڑیاں کھینچ کر
توڑنے اور ہٹانے لگا۔ دس پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد دو مربع فٹ کے حجم کی ایک سل
نیچے سے نکل آئی۔ اب مجھے یہ دیکھنا تھا کہ یہ پہلی سل ہے یا آخری۔ میں نے بائیں
جانب سے پہاڑی کی ڈھلانی دیوار کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ گھاس پتھروں سے چمٹ کر
سخت ہو گئی تھی۔ بڑی کاوش کے بعد میں نے ساتھ والی جگہ بھی صاف کر دی۔ مگر وہاں
کوئی سل یا پتھر نہیں تھا۔ نیچے سخت جمی ہوئی مٹی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں سے
سات سلوں کی پہلی سل شروع ہوتی تھی۔

O==========☆==========O

مجھے خیال آیا کہ اگر پہلی سل کا حجم ایک مربع فٹ ہے تو دوسری سل بھی اسی سائز کی ہوگی۔ چنانچہ میں ایک فٹ کا فاصلہ چھوڑ کر آگے کی جگہ صاف کرنے لگا۔ وہاں دو سلیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔ اسی طرح میں چوتھی اور پانچویں سل کے جوڑ کے مقام پر آگیا۔ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہو رہی تھی کہ مصری خاتون عمارہ کا لگایا ہوا حساب غلط نہیں تھا اور جیسا اس نے کہا تھا ویسے ہی یہاں سات سلیں ایک دوسری کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ چوتھی اور پانچویں سل کے درمیانی جو جوڑ تھا وہ بظاہر نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے زمین پر سے ایک نوکیلا پتھر اٹھایا اور اس جگہ کو کھرچنے لگا۔ نیچے سے جوڑ نکل آیا۔ یہ جوڑ نیچے سے اوپر تک ایک فٹ لمبا تھا۔ عمارہ کے حساب کے مطابق اس ایک فٹ اونچے جوڑ کے درمیان وہ شگاف تھا جس میں اہرام کی سرنگ کو کھولنے والی آہنی ہتھی لگی ہوئی تھی۔ میں اپنے ساتھ کوئی اوزار نہیں لایا تھا۔ نوکیلے پتھر ہی سے جوڑ کے درمیان حصے کو کھرچتا رہا۔ جوڑ میں سے پہلے تو بھورے رنگ کی جمی ہوئی ریت نکلتی رہی۔ پھر نیلے رنگ کا برادہ سا نکلنے لگا۔ مجھے یاد آگیا کہ نیلا رنگ قدیم مصر کے فرعونوں کا سرکاری درباری رنگ ہوا کرتا تھا۔

امید کی شمع زیادہ روشن ہوتی جا رہی تھی۔

مجھے پسینہ آگیا تھا مگر میں اپنے کام میں لگا رہا۔ کوئی آدھے گھنٹے کی سخت کوشش کے بعد ایک بار میں نے جوڑ کے درمیان نوکیلے پتھر کی ضرب لگائی تو پتھر آدھے سے زیادہ اندر چلا گیا۔ یہاں کوئی سوراخ تھا۔ یہ سوراخ یقینی طور پر وہی شگاف تھا جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں نے نیلے برادے ایسی سخت مٹی کو ہاتھ سے ادھر ادھر ہٹانے کے بعد سوراخ کے اندر ہاتھ ڈالا تو میری انگلیاں کسی سخت شے سے ٹکرائیں۔ میں نے اس سخت شے کو انگلیوں سے ٹٹولا۔ یہ لوہے کا ایک چھوٹا سا دستہ یا ہینڈل تھا۔ میں نے ہاتھ شگاف میں سے باہر نکال لیا اور اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ میں نے سوراخ کے قریب آنکھ لے جا کر دیکھنے کی کوشش کی مگر مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ بہرحال شگاف کے اندر جو آہنی ہتھی تھی وہ دریافت ہو چکی تھی۔ اب مجھے اسے جھٹکے سے کھینچ کر یہ معلوم کرنا تھا کہ اہرام کے اندر جانے والا راستہ کہاں سے کھلتا ہے۔ میں دل میں حیران ہو رہا تھا کہ اگر واقعی ہتھی کے کھینچنے سے اہرام کے اندر جانے والا کوئی راستہ کھلا بھی تو کہاں سے کھلے گا؟ پہاڑی کی دیوار تو شق ہو نہیں سکتی۔ پتھر کی سلیں اتنی مضبوطی سے لگی ہوئی تھیں کہ وہ پہاڑی کے پتھروں کا حصہ بن چکی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتی تھیں۔ ہتھی کھینچنے سے کیا شے معرض وجود میں آئے گی؟ یہ ہتھی کھینچنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا تھا۔

مگر یہ کام میں اس وقت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہاں کس جگہ سے پہاڑی کے پتھر گرنے شروع ہو جائیں۔ مصر کے قدیم انجینئروں کی ٹیکنالوجی ساری دنیا میں مشہور تھی۔ ان لوگوں کو انجینئرنگ میں کمال حاصل تھا۔ ہتھی کے کھینچنے سے کسی نہ کسی جگہ سے اہرام کا راستہ ضرور کھلتا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ہزاروں سال کی گرد مٹی اور ریت نے اس جگہ کو پتھر بنا دیا ہو۔ یہ کام میں اندھیرا ہو جانے کے بعد ہی انجام دینا چاہتا تھا تاکہ مجھے وہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ میں نے شگاف کو پتھروں سے پر کر کے اس میں گھاس پھنسا دی۔ اس کے بعد پتھروں کو جمع کر کے وہاں نشانی کے طور پر ایک ڈھیری بنا دی تاکہ رات کے وقت میں اس جگہ کو پہچان سکوں۔ میں عاریہ گاؤں کے ریستوران میں واپس آگیا۔ سورج غروب ہونے تک ریستوران میں ہی بیٹھا چائے اور

ٹھنڈے مشروبات وغیرہ پیتا رہا۔

جب سورج غروب ہونے کے بعد اندھیرے کا دھندلکا چھا گیا تو میں ریستوران سے اٹھا اور خاموشی سے پہاڑی ٹیلے کی طرف چل پڑا۔ سمندر کی طرف سے تیز ہوا چلنے لگی تھی۔ دن بھر کی گرمی کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ چند منٹوں میں' میں پہاڑی ٹیلے کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں میں پتھروں کی ڈھیری کی نشانی بنا گیا تھا وہاں آ کر سب سے پہلے میں نے دائیں بازو پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ عمارہ کا دیا ہوا دافع طلسمات تعویذ میرے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ پہاڑی کی ڈھال پر جہاں گھاس پھونس میں نے ٹھونس کر سوراخ کو بند کر رکھا تھا وہاں سے گھاس وغیرہ ہٹایا اور اندر ہاتھ ڈال کر آہنی ہتھی تک انگلیاں پہنچا کر اسے ٹٹول کر اچھی طرح سے محسوس کیا۔ مجھے اسے کھینچتے ہوئے گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ خدا جانے کیا ہو جائے۔ کہیں ایک طرف سے پہاڑی کے سارے پتھر ہی مجھ پر نہ گر پڑیں۔ میں اپنے ساتھ ماچس کی ڈبی اور چار پانچ موم بتیاں لیتا آیا تھا تاکہ کوئی اندھیری سرنگ نمودار ہو تو وہاں روشنی کر کے راستہ دیکھ سکوں۔ دو تین بار ہتھی کو کھینچتے کھینچتے رہ گیا۔ یقین کریں حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ لیکن فرعون کی روح سے اپنی زندگی کی سب سے اہم خواہش پوری کروانے کا خیال غالب تھا۔ چنانچہ میں نے اللہ کا نام لے کر ہتھی کو اپنی طرف کھینچا۔ ہتھی جام ہو چکی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی۔ میں نے دوسری بار کوشش کی۔ پھر بھی ہتھی اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ چوتھی بار کوشش کی تو ہتھی میں معمولی سی حرکت پیدا ہوئی۔

میں اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ہتھی ایک جگہ پر آ کر رک گئی۔ میں نے اسے مضبوطی سے اپنی پانچوں انگلیوں میں جکڑ کر زور سے جھٹکا دے کر اپنی طرف کھینچا۔ ہتھی پوری کی پوری کھنچ کر شگاف کے منہ تک آ گئی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے گڑگڑاہٹ کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ جیسے بہت دور کہیں بادل گرجا ہو۔ گڑگڑاہٹ کی آواز تین چار سیکنڈ تک آتی رہی اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یہ آواز کہاں سے آئی ہے کہ دوسری بار پھر وہی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں ایک قدم پیچھے ہٹ

کر کھڑا ہو گیا۔ شام کا اندھیرا کافی گہرا ہو گیا تھا۔ دوسری بار گڑگڑاہٹ کی آواز قریب سے سنائی دی تھی۔ میں بڑھتے پھیلتے اندھیرے میں آنکھیں سکیڑ کر بڑے غور سے پہاڑی ٹیلے کی ڈھلان کو دیکھ رہا تھا کہ شاید یہاں کسی جگہ کوئی شگاف نمودار ہو مگر ایسا نہ ہوا۔ گڑگڑاہٹ کی آواز بھی اس کے بعد جیسے غائب ہو گئی تھی۔ میرے دل کو یقین تھا کہ یہ آواز ضرور پہاڑی ٹیلے میں کسی خفیہ راستے کے کھلنے کی آواز تھی لیکن اندھیرے میں وہ جگہ تلاش کرنا مشکل کام تھا۔ میں نے جیب سے موم بتی نکال کر روشن کر لی اور پہاڑی ٹیلے کی ڈھلان کے ساتھ روشنی میں بڑے غور سے دیکھتا قدم قدم چلنے لگا۔ مجھے خیال آ رہا تھا کہ اگر کسی جگہ پر کسی خفیہ سرنگ کا دروازہ کھلا بھی ہو گا تو وہ سرنگ پانچ ہزار سال سے بند پڑی تھی۔ خدا جانے اس کے کھلتے ہی اندر سے کوئی بلا نکل کر مجھے پکڑ لے۔ اور کچھ نہیں تو سرنگ کی فضا ضرور زہریلی ہو چکی ہو گی۔ اس کے علاوہ مجھے کاہن جادوگر کے اس ہلاکت خیز طلسمی عمل کا بھی خیال آ رہا تھا جو اس نے سرنگ میں جگہ جگہ پھونکا ہوا ہو گا۔ اگرچہ عمارہ کا دیا ہوا تعویذ میرے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ اس کے باوجود ایک خوف مجھے ضرور لگا ہوا تھا کیونکہ میں نے پڑھ رکھا تھا کہ قدیم مصر کے کاہنوں کے طلسم اس قدر مہلک اور تیر بہدف ہوتے تھے کہ ان کی زد میں آیا ہوا آدمی زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔

موم بتی ہاتھ میں لئے میں پہاڑی کے مشرقی سرے تک چلا گیا۔

کسی جگہ سے کوئی بھی پتھر اور جھاڑی اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔ سب کچھ ویسے ہی تھا جیسے ہتھی کھینچنے اور گڑگڑاہٹ کی آواز سے پہلا تھا۔ تو پھر یہ گڑگڑاہٹ کی آواز کیسی تھی؟ یہ کہاں سے پیدا ہوئی تھی؟ آسمان پر بادل تو نہیں گرجے تھے؟ مگر آسمان پر تو تارے نکلے ہوئے تھے۔ ویسے بھی مصر میں بارش کبھی کبھار ہی ہوتی ہے۔ میں نے سوچا کہ پہاڑی کی دوسری طرف کا بھی ایک چکر لگانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے اسی طرف سے کوئی اندر جانے کا راستہ نمودار ہو گیا ہو۔ میں پہاڑی کی دوسری جانب ڈھلان کے ساتھ قدم قدم کر کے چل پڑا۔ تین چار قدم ہی چلا ہوں گا کہ اچانک میرے نیچے سے زمین بیٹھ گئی اور میں ریت گھاس اور جھاڑیوں کے ملبے کے ساتھ ہی نیچے جیسے ایک کنوئیں میں گر

پڑا۔ موم بتی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی تھی۔ میں نے گرنے کے ساتھ ہی اپنا سر باہوں میں چھپا لیا تھا کہ سر پر چوٹ نہ لگے۔ جھاڑیاں جو زمین کے ساتھ ہی میرے ساتھ نیچے آئی تھیں' انہوں نے مجھے بچا لیا۔ میں سکتے کے عالم میں جھاڑیوں میں الجھا پہلو کے بل پڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ میں زمین کے اندر ڈیڑھ ایک منزل کی گہرائی میں گرا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے کنواں نما گڑھے کے اوپر آسمان کو دیکھ کر ہو رہا تھا جہاں ستارے جھلملا رہے تھے۔

میں زیادہ دیر تک عالم حیرت میں نہ رہا۔ سمجھ گیا کہ یہی اہرام کے اندر جانے کا خفیہ راستہ ہے اور ہتھی کھینچنے سے جو گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی تھی وہ اس جگہ زمین کے نیچے پتھر کی کسی سل کے کھسکنے کی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو جھاڑیوں میں سے نکالا اور جیب سے دوسری موم بتی نکال کر روشن کر لی۔ موم بتی کی روشنی میں مجھے پہاڑی ٹیلے والی دیوار میں ایک شگاف دکھائی دیا۔ قریب جا کر دیکھا کہ یہ کسی سرنگ کا دہانہ تھا جو پہاڑی اہرام کے نیچے ہی نیچے اندر چلی گئی تھی۔ سرنگ میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہ اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ موم بتی کی روشنی سے بھی کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ یہ امر طے شدہ تھا کہ میں نے اہرام کے نیچے مدفون طلسمی پتلے کے تابوت تک پہنچنے کا راستہ دریافت کر لیا تھا یا دریافت ہو گیا تھا۔ میں نے سرنگ میں قدم رکھا تو اندر سے بڑی بوجھل اور ناگوار بو کا ایک جھونکا سا آ کر مجھ سے ٹکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

اہرام میں ہزاروں سال سے بند ہوا سرنگ کے کھلتے ہی تیزی سے باہر کی طرف نکل رہی تھی۔ موم بتی کی مدہم روشنی میں' میں سرنگ کا جائزہ لیتا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ یہ کوئی سرنگ نہیں تھی۔ ایک راہداری سی تھی جس کی دونوں جانب دیواروں پر چھوٹی اینٹوں کی چنائی ہوئی تھی۔ چھت کو محرابوں نے سنبھالا ہوا تھا۔ دیواروں پر قدیم مصری مرد عورتوں کی رنگین تصویریں اور نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ تیسری محراب کے نیچے سے گزرتے ہوئے ایک دم پیچھے کو مجھے دھکا سا لگا۔ میں سمجھ گیا کہ کاہن جادوگر نے

یہاں جو طلسم پھونک رکھا ہے اس کا حملہ شروع ہو گیا ہے۔ میرے بازو پر بندھے ہوئے تعویذ نے مجھے جادو کے اثرات سے بچا لیا تھا۔ راہداری ایک دالان میں جا کر ختم ہو گئی۔ دالان میں ستون تھے جن کے درمیان چھوٹے سے چبوترے پر ایک انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ لٹک رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے دالان میں قدم رکھا ڈھانچے نے جھولنا شروع کر دیا۔ وہ جھولتا ہوا میرے اتنے قریب آ گیا کہ میں پیچھے نہ ہٹتا تو وہ مجھ سے ٹکرا جاتا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ فرعون کا طلسمی پتلا ایک چھوٹے تابوت میں بند ہے اور وہاں مجھے کوئی تابوت نظر نہیں آ رہا تھا۔ دالان کی سامنے والی دیوار میں ایک چھوٹا سا محرابی دروازہ تھا شاید تابوت وہاں کہیں رکھا ہوا تھا۔

انسانی ڈھانچہ اب گول چکر میں گھومنے لگا تھا اور گونج کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ یہاں بھی ضرور جادو ٹونہ کیا ہوا تھا مگر تعویذ کی وجہ سے مجھ پر اس کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ میں جھک کر اپنے آپ کو گھومتے ہوئے انسانی ڈھانچے سے بچاتا ہوا سامنے والے محرابی دروازے میں داخل ہو گیا۔ یہاں بھی ایک تنگ راہداری تھی۔ موم بتی میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور میں اس کی روشنی میں آگے بڑھ رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد اچانک میرا اگلا پاؤں پھسل کر فرش کے ایک فٹ اندر چلا گیا۔ میں گرتے گرتے سنبھل گیا اور جلدی سے پیچھے ہٹ کر موم بتی کی روشنی میں دیکھا کہ فرش وہاں سے زمین کے اندر دھنسا ہوا تھا۔ یہاں ضرور طلسمی پتلے تک پہنچنے والوں کے لیے زمین کے نیچے کوئی کنواں کھدا ہوا ہو گا تاکہ جو کوئی اندر آئے وہ اس میں گر کر ہلاک ہو جائے۔ میں دیوار کے کنارے کنارے ہو کر آگے نکل گیا۔ راہداری ایک طرف مڑ گئی۔ موم بتی کی روشنی میں ایک تنگ محرابی دروازہ دکھائی دیا جس کے درمیان پیتل کا ایک مجسمہ اس طرح کھڑا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں نیزے تھے۔ جیسے ہی میں دروازے کے قریب ہوا' پیتل کے مجسمے میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ نیزوں کو تنگ دروازے میں اس طرح چلانا شروع کر دیا جیسے دروازے میں سے گزرنے والے کو ہلاک کر رہا ہو۔ یہ بھی کاہن جادوگر کے طلسم کا ایک شاہکار تھا۔ میں وہیں رک گیا۔

سوچنے لگا دروازے میں سے کیسے گزرا جائے۔ پیتل کے طلسمی مجسمے کا دروازے پر پہرے کے طور پر موجود ہونا اس بات کی علامت تھی کہ طلسمی پتلے کا تابوت اسی کمرے میں ہے۔ میں نے نیزوں کے وار سے اندازہ لگایا کہ مجسمے کا وار ہر دو سیکنڈ کے وقفے سے دروازے کے عین درمیان میں پڑتا ہے۔ مجھے ان دو سیکنڈ میں دروازے میں سے نکلنا تھا۔ میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا دروازے کے اور قریب ہو گیا۔ جیسے ہی میں دروازے کے قریب ہوا ایک چیخ کی آواز بلند ہوئی اور چھت پر سے کوئی چیز دھپ سے میرے اوپر گری۔ خوف کے مارے میری بھی چیخ نکل گئی اور موم بتی میرے ہاتھ سے گر کر بجھ گئی۔ میں نے جلدی سے موم بتی اٹھا کر اسے دوبارہ روشن کر دیا۔ میں نے اوپر سے گری ہوئی چیز کو دیکھا تو میرے جسم میں دہشت کی سرد لہر دوڑ گئی۔ یہ شے ایک عورت کا کٹا ہوا سر تھا جس کی آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ یہ بھی کاہن جادوگر کا طلسم تھا۔ میں اس طلسم سے بھی بچ گیا تھا۔ پیتل کا مجسمہ دونوں ہاتھوں سے دروازے کے وسط میں نیزوں کے وار کر رہا تھا۔

نیزے کے ہر وار کے درمیان صرف ایک دو سیکنڈ کا وقفہ پڑتا تھا۔ میں وار کرتے نیزوں کے مزید قریب ہو گیا۔ اب مجھے چھلانگ لگا کر حملہ کرتے نیزوں کے وار سے بچ کر دروازے میں سے گزر جانا تھا۔ میری نگاہیں نیزوں پر جمی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی ایک نیزہ دروازے کے درمیان پڑنے کے بعد اوپر کو اٹھا اور اس سے پیشتر کہ دوسرا نیزہ وہاں گرتا میں دروازے میں سے کود گیا۔ موم بتی بجھ گئی مگر میں زندہ حالت میں دروازے میں سے نکل گیا تھا۔ زمین پر بیٹھے بیٹھے میں نے جیب سے ماچس نکالی اور موم بتی کو روشن کر دیا۔ اردگرد کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ایک تنگ و تاریک کمرہ ہے جس کے درمیان میں چبوترے پر ایک درمیانے سائز کا عام تابوت سے چھوٹا ایک تابوت پڑا ہے۔ تابوت کے سرہانے کی جانب ایک حنوط شدہ لاش مجسمے کی طرح کھڑی گردن جھکا کر تابوت کو دیکھ رہی تھی۔ تابوت کے اوپر بلی کی ایک مورتی پڑی تھی۔ قدیم زمانے کے مصری لوگ بلی کی بھی پوجا کرتے تھے۔ یہی وہ تابوت تھا جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں نے چبوترے پر قدم رکھا تو

جھکی ہوئی حنوط شدہ لاش یعنی ممی کے حلق سے ایک بے حد ڈراؤنی غراہٹ کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے کوئی پروا نہ کی۔ میرے بازو پر بندھا ہوا تعویذ مجھے ہر قسم کے مہلک طلسم کے اثرات سے بچا رہا تھا۔

میں تابوت کے پاس آگیا۔ میں نے تابوت کے اوپر رکھے ہوئے بلی کے مجسمے کو ہاتھ لگا کر پرے کرنا چاہا تو وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ بلی کا بت تابوت کے ڈھکن میں گڑا ہوا تھا۔ بلی کو میرا ہاتھ لگنے سے ایک اور چیخ سنائی دی۔ میں نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ خوف سے میرا جسم ضرور کانپنے لگا تھا لیکن فرعون آمون کی روح کو آزاد کروانے کے بعد اس سے اپنی زندگی کی ایک خواہش پوری کروانے کے لالچ نے مجھے وہاں سے ہلنے نہ دیا۔ میں نے جھک کر تابوت کے ڈھکن کو اوپر اٹھانے کی کوشش کی۔ تابوت تختے سے بند تھا۔ تابوت کو چھونے سے تابوت کے اندر سے ڈراؤنی انسانی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ یہ آوازیں ایسی تھیں جیسے تابوت کے اندر مردے کو اذیتیں دی جا رہی ہوں اور وہ اس عذاب میں تلملا رہا ہو۔ میں نے تھوڑی سی کوشش کے بعد تابوت کا ڈھکنا ہٹا دیا۔ سرہانے کھڑی حنوط شدہ لاش کا مجسمہ دیوانہ وار اپنے پٹیوں میں چھپے ہوئے لمبے بازو چلا کر مجھے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔ میں تابوت کی دوسری طرف ہو گیا۔ موم بتی کی روشنی تابوت کے اندر ڈالی تو دیکھا کہ تابوت میں چھوٹے سائز کا فرعون آمون کی شکل کا ایک پتلا اس حالت میں پڑا ہے کہ اس کے سینے میں ایک خنجر دھنسا ہوا ہے۔

میں نے ہر قسم کے نتائج سے بے نیاز ہو کر تابوت میں ہاتھ ڈالا اور پتلے کے سینے میں دھنسا ہوا خنجر جھٹکے سے باہر کھینچ لیا۔ اس کے ساتھ ہی ایسی انسانی چیخیں بلند ہونے لگیں کہ میں ڈر کر تابوت کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ خنجر میرے ہاتھ میں تھا۔ یہ سیب کاٹنے والے چاقو کے سائز کا خنجر تھا اور اس کا دستہ ایسے گرم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اسے آگ پر تپایا ہوا ہو۔ تابوت کے سرہانے کی طرف ممی کی جو حنوط شدہ لاش جھکی ہوئی کھڑی تھی ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ پیچھے کو گر پڑی اور اس میں سے ایک کالی بلی نکل کر چیتے کی طرح غرائی اور اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ مجھ سے ایک فٹ کے

فاصلے پر آکر وہ جیسے کسی چیز سے ٹکرا کر پیچھے کو گری اور چیختی چلاتی' غراتی' ڈراؤنی آوازیں نکالتی غائب ہو گئی۔ میں نے اپنے ہوش و حواس کو پوری طرح سے قابو میں رکھا ہوا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ یہ ساری کاہن جادوگر کے طلسم کی کارستانیاں ہیں اور ان کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

بلی اور اس کی چیخوں کے غائب ہو جانے کے بعد تابوت میں سے پھنکار کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے موم بتی تابوت کے کنارے پر لگا رکھی تھی۔ خنجر میرے ہاتھ میں ہی تھا۔ پھنکار کی آواز سے میں قدرتی طور پر خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے لمحے تابوت میں سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ اوپر کو اٹھا۔ اس کا پھن پھیلا ہوا تھا۔ اس کی دوشاخہ سرخ زبان بار بار باہر نکل رہی تھی اور وہ غضبناک حالت میں پھنکار رہا تھا۔ میں اپنی جگہ پر قائم رہا۔ وہاں سے بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے فرعون آمون کی روح کا انتظار تھا جسے ضرور نمودار ہونا تھا۔ میں نے پتلے میں سے خنجر نکال کر اس کی روح کو ہزاروں برس کی قید سے آزاد کر دیا تھا۔ اپنے وعدے کے مطابق اب اسے ظاہر ہو کر انعام کے طور پر میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کو پورا کرنا تھا۔

کالے سانپ نے اپنی سرخ آنکھیں مجھ پر جمائی ہوئی تھیں۔ اچانک اس نے تڑپ کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے کہ میں پیچھے ہٹتا اس کے ساتھ بھی وہی ہوا جو اس سے پہلے بلی کے ساتھ ہوا تھا۔ مجھ سے ایک فٹ کے فاصلے پر آکر سانپ کا بپھرا ہوا پھن کسی شے سے زور سے ٹکرایا اور سانپ تابوت کے باہر گر کر تڑپنے لگا۔ تڑپتے تڑپتے وہ غضبناک آواز میں پھنکار رہا تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے وہ غائب ہو گیا۔ میرے بازو پر بندھے تعویذ نے میرے اردگرد ایک ڈھال سی کھڑی کر دی تھی جو مجھے کاہن جادوگر کے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھ رہی تھی۔

جب سانپ غائب ہوا تو ہر طرف ایک سکون سا چھا گیا۔ نہ کسی چیخ کی آواز تھی' نہ پھنکار کی آواز تھی۔ اس پرسکون خاموشی میں سامنے دیوار پر روشنی کا گولا نمودار ہوا جس نے بہت آہستہ آہستہ گردش کرتے ہوئے ایک انسانی ہیولے کی شکل اختیار کر لی۔

اس ہیولے کی شکل فرعون آمون کی شکل سے بے حد مشابہت رکھتی تھی۔ یہ فرعون آمون کی روح ہی ہو سکتی تھی۔ میں اشتیاق بھری نظروں سے ہیولے کو تکنے لگا۔

اتنے میں ایک مدہم اور بڑی پرسکون آواز سنائی دی۔ فرعون آمون کی روح اردو زبان میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "میں قدیم مصر کے بلند مرتبہ فرعون آمون کی روح تم سے اس زبان میں مخاطب ہوں جو تمہاری زبان ہے۔ تم نے مجھے ہزاروں برس کی قید سے آزاد کیا ہے۔ میں اس کے انعام میں تمہاری کوئی ایک خواہش پوری کرنے کا پابند ہوں۔ تمہاری زندگی کی جو سب سے بڑی خواہش ہو وہ بتاؤ۔ میں اسے پورا کروں گا۔"

میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش جو اس زمانے میں میرے لئے انتہائی اہم تھی اور جس کے حصول کی خاطر میں نے یہ ساری تگ و دو کی تھی پہلے ہی سے سوچ رکھی تھی۔ آپ شاید سوچ رہے ہوں گے کہ میں فرعون کی روح کے آگے کوئی انوکھی اور حیران کر دینے والی خواہش کا اظہار کرنے والا تھا۔ نہیں' ایسی بات بالکل نہیں تھی۔ میری بھی وہی خواہش تھی جو ہر دوسرے انسان کی ہوا کرتی ہے یعنی دنیا میں بے پناہ دولت حاصل کرنے کی خواہش۔ میں نے زندگی بڑی غریبی اور مفلسی کے ساتھ سخت محنت مشقت کرتے گزاری تھی اور گزار رہا تھا۔ میں بھی چاہتا تھا کہ میرا بنگلہ ہو' نئے سے نئے ماڈل کی میرے پاس گاڑیاں ہوں۔ بینک میں میرے لاکھوں روپے جمع ہوں' نوکر چاکر میری خدمت پر مامور ہوں۔ میری گاڑی جس طرف سے گزرے لوگ صرف دولت مند ہونے کی وجہ سے مجھے جھک جھک کر سلام کریں۔ میں جیٹ ہوائی جہازوں کی فرسٹ کلاس میں سفر کروں۔ کبھی لندن' کبھی پیرس اور کبھی واشنگٹن کی سیریں کروں۔ مجھے روٹی کمانے کی کوئی فکر نہ ہو۔ مجھے کبھی یہ پریشانی لاحق نہ ہو کہ اگر ائرکنڈیشنر زیادہ چلایا تو بجلی کا ہزاروں روپے کا بل کہاں سے ادا کروں گا۔ میرے بنگلے کے بھی ہر کمرے میں بلکہ باتھ روم میں بھی ائرکنڈیشنر لگا ہوا ہو۔ میں بھی دنیا کی کسی حسین ترین لڑکی سے شادی کروں اور میرے بچے بھی امریکہ' کینیڈا اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کریں۔

چنانچہ جب فرعون کی روح نے مجھ سے میری زندگی کی سب سے اہم خواہش پوچھی تو میں

نے کہا۔ "میں دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند آدمی بننا چاہتا ہوں۔ یہی میری زندگی کی سب سے اہم خواہش ہے۔"

فرعون کی روح چند سیکنڈ بالکل خاموش اور ساکت رہی۔ پھر اس کی پرسکون آواز سنائی دی۔ "میرے عزیز! میرے محسن! تم نے ایک ایسی خواہش کی ہے جو تمہیں ہزاروں لاکھوں خواہشوں کے جال میں پھنسا دے گی۔ اس ایک خواہش کے پورا ہو جانے سے لاکھوں خواہشیں جنم لیں گی۔ ان میں ایسی خواہشیں بھی ہوں گی جنہیں دنیا کی کوئی طاقت پورا نہ کر سکے گی۔ اپنی خواہش کی آگ کو پانی کی بجائے تیل سے بجھانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ اس آگ کو اور زیادہ بھڑکا دے گی۔"

میں اس وقت دولت کے لالچ میں اندھا ہو رہا تھا۔ میری آنکھوں پر لاعلمی اور جہالت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے فرعون کی باتوں پر غور کرنے کی بجائے اسے کہا۔ "آمون! تم اپنے وعدے کے پابند ہو۔ میں نے اپنی زندگی کی خواہش بیان کر دی ہے۔ اب تم پر فرض بنتا ہے کہ اسے پورا کرو۔"

مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے فرعون آمون کی روح نے آہ بھری ہو۔ اس نے کہا۔ "میرے محسن! تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تمہیں کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں ایک بار پھر تمہیں کہوں گا کہ اس خواہش کو چھوڑ کر کوئی اور خواہش کرو۔"

میں نے کہا۔ "میری اور کوئی خواہش نہیں ہے۔ جس خواہش کا میں نے اظہار کیا ہے اسے پورا کرتے ہوئے مجھے دنیا کا دولت مند ترین آدمی بنا دو اور اس طرح اپنے وعدے کو پورا کرو۔"

فرعون آمون کی روح نے ایک بار پھر جیسے سرد آہ بھری اور مجھ سے پوچھا۔ "تم کس شکل میں دولت حاصل کرنا پسند کرو گے؟"

میں نے کہا۔ "میں تمہارے سوال کو سمجھا نہیں۔"

فرعون کی روح نے کہا۔ "میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم سونے کی اینٹوں، ہیرے جواہرات اور طلائی اشرفیوں کی شکل میں دولت وصول کرنا چاہتے ہو یا یہ چاہتے ہو کہ سوئٹزر لینڈ کے کسی بینک میں تمہارے اکاؤنٹ میں برطانوی پاؤنڈ اور امریکی ڈالروں کی شکل میں اتنی رقم جمع کرا دی جائے کہ اگر تم ایک ہزار سال تک بھی زندہ رہو تو وہ ختم نہ ہو۔ اس ملک کے بینک کا نام میں نے اس لئے لیا ہے کہ آج کل کے زمانے میں صرف سوئٹزر لینڈ ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں تم سے کوئی نہیں پوچھے گا کہ اتنی دولت تم نے کہاں سے حاصل کی ہے۔ میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔"

میں نے سوچا کہ فرعون نے خود بخود میرے مسئلے کو حل کر دیا ہے۔ میں ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کی اینٹوں کو کہاں سنبھالتا پھروں گا۔ انکم ٹیکس والے تو بعد میں میرے پیچھے پڑیں گے سب سے پہلے تو میرے ملک کی پولیس مجھ سے پوچھے گی کہ میں نے یہ خزانہ کہاں سے اڑایا ہے اور ظاہر ہے حکومت سونے کی اینٹوں اور تاریخی نوعیت کے اس سارے خزانے کو اپنی تحویل میں لے لے گی۔ میں نے خوش ہو کر کہا۔ "اے فرعون کی روح آمون! تم تو آج کل کے ماڈرن حالات سے بھی بخوبی واقف نکلے۔ تم نے خود ہی میری راہ آسان بنا دی ہے۔ بالکل ٹھیک ہے، تم سوئٹزر لینڈ کے کسی بھی بینک میں میرے نام زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرا دو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ اس اکاؤنٹ کا مالک میں ہوں اور وہاں میرے دستخط کون کرے گا؟"

فرعون کی روح بولی۔ "تم ابھی نہیں جانتے کہ میں کیا کیا کچھ کر سکتا ہوں۔ میں تمہارے حساب میں دس کروڑ امریکی ڈالر اور بیس کروڑ برطانوی پاؤنڈ اسی وقت جمع کرائے دیتا ہوں۔ ثبوت کے طور پر تم کل ہی اسکندریہ کے سوئس نیشنل بینک کی شاخ میں جا کر چیک کیش کروا کر دیکھ لینا۔"

میں نے پوچھا۔ "لیکن میرے پاس تو کوئی چیک بک نہیں ہے۔"

فرعون کی روح نے کہا۔ "اپنی جیب میں ہاتھ ڈالو۔ میں نے تمہاری جیب میں چیک بک ڈال دی ہے۔"

میں نے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالا تو ایک جیب میں چیک بک پڑی تھی۔ میں

نے اسے نکال کر دیکھا۔ یہ سوئس نیشنل بینک کی چیک بک تھی۔ اوپر میرا اکاؤنٹ نمبر تھا۔ ایک طرف میرے انگریزی کے دستخط کا نمونہ بھی درج تھا۔ میری حیرانی اور خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ واقعی فرعون کی روح کی مافوق الفطرت طاقت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ میں نے طلسمی پتلے کے سینے سے جو خنجر نکالا تھا وہ ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے پوچھا کہ اس خنجر کو میں کہاں پھینکوں؟ فرعون کی روح نے کہا۔

"اسے تابوت میں میرے پتلے کے ساتھ ہی رکھ دو۔ اب یہ خنجر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

جب میں فرعون کی روح سے رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا۔ "ہاں! ایک بات یاد رکھنا۔"

"وہ کیا----؟" میں نے تشویش کے ساتھ پوچھا۔

فرعون کی روح بولی۔ "تم نے میرے قاتل اور قدیم مصر کے سب سے بڑے اور سب سے خطرناک کاہن جادوگر قابوس کو زبردست شکست دی ہے۔ وہ تم سے اپنی شکست کا ضرور بدلہ لے گا۔ اس کے ہوشیار رہنا اور تمہارے بازو پر جو تعویذ بندھا ہوا ہے۔ اس کو اپنے بازو سے کبھی الگ نہ کرنا' ورنہ تم پر قابوس کا جادو چل جائے گا۔ خدا حافظ!"

فرعون کی روح کا ہیولا غائب ہو گیا۔ میں نے خنجر تابوت میں رکھا۔ موم بتی اٹھائی اور اس کی روشنی کرتا ہوا اہرام کے دالانوں اور راہ داریوں میں سے گزرتا پہاڑی ٹیلے کے اس گڑھے میں آ گیا جہاں زمین دھنس جانے کی وجہ سے جھاڑیوں کے ساتھ ہی نیچے گر پڑا تھا۔ کافی جدوجہد کے بعد میں گڑھے میں سے باہر نکل آیا۔ باہر رات ہو چکی تھی۔ دور عاریہ گاؤں کی چند ایک روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا اپنے ریستوران میں پہنچ گیا۔ رات کے ابھی پونے آٹھ ہی بجے تھے۔ اس وقت گاؤں میں کوئی ٹیکسی وغیرہ نہیں تھی۔ ایک ٹرک کھانے پینے کا سامان لے کر اسکندریہ جا رہا تھا اور ریستوران کے باہر کھڑا تھا۔ میں اس میں بیٹھ کر اسکندریہ واپس آ گیا۔ ہوٹل کے کمرے میں آ کر میں سب سے پہلے جیب سے چیک بک نکال کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ چیک بک میں پچاس چیک تھے۔ ہر چیک پر میرا اکاؤنٹ نمبر اور میرے انگریزی دستخطوں کا نمونہ چھپا ہوا تھا اور ایک کے باہر کے صفحہ پر میرا پورا نام بھی انگریزی کے جلی حروف میں چھپا ہوا تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا' کسی وقت لگتا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں' مگر یہ خواب نہیں تھا' حقیقت تھی۔ میں اپنی مہم میں کامیاب و کامران لوٹا تھا۔ ساری رات خوشی کے مارے میں ایک لمحے کے لیے بھی نہ سو سکا۔ دولت نے میرے پاس آتے ہی میری نیند غائب کر دی تھی۔ دن نکلا تو میں بینک کھلنے کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔ مصر میں بینک دن کے ساڑھے آٹھ بجے کھل جاتے تھے۔ میں نے ہوٹل میں ہی سوئس نیشنل بینک کی اسکندریہ شاخ کا پتہ معلوم کر لیا تھا۔ میں آٹھ بجے ہی وہاں پہنچ گیا۔ بینک ابھی بند تھا۔ میں اس کے سامنے ایک ریستوران کے باہر فٹ پاتھ پر بچھی ہوئی کرسیوں پر ٹھنڈا مشروب منگوا کر بیٹھ گیا۔ میری بے چین نظریں سڑک کے پار سوئس بینک کے دروازے پر لگی تھیں جو ابھی بند تھا اور باہر ایک سیکیورٹی گارڈ ڈیوٹی پر کھڑا تھا۔ ٹھیک سوا آٹھ بجے بینک کا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی کھڑے تھے۔ بینک کے کھلتے ہی میں بینک کی عمارت میں داخل ہو گیا اور ایک طرف بنے ہوئے کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر میں نے چیک بک نکالی۔ چیک پر ایک ہزار امریکی ڈالرز کی رقم بھری۔ نیچے اپنے دستخط کیے اور بینک کے کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

اچانک میرے قدم رک گئے۔ خیال آیا کہ اگر یہ سب کچھ محض خواب کی باتیں نکلیں اور بینک میں میرے نام کا کوئی اکاؤنٹ نہ ہوا تو کہیں پولیس مجھے جعل سازی کے جرم میں گرفتار نہ کر لے۔ پھر سوچا کہ اگر یہ خواب کی باتیں ہوتیں تو اہرام سے نکلنے کے فوراً بعد یہ چیک بک میری جیب سے غائب ہو جاتی۔ اس چیک بک کا میرے پاس موجود رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ سوئس بینک میں میرے کروڑوں امریکی ڈالر اور برطانوی پاؤنڈ فرعون کی روح نے اپنی مافوق الفطرت قوتوں سے کام لیتے ہوئے جمع کروا دیئے ہیں۔ کس طرح جمع کرائے ہیں' کیسے جمع کرائے ہیں؟ یہ میں نہیں جانتا تھا اور مجھے جاننے کی

ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں نے کاؤنٹر کی طرف قدم بڑھا دیا۔ یہ وہ کاؤنٹر تھا جہاں چیک دینے کے بعد اسے کمپیوٹر میں ڈال کر یہ دیکھا جاتا تھا کہ چیک دینے والے کی کتنی رقم اس کے اکاؤنٹ میں موجود ہے۔ وہاں ایک عورت اور ایک مرد پہلے ہی قطار میں کھڑے تھے۔ میں ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ کھڑکی کے شیشے کے پیچھے ایک خوبصورت سوئس لڑکی کمپیوٹر سامنے رکھے بیٹھی اپنا کام کر رہی تھی۔ جب میری باری آئی تو میں نے بھی چیک اس کو دے دیا۔

اس وقت میرا دل اس طرح دھڑک رہا تھا اور لگتا تھا کہ ابھی سینے کے اندر سے نکل آئے گا۔ لڑکی نے میرا اکاؤنٹ نمبر کمپیوٹر کو دے دیا۔ مجھے صرف لڑکی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ کمپیوٹر کی پشت میری طرف تھی۔ سکرین لڑکی کی طرف تھی۔ میں لڑکی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک لڑکی کے چہرے پر ایک انجانا سا تاثر ابھرا۔ اس نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ وہ میرا اور میرے معمولی قسم کے لباس کا شاید جائزہ لے رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو گیا ہے۔ میرے جھوٹ کا پول کھل گیا ہے اور فرعون کی روح نے صرف چیک بک مجھے دے کر میرے ساتھ عبرت ناک مذاق کیا ہے۔ بس ابھی یہ لڑکی سیکیورٹی گارڈ کو بلا کر مجھے اس کے حوالے کر دے گی۔ لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے بڑے شائستہ لہجے میں مجھ سے پوچھا کہ میں رقم سو سو ڈالروں کے نوٹوں کی شکل میں لینا پسند کروں گا یا بیس بیس ڈالر کے نوٹوں کی شکل میں؟ میں نے یونہی کہہ دیا۔ "سو سو ڈالرز کی شکل میں پلیز!"

ان بینکوں میں ہمارے بینکوں کی طرح نہیں ہوتا کہ ایک جگہ چیک جمع کراؤ' ٹوکن لو' دوسری جگہ ٹوکن دے کر رقم لو۔ یہاں ایک ہی کاؤنٹر پر چیک جمع ہوتا ہے۔ کمپیوٹر میں آپ کے دستخط اور بینک میں جمع شدہ رقم چیک کی جاتی ہے اور اسی کاؤنٹر سے رقم کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔ یوں زیادہ سے زیادہ تین چار منٹ ہی لگتے ہیں۔ لڑکی نے مجھے سو سو ڈالرز کے دس نوٹ دیئے تو میں نے انگریزی میں پوچھ ہی لیا کہ اس وقت بینک میں میری کل کتنی رقم جمع ہو گی ہے؟ لڑکی نے فوراً کمپیوٹر پر ٹک ٹک کی اور پھر ایک چٹ پر

رقم لکھ کر۔ چٹ میرے حوالے کر دی۔ میں نے کھڑکی سے ہٹ کر چٹ کو پڑھا۔ میرے خدا! سوئس نیشنل بینک میں اس وقت میرے نام سے کروڑوں پاؤنڈ اور ڈالر جمع تھے۔ میرے پاؤں زمین پر نہیں لگتے تھے۔ میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ درمیانے درجے کے ہوٹل سے اٹھ کر ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں سنگل بیڈ روم کا سویٹ کرائے پر لے لیا۔ اس کے بعد اچھے اچھے ریڈی میڈ کپڑے وغیرہ خریدے۔ دوپہر کو ہوٹل کے ڈائننگ روم میں بیٹھ کر لنچ کیا اور کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ فرطِ مسرت کی وجہ سے نیند غائب ہو گئی تھی۔

مَیں نے کمرے میں جا کر کافی منگوائی اور اس اہم مسئلے پر غور کرنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ سب سے پہلے تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی زندگی کے اس حیرت انگیز انقلاب کا ذکر کسی سے نہیں کروں گا۔ اپنے دوست گائیڈ کو بھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔ عمارہ کا خیال آیا تو اس کے بارے میں بھی میری نیت بدل گئی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس سے بھی ملنے کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر یہ دولت حاصل کی ہے۔ اس پر سوائے میرے اور کسی کا حق نہیں ہے۔ دوسرے مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ ان لوگوں کی زبان سے اگر کوئی بات آگے نکل گئی تو بات پھیل جائے گی اور ممکن ہے پولیس مجھے حراست میں لے لے کہ میں نے فرعون کی روح سے جو دولت حاصل کی ہے اس پر حکومت مصر کا زیادہ حق ہے اور مجھ سے ساری دولت چھین لی جائے۔ ایک دن اور ایک رات سکندریہ میں ٹھہرنے کے بعد مَیں قاہرہ واپس آ گیا۔ مَیں وائی ایم سی اے والی اپنی کوٹھڑی میں بالکل نہ گیا۔ وہاں میرا کوئی سامان وغیرہ بھی نہیں تھا۔ سامان ہوتا بھی تو مجھے اب اس گھٹیا قسم کی تنگ و تاریک کوٹھڑی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مَیں اب قاہرہ میں بھی زیادہ دیر قیام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے لیے یہی مناسب تھا کہ مصر سے نکل جاؤں اور اپنے وطن پاکستان واپس پہنچ کر ایک نئی زندگی شروع کروں۔ میں قاہرہ میں سوئس بینک کی برانچ کے منیجر سے جا کر ملا۔ اچھے کپڑے پہن کر وہاں گیا تھا۔ منیجر سے کہہ کر مَیں نے پچاس لاکھ برطانوی پاؤنڈ اور پچاس لاکھ امریکی ڈالرز کی رقم ایک ایسے انگریزی

بینک میں جمع کروا دی جس کی شاخیں تمام ممالک میں موجود تھیں۔ ایسا میں نے اس وجہ سے کیا تھا کہ پاکستان میں واپس جا کر میں بینک میں سے مطلوبہ رقوم نکلوا سکوں۔

پاسپورٹ میرے پاس موجود تھا۔ قاہرہ میں میرے قیام کا اب کوئی مقصد نہیں رہا تھا۔ چنانچہ میں نے پہلی فرصت میں پی آئی اے کی ایک فلائٹ میں' جو نیویارک سے قاہرہ ہوتے ہوئے کراچی اور آگے بنکاک جاتی تھی' ایک سیٹ بک کروا لی اور خاموشی سے رات کے وقت طیارے میں سوار ہو کر پاکستان کی طرف پرواز کر گیا۔ میرے اپنے شہر میں میرا نہ کوئی رشتے دار تھا' نہ دوست یار تھا۔ میں خود کسی واقف کار سے بھی نہیں ملنا چاہتا تھا۔ میں کراچی میں ہی ایک ہوٹل میں ٹھہر گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ کراچی میں ساحل سمندر کے کسی دور افتادہ مقام پر کوئی چھوٹا سا بنگلہ بنوا کر باقی زندگی عیش و آرام سے بسر کروں گا۔ ملک ملک کی سیریں کروں گا اور زندگی کا حقیقی معنوں میں لطف اٹھاؤں گا۔ اپنے آبائی شہر سے میں نے بالکل قطع تعلق کر لیا تھا۔ دولت کی میرے پاس کوئی کمی نہیں تھی۔ سمندر کے کنارے کلفٹن کے ساحل سے دور ایک پرسکون جگہ پر کسی سیٹھ نے چھوٹا سا بنگلہ بنوایا تھا۔ اب وہ اسے فروخت کرنا چاہتا تھا۔ ایک ایجنٹ کے ذریعے میں نے وہ بنگلہ خرید لیا اور اسے آرام و آسائش کے ضروری سامان سے مزین کر کے میں نے وہاں رہنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک فرضی امریکی آئل کمپنی کا شیئر ہولڈر ظاہر کیا ہوا تھا۔

مَیں نے بڑے محتاط انداز میں اونچی سوسائٹی سے میل جول پیدا کر لیا۔ میرے پاس بے شمار دولت تھی۔ اونچی سوسائٹی میں بہت جلد مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ میں غیر شادی شدہ تھا چنانچہ کئی امیر کبیر گھرانوں سے میرے لئے رشتے آنا شروع ہو گئے۔ لیکن مَیں نے مشہور کر دیا کہ مَیں شادی کے خلاف ہوں اور غیر شادی شدہ رہ کر ساری زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میں جوان تھا' خوش شکل تھا' دولت مند تھا۔ مغرب زدہ مادر پدر آزاد خواتین میری دولت کے لالچ میں میرے آگے پیچھے پھرنے لگیں۔ فرعون کی روح نے مجھے ایک نصیحت کی تھی کہ دولت حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو گناہوں میں ملوث نہ ہونے دوں ورنہ ایسی مصیبت میں پھنس جاؤں گا کہ جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ لیکن مجھ پر بہت جلد دولت کا نشہ سوار ہو گیا تھا اور میں نے دولت کے نشے میں فرعون کی نصیحت کو بھلا دیا اور عیاشیوں میں پڑ گیا۔

لیکن عمارہ کے دیئے ہوئے تعویذ کے بارے میں' میں بے حد محتاط تھا۔ میں نے اس کے تعویذ کو اپنے بازو سے کبھی الگ نہیں کیا تھا۔ دولت کو اگر آدمی نیکی کے راستے پر چلتے ہوئے خرچ کرے تو یہ اللہ کی رحمت ثابت ہوتی ہے اگر آدمی دولت کے نشے میں نیکی کے راستے سے بھٹک جائے تو پھر وہی دولت خدا کا عذاب بن جاتی ہے۔ میں نے کبھی اتنی دولت دیکھی نہیں تھی۔ چنانچہ دولت کا سیلاب مجھے بہا کر لے گیا اور میں برائی کے راستے پر پڑ گیا۔ ایک سال عیش و عشرت میں گزر گیا۔ اس دوران دنیا کے کئی ملکوں میں گھوم پھر چکا تھا۔ ایک دن میں شام کی چائے پینے کے بعد اپنے بنگلے کے لان میں بیٹھا اناناس کا جوس پیتے ہوئے سمندر کی طرف سے آنے والی خوشگوار ہوا سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ میرے قریب تپائی پر رکھے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے فون اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف سے کسی خاتون کی بڑی نقرئی آواز آئی۔ ”سر! میرا نام جولیا ہے۔ میں ایک امریکی فرم کی نمائندہ ہوں جو دنیا کے نامور اور بڑے بڑے تاجروں کے مختصر حالات زندگی کے ساتھ ایک ڈائریکٹری شائع کر رہی ہے۔ میں اس سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے کوئی وقت عنایت کیجئے تاکہ میں حاضر ہو کر آپ سے مختصر سا انٹرویو کر سکوں۔“

اس عورت کی آواز مجھے بڑی اچھی لگی تھی۔ میں نے اسے کہا۔ ”آپ آج رات کھانا میرے ساتھ کھایئے۔ انٹرویو بھی ہو جائے گا اور آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ کیا آپ کو میرے بنگلے کا ایڈریس معلوم ہے؟“

اس عورت نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے آپ کے بنگلے کا ایڈریس معلوم ہے۔ میں ٹھیک نو بجے رات آپ کے دولت خانے پر پہنچ جاؤں گی۔“

پرانی ملنے جلنے والیوں سے میں بور ہو چکا تھا۔ میں خوش ہوا کہ چلو ایک نئی خاتون سے ملاقات ہو جائے گی۔ میں نے خانسامے کو کہہ دیا کہ ایک اہم مہمان خاتون ڈنر پر آ رہی ہے۔ اچھے اچھے کھانے تیار کئے جائیں۔ ٹھیک نو بجے نئے ماڈل کی ایک سرخ کار

میرے بنگلے میں داخل ہوئی۔ میں بنگلے کی دوسری منزل کے بیڈروم کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ گارڈ نے کار کو روک کر کچھ پوچھا اور گارڈ روم سے مجھے فون کر کے کہا کہ سر! جولیا نام کی ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا۔ "اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔"

مَیں نے قدآدم آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ میں بڑے قیمتی سمر سوٹ میں ملبوس تھا۔ میں نے انتہائی قیمتی پرفیوم کا اپنے لباس پر ہلکا سا سپرے کیا۔ سونے کے سگریٹ کیس میں سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں چاہتا تھا کہ ملازمہ اس خاتون جولیا کو ڈرائنگ روم میں بٹھالے تو پھر میں نیچے جاؤں۔ تین چار منٹ گزر گئے تو میں بھی نیچے آ گیا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سنہرے بالوں والی ایک گوری چٹی لڑکی ریشمی پوشاک میں ملبوس صوفے پر بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھی اور انگریزی میں میرا نام لے کر کہا۔ "سر! آپ ہی..... ہیں نا؟"

مَیں نے کہا۔ "مَیں ہی..... ہوں۔ آپ تشریف رکھیں۔"

جسے مَیں عورت سمجھ رہا تھا وہ بمشکل بیس اکیس سال کی ایک انتہائی خوبصورت لڑکی تھی۔ میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا وہ پاکستانی ہے؟ اس کی شکل و صورت اور لباس پاکستانی تھا مگر نام جولیا اس نے بتایا تھا۔ وہ بولی۔ "سر! میرا اصل نام زمرد ہے۔ میں پاکستان میں پیدا ہوئی تھی لیکن میرے ڈیڈی کا امریکہ میں بہت بڑا بزنس تھا۔ والدہ کی وفات کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ امریکہ لے گئے۔ وہیں میں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ والد صاحب نے ایک ٹیچر رکھوا دیا جس نے مجھے اردو زبان پوری طرح سکھا دی۔ ڈیڈی کا پچھلے سال نیویارک میں انتقال ہو گیا۔ میرے بڑے بھائی نے سارا بزنس سنبھال لیا۔ مَیں نے ایک امریکی فرم میں جاب کر لی اور کاروباری نقطۂ نگاہ سے اور اپنی فرم کے ڈائریکٹر کے کہنے پر میں نے اپنا دوسرا نام جولیا رکھ لیا۔"

اس کے بعد کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ مَیں اس لڑکی کو اب جولیا کی بجائے زمرد کے نام ہی سے یاد کروں گا۔ اس لڑکی زمرد کے حسن فسوں ساز نے مجھے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔

میرا کوئی اصول اور ضابطۂ اخلاق تو رہا نہیں تھا۔ بس جو عورت جوان اور خوبصورت اور مغربی تہذیب کی دلدادہ ہوتی تھی مَیں اسے اپنی دوست بنا لیتا تھا۔ اسی طرح زمرد کو بھی مَیں نے اپنی دوست بنا لیا۔ زمرد نے بھی اپنے سلوک اور رویئے سے ثابت کر دیا کہ وہ میری باوفا اور بہترین دوست ہے۔ میں نے اسے بھاری تنخواہ پر اپنی پرسنل سیکرٹری رکھ لیا۔ زمرد بڑی خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔ "سر! میں آپ کی دوستی اور محبت کی دل سے قدر کرتی ہوں۔ یقین کریں' اگر آپ مجھے اپنی سیکرٹری نہ بھی رکھتے تو میں آپ کی ملازمہ بن کر آپ کے پاس رہ جاتی۔ صرف اس وجہ سے کہ آپ کے کردار نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے اور میں کسی قیمت پر آپ کی صحبت سے محروم نہیں ہونا چاہتی۔"

مَیں نے دنیا بھر کی عیاشی کی تھی مگر شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ بس صرف یہی ایک عیب مجھ میں نہیں تھا باقی سارے عیب موجود تھے۔ زمرد نے ایک دو بار مجھے اعلیٰ قسم کی شراب پلانے کی کوشش کی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ زمرد میری جلوت اور خلوت کی ساتھی بن چکی تھی۔ ایک رات اس نے میرے بازو پر بندھے ہوئے تعویذ پر بڑی محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "جانِ من! تم نے مجھے اپنی زندگی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس تعویذ کو تم ہر وقت اپنے بازو پر کیوں باندھے رکھتے ہو؟"

میں نے زمرد کو اپنی زندگی کے بارے میں جھوٹی سچی من گھڑت باتیں ضرور بتائی تھیں لیکن یہ ہرگز نہیں بتایا تھا کہ میں نے دولت کس طریقے سے حاصل کی ہے اور اس تعویذ کے پیچھے کون سا راز چھپا ہوا ہے۔ جب اس نے تعویذ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بے نیازی سے کہا۔ "کسی زمانے میں میرے سر میں شدید درد رہا کرتا تھا۔ ایک بزرگ نے مجھے یہ تعویذ دیا۔ اس کے بعد میرے سر کا درد غائب ہو گیا۔ بزرگ نے کہا تھا کہ اس تعویذ کو بازو پر باندھے رکھنا اتارو گے تو پھر سردرد شروع ہو جائے گی بس اسی وجہ سے مَیں اسے کبھی نہیں اتارتا۔"

مَیں نے تعویذ کی حفاظت کے واسطے اپنا یہ اصول بنا لیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے

رات میں الگ بیڈروم میں سوتا تھا اور سونے سے پہلے دروازے کو اندر سے لاک کر دیتا تھا۔ مجھے یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ رات کو اگر کوئی عورت میرے ساتھ ہوئی تو وہ سوتے میں میرا تعویذ نہ اتار لے۔ اس تعویذ کی میں اپنی جان سے بھی زیادہ حفاظت کرتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ فرعون آمون کی روح کو آزاد کر دینے کے بعد کاہن جادوگر کی بدروح اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ضرور میرے پیچھے لگی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ اب تک مجھ پر وہ غیبی طور پر کئی ہلاکت خیز حملے بھی کر چکا ہو۔ لیکن اس تعویذ نے مجھے اس کے مہلک حملوں سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ میں ہر شے سے غافل ہو جاتا تھا مگر اس تعویذ سے کبھی غافل نہیں ہوا تھا۔ زمرد نے رات کے وقت کئی بار میرے بیڈروم میں ہی سوئے رہنے پر اصرار کیا لیکن میں اسے دوسرے بیڈروم میں بھیجنے کی بجائے خود اٹھ کر دوسرے بیڈروم میں چلا جاتا تھا۔

لیکن وہ جو کہا جاتا ہے کہ قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ آدمی کے اعمال اگر اچھے ہوں اور اس پر قسمت کی طرف سے کوئی مصیبت پڑ جائے تو اس کے نیک اعمال اس مصیبت کو دور کرنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن بداعمال آدمی اگر کسی مصیبت میں پھنس جائے تو اس کے برے اعمال اس مصیبت کو دور تو کر سکتے نہیں الٹا اس کی مصیبت میں اور اضافہ کر دیتے ہیں اور میں سر سے پاؤں تک برے اعمال کی راہ پر چل رہا تھا۔ چنانچہ میری قسمت میں جو مصیبت لکھی ہوئی تھی اس میں تو اضافہ ہونا ہی تھا۔

مجھ پر نازل ہونے والی مصیبت کا آغاز اس طرح ہوا کہ زمرد نے موسم بہار میں شام' عراق اور لبنان کے ملکوں کی سیروسیاحت کا پروگرام بنالیا۔ چونکہ ان ممالک میں اس نے مصر کو شامل نہیں کیا تھا اور میں قاہرہ جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اس لئے میں نے حامی بھر لی۔ زمرد کہنے لگی۔ "میں نے آج تک بابل کے معلق باغات نہیں دیکھے۔ سب سے پہلے عراق چلتے ہیں اور وہاں معلق باغات دیکھتے ہیں۔"

چنانچہ ہم نے عراق ایئرلائنز کی ایک فلائٹ میں سیٹیں حاصل کیں اور بغداد کی

طرف پرواز کر گئے۔ روپے پیسے کی میرے پاس کوئی کمی نہیں تھی۔ میرا ہر پروگرام فوراً شروع ہو جاتا تھا۔ ویسے بھی میں کچھ دنوں کے لیے کراچی سے باہر سیروسیاحت کے لیے جانا چاہتا تھا۔ کراچی میں ہی میں نے بغداد کے سب سے مشہور اور اعلیٰ ترین ہوٹل سرامیس میں ڈبل بیڈروم کا ایک سویٹ بک کروالیا تھا۔ بغداد پہنچنے کے بعد ہم ہوٹل میں آ گئے۔ پاکستان میں یہ سردیوں کا موسم تھا اور مشرق وسطیٰ کا موسم ان دنوں بڑا خوشگوار ہوتا ہے۔ ہم نے نئے ماڈل کی ایک بیوک گاڑی مستقل طور پر اپنے پاس رکھ لی تھی۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم گاڑی میں سوار ہو کر بابل کے تاریخی معلق باغات دیکھنے کے لیے نکل گئے۔ میں بھی پہلے کبھی اس علاقے میں نہیں آیا تھا۔ بابل کسی زمانے میں بہت بڑا شہر ہوا کرتا تھا۔ مگر اب وہاں جاکر معلوم ہوا کہ صحرا میں بابل نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہی عبرت کی نشانی بن کر باقی رہ گیا ہے۔ بابل کے گاؤں سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر معلق باغات تھے۔ کسی زمانے میں یہاں معلق باغات ضرور ہوتے ہوں گے مگر اب وہاں ایک محل کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ان معلق باغات کی جو تاریخ میں نے پڑھی ہے وہ آپ کو بتاتا چلوں۔

بابل کے اس وقت کے بادشاہ بخت نصر کی ایک چہیتی ملکہ کا تعلق ملک ایران سے تھا جو بڑا سرسبز باغوں والا ملک تھا۔ بابل میں چاروں طرف صحرا ہی صحرا تھا۔ یہ ملکہ شادی کے بعد بابل میں آ کر اداس رہنے لگی۔ وہ ہر وقت اپنے ملک کے ہرے بھرے باغات کو یاد کرتی رہتی تھی۔ بادشاہ نے اس کا دل بہلانے کے لیے محل کی چھت پر ہرا بھرا باغ لگوا دیا۔ ملکہ اس کی سیر کرتی اور خوش رہنے لگی۔ میں اس محل کے کھنڈر کو دیکھ رہا تھا جو ایک باجبروت بادشاہ کے شکوہ و جلال کا مرکز تھا اور جہاں آدمی تو دور کی بات ہے' کوئی چڑیا بھی بادشاہ کی اجازت کے بغیر پھڑک نہ سکتی تھی۔ آج اس محل کے کھنڈر میں چھپکلیاں پھر رہی تھیں اور رات کو الو بولتے تھے۔

زمرد مجھے محل کے کھنڈر کے پیچھے لے گئی۔ وہاں بھی ایک کھنڈر تھا مگر اس کے ستون ابھی تک باقی تھے۔ ایک طرف کی چھت گر چکی تھی' دوسری جانب ایک دالان تھا۔

دالان میں مٹی اور ریت کی ڈھیریاں لگی ہوئی تھیں۔ کھجور کا ایک درخت ان پر جھکا ہوا تھا۔ دالان کے پاس کھڑے ہو کر زمرد کہنے لگی۔ "جان من! جانتے ہو یہ کیا ہے؟ کبھی یہ بابل شہر کے ظالم دیوتا بعل کا عالی شان مندر ہوا کرتا تھا۔ بعل دیوتا کے آگے انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ تہوار کے موقع پر بعل دیوتا کو خوش کرنے کے لیے بچوں کو بھی قربان کیا جاتا تھا۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں وہ جگہ دکھاتی ہوں جہاں بچوں کو آگ میں ڈالا جاتا تھا۔"

میں نے کہا۔ "نہیں زمرد! میں ایسی منحوس جگہ نہیں دیکھنا چاہتا۔"

لیکن زمرد ضد کر کے مجھے دالان کے پیچھے لے گئی۔ جہاں ایک چار دیواری اور دو ستون تھے۔ ستونوں کے درمیان ایک ٹوٹا پھوٹا پتھر کی سلوں کا بنا ہوا چبوترہ تھا۔ چبوترے کے آگے ڈھلان تھی جس کے نیچے ایک گڑھا تھا۔ زمرد کہنے لگی۔ "یہاں منحوس دیوتا بعل کا بہت بڑا بت ہوا کرتا تھا۔ انسانوں کو اس چبوترے پر لٹا کر ذبح کر کے اس گڑھے میں پھینک دیا جاتا تھا۔ تہوار کے موقع پر اس گڑھے میں آگ جلا دی جاتی تھی اور بیچاری غریبوں کے کمسن بچوں کو پکڑ کر لاتے اور دیوتا کے بھجن گاتے ہوئے بچوں کو جلتی آگ کے گڑھے میں پھینکتے جاتے تھے۔"

مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ویسے بھی وہاں گرمی تھی۔ میں نے زمرد سے کہا۔ "بس' اب ہوٹل واپس چلو۔ بہت دیکھ لئے معلق باغات۔۔۔"

زمرد نے میری کمر میں بازو ڈال دیا اور بولی۔ "جان من! جیسے تمہاری مرضی۔"

ہم بیوک گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل واپس آ گئے۔ ہوٹل کی ایئر کنڈیشنڈ فضا میں آنے کے بعد میں نے اطمینان کا سانس لیا اور آئندہ ان صحراؤں میں کسی کھنڈر کے دیکھنے سے توبہ کر لی۔ ہوٹل سرامیس میں اس رات کوئی پارٹی ہو رہی تھی۔ ہم بھی پارٹی میں شریک ہوئے۔ پارٹی رات گئے تک جاری رہی۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ جب ہم اپنے کمرے میں آئے تھے۔ اس وقت میرا سر سخت درد کر رہا تھا۔ زمرد گلاس میں تھوڑی سی برانڈی ڈال کر لے آئی۔ کہنے لگے۔ "یہ برانڈی کی ایک خوراک پی لو۔ سردرد دور ہو جائے گا۔ پھر تم آرام سے سو سکو گے۔"

میں نے کہا۔ "نہیں' یہ شراب ہے' میں نہیں پیوں گا۔"

زمرد بولی۔ "کیسی ان پڑھوں والی باتیں کرتے ہو۔ جان من! یہ شراب نہیں الکوحل ہے اور الکوحل تو انگریزی دواؤں میں عام استعمال ہوتی ہے۔"

زمرد نے اپنی باتوں سے مجھے قائل کر لیا۔ کچھ میں بھی تیار ہو گیا۔ کیونکہ واقعی میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ میں نے برانڈی کی خوراک پی لی۔ اس سے واقعی مجھے بڑا افاقہ ہوا اور سر کا درد تھوڑی ہی دیر میں غائب ہو گیا۔ زمرد میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اور مجھ سے پیار محبت کی باتیں کرنے لگی۔ وہ میرے لیے کافی بنا کر لے آئی۔ "کافی کا یہ کپ تمہیں بالکل ٹھیک حالت میں کر دے گا۔"

ایک کپ وہ اپنے لیے بنا کر لائی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کپ تھے۔ میرے پاس بیٹھ کر وہ بھی کافی پینے لگی۔ کافی کا ذائقہ تلخ تھا مگر اس کا ہر گھونٹ میرے اعصاب کو بڑی تازگی بخش رہا تھا۔ زمرد میری طرف غور سے دیکھنے لگی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا بات ہے' تم اس طرح مجھے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

زمرد نے مسکراتے ہوئے میرا ماتھا چوم لیا اور بولی۔ "جان من! آج تم مجھے بڑے خوبصورت لگ رہے ہو۔ میں ابھی آئی۔"

اس نے کافی کا کپ تپائی پر رکھ دیا اور اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ میں صوفے پر بیڈ کے قریب بیٹھا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔ زمرد کی باتھ روم سے آواز آئی۔ "میں آ رہی ہوں جان من' گھبرانا بالکل نہیں۔"

میں دل میں سوچنے لگا کہ یہ عورت واقعی مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔ ہو سکتا ہے میں اس سے شادی کر لوں۔ لیکن نہیں' یہ دوستی شادی سے کہیں بہتر ہے۔ میں کافی کا آخری گھونٹ پی کر کپ تپائی پر رکھنے لگا تو میرا ہاتھ اس طرح کانپا کہ کپ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش کے قالین پر گر پڑا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ میرا ہاتھ کیوں کانپا ہے کہ ایک دم سے مجھے ایک چکر آ گیا۔ میں جلدی سے اٹھنے لگا تو میری ٹانگوں نے میرا

ساتھ چھوڑ دیا اور میں گر پڑا۔ میں نے زمرد کو پکارنے لگا لیکن میرے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو میں نے محسوس کیا کہ میں سخت زمین پر لیٹا ہوں۔ میرا سر سخت درد کر رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے آسمان پر تارے چمکتے نظر آئے۔ میں اسے خواب سمجھنے لگا لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ اچانک مجھے اپنے بازو والے تعویذ کا خیال آگیا۔ میں نے اپنے دائیں بازو پر ہاتھ پھیرا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔

میرے بازو سے تعویذ غائب تھا۔

میرے خدا! میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کھڑے ہوتے ہی مجھے چکر آگیا۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر دونوں بازوؤں کی آستینیں ہٹا کر دیکھا۔ اپنے کپڑوں کی جیبوں کو ٹٹولا کہ شاید رات کو میں نے احتیاط کے طور پر تعویذ اتار کر جیب میں رکھ لیا ہو لیکن تعویذ کہیں نہ ملا۔ تعویذ غائب ہو چکا تھا۔ میں حیران تھا کہ یہاں میں کیسے آگیا ہوں۔ میں تو اپنے ہوٹل میں تھا۔ تعویذ کے غائب ہو جانے کے بعد ایک بار تو میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اچانک ایک مانوس آواز سنائی دی۔

"آخر تم نے وہی کیا جس سے میں نے تمہیں منع کیا تھا۔"

میں نے آواز پہچان لی۔ یہ فرعون آمون کی روح کی آواز تھی۔ میں نے کمزور اور مایوس آواز میں کہا۔ "یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ میرا تعویذ کوئی چرا کرلے گیا ہے۔"

فرعون کی روح کی آواز آئی۔ "جس عورت پر تم لٹو ہو گئے تھے یہ ساری کارستانی اسی عورت کی ہے۔"

"کیا زمرد نے میرا تعویذ چرایا ہے؟"

"ہاں۔" فرعون کی روح نے کہا۔ "اس کا اصل نام اشکالی تھا اور وہ کاہن جادوگر کی بدروح کے حکم سے تمہارا تعویذ اڑانے تمہارے پاس بھیجی گئی تھی۔"

"یا اللہ! اب میں کیا کروں؟"

میں نے سر پکڑ لیا۔ فرعون کی روح نے کہا۔ "میں تمہاری صرف اتنی مدد کر سکتا

ہوں کہ تمہیں وہ راستہ دکھا دوں جس پر چل کر تم اپنے تعویذ کا کھوج لگا سکتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "پلیز آمون! مجھے ضرور وہ راستہ دکھا دو۔ لیکن میں ہوٹل واپس جا کر وہاں الماری میں رکھے ہوئے ایک ہزار امریکی ڈالر لانا چاہتا ہوں۔ وہ میرے کام آئیں گے۔"

فرعون کی روح نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہوٹل واپس جانے کا کوئی فائدہ نہیں' وہاں تمہیں اب کوئی نہیں جانتا۔ تمہارے نام کا وہاں کوئی کمرہ نہیں ہے اور کراچی میں تمہارا جو بنگلہ تھا' وہ بھی کاہن جادوگر کی بدروح کے طلسم سے نذر آتش کر دیا گیا ہے۔ تعویذ کے گم ہو جانے سے تم پر اس کا جادو چلنے لگا ہے۔ کاہن جادوگر اب تم سے عبرت ناک بدلہ لینے کی فکر میں ہے۔ میں نے تمہارے نام پر جو دولت بینک میں جمع کرائی تھی وہ بھی کاہن جادوگر کے طلسم سے غائب ہو چکی ہے۔ اب تم پھر سے مفلس ہو گئے ہو' مگر اس کے ساتھ اب تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے۔ کاہن جادوگر نے زمرد کے بھیس میں اپنی جو شاگرد جادوگرنی اشکالی تمہارے پاس بھیجی تھی تم اس کے جال میں پھنس گئے اور اس نے تمہیں بے ہوش کر کے تمہارا تعویذ اتار کر کاہن جادوگر کی بدروح کو دے دیا ہے۔ کاہن جادوگر کی بدروح تمہیں ایک المناک موت مارنا چاہتی ہے۔ مجھ پر تمہارا بہت بڑا احسان ہے۔ افسوس کہ میں خواہش کے باوجود اس سے زیادہ تمہاری مدد نہیں کر سکتا کہ تمہیں یہاں سے نکال کر ایک ایسی دنیا میں داخل کر دوں جو ماضی کی دنیا ہے۔ ہزاروں برس پہلے کی دنیا ہے۔ تمہیں تمہارا تعویذ صرف اسی دنیا میں مل سکے گا بشرطیکہ تم اس کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ فوراً سامنے والے شکستہ دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ آگے تمہیں سیڑھیاں اترتی ملیں گی۔ سیڑھیاں اترو گے تو آگے ایک تالاب ہو گا۔ تالاب میں چھلانگ لگا کر ڈبکی لگا جانا۔ بس صرف اسی صورت میں تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ جاؤ' دیر نہ کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کاہن جادوگر کی بدروح تمہیں قتل کرنے چلی آ رہی ہے۔ .. اور میری آخری بات دھیان سے سنو۔ جب تم تالاب میں ڈبکی لگانے کے بعد پانی میں سے سر نکالو گے تو تمہیں کنارے پر سبز رنگ کا مرتبان پڑا ملے گا۔ اس مرتبان میں' میں

نے تمہارے لئے ایک انجیر رکھ دی ہے۔ اس انجیر کو فوراً کھا جانا۔ اس کا یہ اثر ہو گا کہ کاہن جادوگر تم پر طلسم ضرور کرے گا اور تم پر اس کے طلسم کا اثر بھی ہو گا لیکن وہ تمہیں جان سے نہیں مار سکے گا' تم زندہ ضرور رہو گے۔ اس طرح سے تم مصری خاتون کے دیئے ہوئے تعویذ کا کھوج لگا سکو گے۔ جلدی سے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔"

عین اسی وقت بجلی کی کڑک ایسا دھماکہ ہوا۔ میں ڈر کر سامنے والے شکستہ دروازے کی طرف بھاگا۔ آگے ایک زینہ نیچے اترتا تھا۔ نیچے ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس کا پانی ستاروں کی روشنی میں چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کڑک اور گرج کی آواز کے ساتھ اب ڈراؤنی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔ یہ آوازیں خونخوار چڑیلوں اور عفریتوں کی آوازیں محسوس ہو رہی تھیں جو میرا پیچھا کر رہی تھیں۔ میں جلدی جلدی سیڑھیاں اتر گیا۔ اب مجھے تالاب میں چھلانگ لگانی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مجھے تین چڑیلیں لمبے بال کھولے ہاتھوں میں تلواریں لئے چیخیں مارتی اپنی طرف آتی نظر آئیں۔ میں نے تالاب میں چھلانگ لگا دی۔

چھلانگ لگانے کے فوراً بعد میں نے پانی میں ڈبکی لگا دی۔ ڈراؤنی چیخوں کی آوازیں غائب ہو گئیں۔ پھر بھی میں تالاب سے سر باہر نکالتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ چھلانگ لگانے سے پہلے میں نے لمبا سانس کھینچ کر کافی آکسیجن اپنے پھیپھڑوں میں داخل کر لی تھی۔ میں اپنے آپ کو پانی کے اندر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ چڑیلوں کو یہی محسوس ہو کہ میں تالاب میں ڈوب گیا ہوں۔ میرا ذہن فرعون کی روح کی باتوں پر غور کرنے لگا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جب تم پانی سے سر باہر نکالو گے تو تمہیں کنارے پر ایک سبز مرتبان ملے گا۔ اس میں ایک انجیر کا پھل ہو گا' اسے تم کھا لینا۔ میں یہی سمجھا کہ میرے چھلانگ لگانے کے بعد فرعون کی روح نے اسی تالاب کے کنارے سیڑھیوں کے پاس سبز رنگ کا مرتبان رکھ دیا ہو گا۔ فرعون کی روح اس قسم کے کرشمے کر سکتی تھی۔

میرا سانس جواب دینے لگا تھا۔ باہر سے چڑیلوں کی چیخوں کی آواز بھی رک گئی تھی۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ چڑیلیں یہ سمجھ کر چلی گئی ہیں کہ میں تالاب میں ڈوب چکا

ہوں۔ میرے پھیپھڑوں میں بھری ہوئی آکسیجن ختم ہو گئی تھی۔ جب میرے پھیپھڑے بالکل ہی پھٹنے لگے تو میں نے جلدی سے تالاب سے سر باہر نکال لیا۔ تالاب سے سر باہر نکالتے ہی جو منظر میں نے دیکھا اس نے میرے ہوش و حواس کو ایک لمحے کے لیے عالم حیرت میں گم کر دیا۔ میں ایک چھوٹے سے تالاب میں ضرور تھا مگر یہ تالاب وہ نہیں تھا جس میں' میں نے چڑیلوں سے جان بچانے کے لیے چھلانگ لگائی تھی۔ سارا منظر ہی بدل گیا تھا۔ یہ رات کا وقت بھی نہیں تھا۔ دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ یہ تالاب پرانی وضع کے ایک شاہی محل کے خوبصورت باغیچے میں بنا ہوا تھا۔ اس کے کناروں پر سنگ مرمر کی دودھیاں سلیں لگی ہوئی تھیں۔ باغیچے میں کھجور اور انار کے درخت تھے۔ وہاں کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میرے کانوں میں فرعون کی روح کے جملے گونجنے لگے۔ اس نے کہا تھا۔

"مجھ پر تمہارے بڑے احسان ہیں۔ افسوس کہ میں خواہش کے باوجود اس سے زیادہ تمہاری مدد نہیں کر سکتا کہ تمہیں یہاں سے نکال کر ایک دنیا میں داخل کر دوں جو ماضی کی دنیا ہے۔ ہزاروں برس پہلے کی دنیا ہے۔ تمہارا تعویذ صرف اسی دنیا میں مل سکے گا......"

تو کیا میں سائنس کے زمانے سے نکل کر ہزاروں برس پرانے زمانے میں آ گیا ہوں؟ یہ خیال آتے ہی میرے اعصاب جیسے ساکت ہو گئے۔ میں بت بنا تالاب کے پانی میں گردن تک ڈوبا' پھٹی پھٹی آنکھوں سے' پرانی وضع کے سنگ مرمر کے محل اور باغیچے کو دیکھنے لگا۔ پھر فوراً ہی سنبھل گیا اور تیر کر تالاب سے باہر آ گیا۔ تالاب کے کنارے ایک سبز رنگ کا مرتبان رکھا ہوا تھا۔ فرعون کی روح نے کہا تھا کہ اس مرتبان میں ایک انجیر رکھی ہوئی ہے' اسے کھا لینا۔ اس کا یہ اثر ہو گا کہ تم پر ہر قسم کے طلسم کا اثر تو ضرور ہو گا لیکن کوئی بھی طلسم تمہیں جان سے نہیں مار سکے گا۔ تم جتنی دیر ماضی کی دنیا میں رہو گے زندہ حالت میں رہو گے۔ میں نے مرتبان کے قریب جا کر اس میں ہاتھ ڈالا۔ میرے ہاتھ میں ایک انجیر آ گئی۔ یہ کانسی رنگ کی انجیر تھی۔ میں اسے کھا گیا۔

اتنے میں ایک عورت جس نے کندھے پر ایک لمبی گردن والی صراحی رکھی ہوئی تھی' محل کے دروازے میں سے نکلی اور سنگ مرمر کی سیڑھیاں اتر کر جیسے ہی تالاب کی طرف آئی اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور واپس بھاگ گئی۔ اس کی چیخ سن کر چار آدمی جن کی داڑھیاں تھیں' ہاتھوں میں لمبے نیزے تھے' خدا جانے کدھر سے نکل آئے۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے پکڑنے کے لیے لپکے۔ میں باغیچے کی دیوار کی طرف دوڑ پڑا۔ افسوس دیوار بہت اونچی تھی۔ ان آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا۔

O==========☆==========O
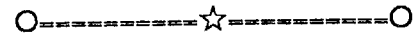
یہ لوگ کسی عجیب و غریب زبان میں بول رہے تھے۔

انہوں نے مجھے اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ مجھے گھسیٹتے لئے جا رہے تھے۔ باغیچے کا ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ اس کی دوسری طرف ایک بارہ دری میں سے کچھ اسی وضع کے لوگ نیزے لئے میری طرف بڑھے۔ انہوں نے مجھے زمین پر گرا دیا اور آپس میں بولنے لگے۔ ان کی زبان میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ حیرت کے عالم میں مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرا لباس ان کے لباس سے بالکل مختلف تھا۔ میں نے بش شرٹ اور پتلون پہن رکھی تھی۔ ان میں سے ایک ان کا کوئی سردار لگتا تھا۔ اس کے سر پر تانبے کا خود تھا۔ سینے پر چمڑے اور لوہے کی زنجیروں والی زرہ تھی۔ کندھے پر کمان اور تیروں والا ترکش لٹک رہا تھا۔ اس نے اپنی زبان میں مجھ سے کچھ پوچھا۔ میں نے اردو میں کہا۔ "میں کہاں ہوں' آپ لوگ کون ہیں؟ یہ کون سا زمانہ ہے؟"

وہ ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ میری زبان ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ انہوں نے رسی سے میرے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر مجھے بارہ دری کے فرش پر بٹھا دیا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ میں صرف ان کی آواز سن رہا تھا۔ ان کی زبان میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پھر اچانک ایسے ہوا کہ ان کے الفاظ کا مفہوم میری سمجھ میں آنا

شروع ہو گیا۔ یہ ایک حیرت انگیز تبدیلی تھی جو میری عقل و فہم کی دنیا میں رونما ہو رہی تھی۔ پہلے ان کے فقروں کا کوئی کوئی لفظ سمجھ میں آیا' پھر فقرے کے فقرے سمجھ میں آنے لگے۔ اس کے بعد ان کی زبان پوری طرح سے میری سمجھ میں آنے لگی۔ ان میں سے ایک نے اپنے سردار سے کہا۔ "یہ شاہِ خورسند کا جاسوس ہے' اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے۔"

سردار نے کہا۔ "اس کا لباس خورس کے لوگوں کا لباس نہیں ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "پھر یہ کس ملک کا جاسوس ہو سکتا ہے؟"

یہ بات میرے ذہن نے قبول کر لی تھی کہ میں فرعون کی روح کے طلسم کے اثر سے اپنی ماڈرن سائنس کی دنیا سے نکل کر ماضی کے کسی قدیم عہد میں داخل ہو چکا ہوں اور یہ تاریخ کے قدیم ترین دور کے کسی بادشاہ کا محل ہے اور یہ لوگ محل کی حفاظت کرنے والے سپاہی ہیں۔ سردار مجھے برابر غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ایک قریب کھڑے سپاہی سے کہا۔ "پھر یہ ضرور کوئی جادوگر ہے' اسے پروہت اعظم کے پاس لے چلو۔ وہ اپنے طلسم سے پتہ چلا لے گا کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ چلو' اسے لے چلو۔"

میں ان کی زبان پوری طرح سے سمجھ رہا تھا لیکن میں نے ابھی ان کی زبان میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں اس انتظار میں تھا کہ دیکھوں یہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ وہ مجھے محل کے احاطے سے نکال کر باہر لے آئے۔ باہر ایک طرف بہت سے گھوڑے کھڑے تھے۔ تین چار پرانے زمانے کے رتھ بھی تھے جن کے آگے چار چار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ یہاں بھی بہت سے سپاہی موجود تھے۔ سردار نے مجھے اپنے ساتھ ایک رتھ پر بٹھایا اور رتھ چل پڑا۔ میں کچھ دیر پہلے بیسویں صدی عیسوی کے زمانے میں بیوک گاڑی پر سفر کر کے بابل کے کھنڈر دیکھنے آیا تھا اور اب ایک ایسے رتھ پر مجھے جکڑ کر بٹھا دیا گیا تھا جو کچی سڑک پر اچھلتے ہوئے چل رہا تھا۔ ہمارے پیچھے دو اور رتھ آ رہے تھے جن میں سپاہی سوار تھے۔ ابھی تک مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ میں قدیم

زمانے کی تاریخ کے کس دور میں داخل ہو چکا ہوں۔ ایک بات کی مجھے تسلی تھی کہ اگر فرعون کی روح کا قول سچا ہے تو سبز مرتبان میں سے انجیر کھانے کے بعد یہ لوگ مجھے اذیت چاہے کتنی پہنچائیں' مجھ پر جس قسم کا چاہیں ظلم کریں' مجھے ہلاک نہیں کر سکیں گے۔ رتھ کچی سڑک پر اچھل اچھل کر بڑی تیز رفتاری سے جا رہے تھے۔ سردار رتھ میں گھوڑوں کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ میں اس کے پاؤں میں رسیوں سے جکڑا بیٹھا ہوا تھا اور اسی ایک سوچ میں گم تھا کہ یہ کس قسم کا انقلاب رونما ہو گیا ہے کہ میں بیسویں صدی کے زمانے سے نکل کر خدا جانے ماضی کے کس دور میں وارد ہو گیا ہوں اور اس کے آگے میرے ساتھ کیا گزرنے والی ہے۔

چاروں طرف صحرائی ٹیلے تھے۔ دھوپ چمک رہی تھی' دور مجھے ایک عمارت کا دھوپ میں چمکتا ہوا مینارہ نظر آیا۔ رتھ اس کے قریب پہنچے تو میں نے دیکھا کہ یہ کوئی تین ساڑھے تین فٹ اونچا اور تقریباً اتنا ہی گولائی میں چوڑا ایک مینار ہے۔ اچانک مجھے مینار بابل کا خیال آ گیا۔ میں تاریخ کا طالب علم رہ چکا تھا۔ میرا خیال سپاہیوں کی ڈاڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ قدیم بابل پر اشوری قوم کی حکومت تھی اور اشوریوں کے بادشاہوں اور سپاہیوں کی جو تصویریں پرانے کتبوں پر کندہ کی ہوئی ملی ہیں ان میں ان کی لمبی لمبی ڈاڑھیاں تھیں۔ کہیں میں قدیم بابل کے شہر میں تو نہیں آ گیا؟

رتھ مینار بابل کے تانبے کے بہت بڑے گیٹ کے پاس جا کر رک گئے۔ وہاں بھی اشوری سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے سردار کے رتھ کو دیکھ کر گیٹ کھول دیا۔ رتھ مینار بابل کے احاطے میں داخل ہو گئے۔

میرے خدایا! یہ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ میں مینار بابل کو اپنی اصلی شان و شوکت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ میں نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ مینار بابل ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیحؑ کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا یعنی آج سے ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اپنے زمانے سے نکل کر ساڑھے پانچ ہزار سال ماضی کے زمانے میں آ گیا ہوا تھا۔ میں نے یہ بھی پڑھا تھا کہ مینار بابل میں دس گز لمبے زینوں

یعنی سیڑھیوں کا ایک راستہ تیار کیا گیا تھا جو مینار کی چوٹی تک جاتا تھا اور مینار کی چوٹی پر اشوری قوم کے سب سے زیادہ منحوس اور خونخوار دیوتا بعل مردوخ کا پچاس فٹ بلند زبردست معبد تھا جس میں بعل دیوتا کا سنہری بت رکھا ہوا تھا۔ یہ بت سونے کا تھا۔ یونانی مورخ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ بعل دیوتا کے بت سمیت اس معبد میں چھیالیس ٹن سونا استعمال کیا گیا تھا۔ سپاہی مجھے مینار بابل کے اوپر معبد کی طرف جانے والے زینے پر لے آئے۔ واقعی یہ زینہ کافی کشادہ تھا اور یہ ساری عمارت پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ اس علاقے میں چونکہ پتھر نہیں ہوتا تھا اس لئے اہل بابل مٹی کی اینٹوں کو پکا کر عمارتیں بناتے تھے۔ سپاہی مجھے مینار بابل کی چوٹی پر بنے ہوئے اپنے دیوتا بعل کے معبد کے بڑے پروہت کے سامنے لے گئے۔ موٹا تازہ پروہت تھا۔ اس کی بھی لمبی ڈاڑھی اور سر کے لمبے بال تھے۔ اس نے سنہری رنگ کا ریشمی چغہ پہن رکھا تھا۔ سپاہی پیچھے کھڑے رہے۔ سردار مجھے پروہت کے پاس لے گیا اور اپنی زبان میں اسے بتایا کہ یہ شخص یعنی میں دشمن قوم کا جاسوس ہوں اور جادو کے زور سے میں نے عجیب و غریب لباس پہن رکھا ہے۔

"پروہت اعظم! تم خود بہت بڑے جادوگر ہو۔ اپنے طلسم کے ذریعے معلوم کریں کہ یہ آدمی کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

پروہت کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے اپنی زبان میں سردار سے پوچھا۔ "کیا یہ ہماری زبان جانتا ہے؟"

سردار نے نفی میں سرہلا کر کہا۔ "نہیں پروہت اعظم! یہ ہماری زبان نہیں جانتا۔ ابھی اس نے اپنی زبان میں بھی کوئی بات نہیں کی۔"

پروہت اعظم نے ایک ہاتھ اٹھا کر سردار سے کہا۔ "تم لوگ معبد کے صحن میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ میں ابھی طلسم کی مدد سے معلوم کرتا ہوں کہ یہ آدمی کون ہے' کس دنیا سے آیا ہے اور ہمارے ملک بابل میں کیوں آیا ہے؟"

پروہت نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ میں بابل کے زمانے میں پہنچ چکا ہوں۔

سردار سپاہیوں کو لے کر باہر چلا گیا۔ اب میں اور معبد کا پروہت ہی وہاں رہ گئے۔ یہ پروہت کا خاص کمرہ تھا جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور دیواروں پر سرخ ریشم کے پردے چھت سے لے کر فرش تک گرے ہوئے تھے۔ ایک ستون کے پاس دو پجاری ادب سے کھڑے تھے۔ پروہت اعظم نے ان سے کہا۔ "اس کی رسیاں کھول دو۔"

وہ فوراً میرے پاس آئے اور میری رسیاں کھول دیں۔ میں سنگ مرمر کے فرش پر بیٹھا رہا۔ پروہت ایک چاندی کے کرسی نما سٹول پر میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک پجاری کو اشارہ کیا۔ پجاری دیوار کے ساتھ رکھے اونچے صندوق میں سے ایک کانسی کا تھال نکال کر لے آیا' یہ بڑی تھالی کے سائز کا تھا۔ اس پر گول دائرے کندہ تھے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ پروہت اپنے طلسم کی مدد سے میرے بارے میں کیا معلوم کرتا ہے۔

پروہت نے تھال پر دو چاندی کی گولیاں ڈالیں اور انہیں ادھر ادھر گھمانے لگا۔ پھر اس نے دوسرا سٹول منگوا کر تھال اس پر رکھا اور تھال کے درمیان ایک چراغ روشن کر دیا۔ وہ دیر تک چراغ کی لو کو تکتا رہا۔ اس کے بعد تھال جلتے ہوئے چراغ سمیت پجاریوں کی طرف بڑھا دیا۔ پجاری تھال لے کر ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ پروہت میری طرف گھور رہا تھا۔ مجھے ایک لمحے کے لیے شک ہوا کہ ممکن ہے اس کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا ہو کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں اور کیسے آ گیا ہوں اور یہ کہ مجھے اپنے تعویذ کی تلاش ہے لیکن جب پروہت اعظم نے مجھ سے اپنی اشوری زبان میں ہی کہا۔ "مجھے میرے طلسم نے بتا دیا ہے کہ تم کون ہو لیکن میں تمہارے منہ سے یہ سننا چاہتا ہوں کہ تمہیں شاہ خورسند نے یہاں جاسوسی کرنے بھیجا ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ فرعون مصر آمون کے دور کا طلسم ان اہل بابل سے زیادہ طاقتور ہے اور یہ پروہت میری اصل حقیقت سے واقف نہیں ہو سکا۔ ورنہ اگر اس کا طلسم درست اور صحیح ہوتا تو وہ سمجھ جاتا کہ میں ساڑھے پانچ ہزار برس آگے کے زمانے سے تعلق رکھتا ہوں اور اشوری زبان نہیں سمجھتا۔ میں تو اس کی زبان سمجھنے لگا تھا اور میں

اسے اشوری زبان میں کہنے ہی والا تھا کہ میں شاہ خورسند کا جاسوس نہیں ہوں بلکہ ایک طلسم کے ذریعے اپنے زمانے سے نکل کر ساڑھے پانچ ہزار برس پیچھے کے زمانے میں آگیا ہوں لیکن میں رک گیا۔ میں اس لئے بھی ان لوگوں پر ابھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں ان کی زبان سمجھتا ہوں تاکہ مجھے اپنے بارے میں ان کے ارادوں کا پتہ چلتا رہے۔ مجھے یہ معلوم ہوتا رہے کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں اور میں اپنی جان بچانے کے لیے کوئی تدبیر کر سکوں۔

میں نے اپنی زبان اردو میں جواب دیا۔ "تم لوگ بڑے احمق ہو۔ تمہارا طلسم بالکل ناقص ہے۔ میں شاہ خورسند کا جاسوس نہیں ہوں۔"

مشرق وسطیٰ کے ان قدیم بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس زمانے میں کرۂ ارض پر دو بہت طاقتور حکومتیں قائم تھیں۔ ایک اشوریوں کی حکومت تھی جس کا پایۂ تخت بابل تھا اور دوسری اہل ایران کی حکومت جس کا بادشاہ خورسند یار تھا۔ ان دونوں طاقتور حکومتوں کی آپس میں دشمنی تھی اور ان کے درمیان جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ میری اردو زبان پروہت بھلا کہاں سمجھ سکتا تھا۔ اس نے پجاری کو اشارہ کر کے کہا کہ سردار بلیشر کو اندر بلاؤ۔ پجاری اسی لمحے معبد سے نکل کر باہر گیا اور سردار کو بلا لایا جس کا نام بلیشر تھا۔ سردار نے اندر آتے ہی پروہت سے پوچھا۔ "پروہت اعظم نے اس جاسوس کے بارے میں کیا کھوج لگایا ہے؟"

پروہت اعظم نے سٹول پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے طلسم نے مجھے اس شخص کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ جاسوس ہے جسے شاہ خورسند نے یہاں جاسوسی کرنے کے لیے بھیجا ہے۔"

سردار بلیشر نے مجھے قہر بھری نظروں سے دیکھا اور پروہت سے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم ابھی باہر لے جا کر اس کی گردن اڑا دیتے ہیں۔"

پروہت اعظم نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور بڑے جلال کے ساتھ بولا۔ "نہیں' یہ ہمارا دشمن ہے۔ بعل مردوخ کے جشن نوروز کو صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ ہم اپنے دیوتا

بعل مردوخ کے آگے اسے قربان کریں گے۔ دیوتا بعل دشمنوں کی قربانی سے بہت خوش ہوگا۔"

سردار بلیشر بولا۔ "جیسے آپ کی مرضی ویسے ہی ہوگا۔"

پروہت اعظم نے حکم دیا۔ "اس جاسوس کو معبد کے تہ خانے میں قید کر دیا جائے۔"

اس وقت مجھ پر خوف کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اگرچہ فرعون کی روح نے مجھے یقین دلایا تھا کہ انجیر کھانے کے بعد مجھے کوئی قتل بھی کر دے گا تو میں مروں گا نہیں' اس کے باوجود جب پروہت نے مجھے اپنے دیوتا پر قربان کر دیئے جانے کا حکم سنایا تو مجھ پر موت کی دہشت سی طاری ہوگئی اور مجھے یقین ہوگیا کہ اب مجھے موت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ میں نے تاریخ کی کتابوں میں یہ بھی پڑھ رکھا تھا کہ اہل بابل اپنے منحوس دیوتا بعل کے آگے کس قدر بے رحمی سے انسانوں کو قربان کیا کرتے تھے۔ سپاہیوں نے مجھے پکڑا اور معبد کے ایک تنگ و تاریک تہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا۔ انہوں نے مجھ پر صرف اتنا رحم کیا کہ میرے بازو کھول دیئے۔ اس قسم کے تنگ و تاریک پتھر کی دیواروں والے تہ خانے میں نے کبھی ہالی وڈ کی تاریخی فلموں میں دیکھے تھے۔ اب میری قسمت مجھے زندہ حالت میں ان تہ خانوں میں موت کا قیدی بنا کر لے آئی تھی۔

قید خانے کی دیواریں سیاہ پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں۔ ایک دیوار کے طاق میں مٹی کا دیا جل رہا تھا۔ پتھر کی دیواروں والے تنگ دروازے میں لوہے کا جنگلا گرا دیا گیا تھا جس کی آہنی سلاخیں پتھریلے فرش میں آدھی دھنس گئی تھیں۔ میں وہاں تین دن تک قید میں کسمپرسی کے عالم میں پڑا رہا۔ مجھے کھانے پینے کو صرف اتنا دیا جاتا تھا کہ جس سے میرے جسم و جان کا رشتہ قائم رہے۔

تیسرے دن شام کے وقت مجھے تہ خانے سے نکال کر ایک میدان میں لے جایا گیا جہاں ہزاروں لوگ جمع تھے۔ ڈھول تاشے بج رہے تھے۔ چھکڑوں پر لکڑی کے پنجروں میں قربانی کے جانور بند تھے۔ ایک پنجرے میں آدمی بھی بند تھے۔ انہیں دیوتا بعل پر

جانوروں کے ساتھ قربان کیا جانے والا تھا۔ اس جشن نوروز کے بارے میں' میں نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ اس موقع پر اہل بابل اپنے دیوتا کے آگے انسانوں کی قربانی بھی دیا کرتے تھے۔ آج بھی ان لوگوں کا جشن نوروز تھا اور دوسرے انسانوں کے ساتھ میری بھی قربانی دی جانے والی تھی۔ فرعون آمون کا طلسم اور اس کی کھائی ہوئی انجیر کی تاثیر پر سے میرا اعتقاد مکمل طور پر اٹھ چکا تھا۔ مجھے پورا یقین ہو چکا تھا کہ موت مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر ہی ہے۔ اس کے اور میرے درمیان زیادہ سے زیادہ ایک دو گھنٹوں کا وقفہ رہ گیا ہے۔ مجھے بھی ایک انسانی پنجرے میں ٹھونس دیا گیا۔ وہاں پہلے سے چار بدنصیب موت کے قیدی بند تھے۔ ان کے رنگ زرد ہو رہے تھے' موت کے خوف سے۔ ایک انتہائی اذیت ناک موت کے خوف سے' ان کی آنکھیں اندر کو دھنس چکی تھیں۔ جسم پر لرزہ طاری تھا اور دہشت زدہ آنکھوں سے لوگوں کے ہجوم کو دیکھ رہے تھے جو ان کو اپنے دیوتا پر قربان کئے جانے کے بارے میں نعرے لگا رہے تھے۔ ان بدنصیب قیدیوں نے میرے لباس یعنی بش شرٹ اور پتلون کو ایک نظر حیرت سے ضرور دیکھا۔ اس کے بعد منہ دوسری طرف کر کے موت کی سرد آہیں بھرنے لگے۔ یہاں سے یہ جشن نوروز کا جلوس شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاہی محل سے بابل کے بادشاہ بخت نصر کی شاہی سواری نکل کر جلوس کے آگے ہو گئی۔

یہاں سے یہ جلوس مینار بابل کی جانب چل پڑا جہاں ان کے خونخوار دیوتا بعل مردوخ کا معبد تھا اور جہاں اس کے بت کے سامنے جانوروں کے ساتھ ہم انسانوں کو بھی قربان کیا جانے والا تھا۔ جلوس کے سب سے آگے معبد کے شاہی پروہت اعظم کا تخت رواں چل رہا تھا جسے چھ سات سیاہ فام حبشی غلاموں نے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ جلوس میں بابل کے جھنڈے لہرا رہے تھے' ڈھول تاشے بج رہے تھے۔ مینار بابل کی چوٹی تک مشعلیں روشن تھیں اور ڈھول بجائے جا رہے تھے۔ ہمیں پنجرے سے نکال کر زنجیریں پہنا دی گئیں اور سپاہی لے کر بعل مردوخ کے معبد کی طرف چلے۔ معبد کے بہت بڑے اونچی چھت اور بے شمار سنگ مرمر کے ستونوں والے ہال کمرے میں لوگوں کا ہجوم جمع

تھا۔ بادشاہ کے لئے تخت بچھا تھا۔ بادشاہ تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ اس کی ملکہ بھی تھی۔ سامنے بہت بڑا سونے کا ڈراؤنی شکل والا بت ایستادہ تھا۔ اس کی بہت لمبی زبان بچوں کی پھسلنی کی طرح اس کے منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس کے آگے گڑھے میں آگ روشن تھی جس میں سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ بادشاہ کے حکم سے دیوتا پر قربان کئے جانے والے انسانوں کو بعل کے بت کے پاس لے جایا گیا۔ یہاں ہماری زنجیریں اتار دی گئیں۔ بت کی گردن تک جانے کے لیے اندر ہی اندر ایک پیچ دار زینہ بنا ہوا تھا۔ ہمیں اس زینے کے ذریعے بعل کے بت کی گردن تک پہنچا دیا گیا۔ یہاں سے ہمیں بت کی باہر نکلی ہوئی زبان؛ اور نیچے آگ کا جلتا ہوا جہنم دکھائی دے رہا تھا۔

نیچے دیوتا کے بت کے آگے شاہی رسومات ادا کی جا رہی تھیں۔ سب سے پہلے جانوروں کی قربانی دی گئی۔ پروہت جانوروں کو ہاتھ لگاتا اور پجاری اس کی گردن کاٹ کر آگ کے الاؤ میں پھینک دیتے۔ جب سب جانوروں کی قربانی دی جا چکی تو شاہی پروہت نے اعلان کیا کہ اب دیوتا بعل مردوخ پر انسانوں کی قربانی دی جائے گی جو ہمارے دیوتا کی پسندیدہ قربانی تھی۔ میرے ساتھ دیوتا پر قربان کئے جانے والے چھ بدنصیب انسان تھے۔ ان کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ ان سے کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا تھا' بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا۔ وہ وہیں ڈھیری سی بن کر بیٹھے ہوئے تھے۔ پروہت اور پجاری بت کے اندر آ گئے۔ پروہت نے پہلے بدنصیب انسان کو ہاتھ لگایا اور اس بدنصیب کے حلق سے خشک سی چیخ نکل گئی۔ پجاریوں نے اسے اٹھایا اور دیوتا کی باہر نکلی ہوئی زبان پر بٹھا کر ہاتھ اٹھا لئے۔ زبان پھسلنی کی طرح نیچے کو جھکی ہوئی تھی۔ پجاریوں نے جیسے ہی ہاتھ اوپر اٹھایا بدنصیب انسان ڈراؤنی چیخیں منہ سے نکالتا زبان پر سے پھسل کر نیچے آگ کے الاؤ میں گر گیا۔ آگ کے شعلوں نے فوراً اسے نگل لیا۔

اسی طرح پانچ انسانوں کو آگ میں پھینکنے کے بعد میری باری بھی آ گئی۔ خوف کے مارے میری بھی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دماغ نے جیسے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ موت منہ پھاڑے میرے سامنے کھڑی تھی۔ پروہت نے مجھے ہاتھ لگا دیا۔ اس کے بعد دو ہٹے کٹے

پجاریوں نے مجھے اٹھایا اور منحوس بت کی زبان کی پھسلنی پر بٹھا کر ہاتھ چھوڑ دیئے۔ ان کے ہاتھ چھوڑتے ہی میں خونی دیوتا بعل کی زبان پر پھسل پڑا۔ اس وقت مجھے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ یہ کسی دوسرے کی چیخ نہیں تھی' یہ میرے منہ سے نکلی ہوئی چیخ کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں زبان سے پھسل کر بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں گر پڑا۔ آگ کے شعلوں میں گرنے کے فوراً بعد مجھے شدید تپش کا احساس ہوا۔ آنکھوں کے آگے لال سرخ روشنی ہی روشنی ہو گئی اور کانوں میں تیز آندھیوں کا شور گونجنے لگا۔ حیرت اس بات کی تھی کہ میرے جسم کو تپش کی شدت ضرور محسوس ہو رہی تھی لیکن میں ابھی تک زندہ تھا۔ مجھے سوائے آگ کے سرخ شعلوں کے اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں کہاں پر گرا تھا؟ شعلوں کے اوپر تھا' شعلوں کے اندر تھا یا شعلوں کے نیچے دہکتی آگ کے انگاروں پر تھا؟ یہ مجھے بالکل پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ہوا میں لٹکا ہوا ہوں میرے' چاروں طرف شعلے ہی شعلے ہیں اور تیز شور مچاتی آندھیاں چل رہی ہیں۔

اس وقت مجھے فرعون کی روح کی بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا کہ تم پر دنیا جہان کی مصیبتیں پڑیں گی۔ تمہیں شدید سے شدید اذیتیں پہنچیں گی مگر تم مرو گے نہیں' تمہیں ابھی موت نہیں آئے گی۔ تم زندہ رہو گے تو کیا میں زندہ تھا؟ میرے سارے جسم کو شدید تکلیف پہنچ رہی تھی۔ میرے سارے جسم کو جیسے کوئی آگ میں جلا رہا تھا مگر یہ اذیت میری برداشت سے باہر نہیں تھی۔ یہ اذیت یہ 'تکلیف' میری برداشت کی حد کے اندر اندر تھی۔ ہر سانس کے ساتھ جیسے آگ کے شعلے میرے پھیپھڑوں میں داخل ہو رہے تھے مگر میرے پھیپھڑے جل کر راکھ نہیں ہوئے تھے۔ وہ برابر کام کر رہے تھے۔ میرے کانوں میں آگ کے اندر چلنے والی طوفانی آندھیوں کا شور بہت زیادہ ہو گیا اور میں بگولے میں پھنسے ہوئے تنکے کی طرح شعلوں کی آندھیوں میں گردش کرنے لگا۔ مجھ پر بے ہوشی کی حالت طاری ہونے لگی اور چند سیکنڈ کے بعد مجھے کوئی خبر نہیں تھی کہ میں کہاں ہوں۔ کس حالت میں ہوں' زندہ ہوں یا مردہ ہوں؟

مجھے اس وقت ہوش آیا جب یہ لوہے کا کوئی بہت بڑا بیلچہ تھا جو میرے جسم کے

ساتھ بڑے زور سے ٹکرا کر میرے جسم کے نیچے گھس گیا تھا اور پھر اس لمبے چوڑے بیلچے کے پلڑے نے مجھے اوپر اٹھا لیا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر نہ کھول سکا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں گیلے کیچڑ میں سر سے لے کر پاؤں تک لت پت ہوں۔ مجھے انسانوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ لوگ اپنی اشوری زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ دیوتا بعل پر قربان کئے گئے انسانوں کی ہڈیوں کو کیچڑ سمیت اٹھا کر کسی مقدس تالاب میں ڈالنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ آگ کے گڑھے میں کیچڑ اس لئے ہو گیا تھا کہ منحوس دیوتا پر انسانوں اور جانوروں کو قربان کرنے کے بعد آگ پر پانی ڈال کر اسے بجھا دیا گیا تھا۔ پانی ڈالنے سے گڑھے میں لکڑیوں کی راکھ اور بجھے ہوئے انگارے کیچڑ کی دلدل میں تبدیل ہو گئے تھے۔ کچھ آدمی کیچڑ سے بھرے ہوئے گڑھے میں اترے ہوئے تھے۔ وہ ایک بڑے آہنی پلڑے پر کیچڑ کے بڑے بڑے ڈھیر ڈال رہے تھے۔ جنہیں گڑھے کے باہر کھڑے آدمی رسوں کی مدد سے اوپر کھینچ رہے تھے۔ اس کیچڑ میں انسانوں اور جانوروں کی ہڈیاں کھوپڑیاں لت پت تھیں اور کیچڑ کے ساتھ کیچڑ ہو گئی تھیں۔

انہوں نے مجھے بھی کیچڑ کے بہت بڑے ڈھیر کے ساتھ اٹھا کر لوہے کے پلڑے پر ڈال دیا۔ پلڑے کو رسوں کی مدد سے اوپر کھینچا جانے لگا۔ میں پوری طرح سے زندہ حالت میں تھا مگر میں اپنے آپ کو مردہ ظاہر کئے ہوئے تھا تاکہ یہاں سے خاموشی سے نکل جاؤں اور پھر کسی نئی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔ کیچڑ میری آنکھوں کے اوپر سے تھوڑا سا ہٹ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ رات کا وقت تھا۔ شاید رات کا پچھلا پہر ہو گا۔ گڑھے کے باہر مشعل روشن تھی۔ گڑھے کے اوپر دیوتا بعل کا منحوس چہرہ جھکا ہوا تھا۔ کیچڑ سے بھرے ہوئے آہنی پلڑے کو ایک چھکڑے میں انڈیل دیا گیا جو پہلے ہی کیچڑ سے بھرا ہوا تھا۔ میں کیچڑ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر بعد چھکڑا چل پڑا۔ نہ جانے کتنی دیر تک چھکڑا غیر ہموار سڑک پر چلتا رہا' پھر رک گیا۔ کسی بہت بڑے دروازے کے کھلنے کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ چھکڑا پھر چل پڑا۔ چھکڑا ایک جگہ گھوم کر رک گیا۔ آدمیوں کے ایک دوسرے کو بلانے کی

آوازیں آنے لگیں۔ وہ اشوری زبان میں چھکڑے میں بھرے ہوئے کیچڑ کو کسی جگہ گرانے کی باتیں کر رہے تھے۔ اس کے بعد چھکڑا آگے سے اوپر کو اٹھ گیا اور میں کیچڑ کے ساتھ ہی پھسل کر پانی میں گر گیا۔ کیچڑ کا انبار مجھے ساتھ لے کر پانی کی تہہ میں چلا گیا۔

شاید یہ وہی مقدس تالاب تھا جہاں قربان کئے ہوئے جانوروں اور انسانوں کا ہڈیوں ملا کیچڑ ڈالا جاتا تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد تک آدمیوں کی آوازیں آتی رہیں۔ چھکڑے کے پہیوں اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ پھر یہ آواز آہستہ آہستہ دور ہوتے غائب ہو گئی۔ بڑے گیٹ کے بند ہونے کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ اس کے بعد گہری خاموشی چھا گئی۔ اس دوران پانی نے میرے جسم کے ساتھ لپٹے ہوئے کیچڑ کو الگ کر دیا تھا۔ میں ہاتھ پاؤں چلا کر پانی کی سطح پر آ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا تالاب تھا۔ تالاب کے چاروں کناروں پر مشعلیں روشن تھیں۔ احاطے کی چاردیواری کے کونوں پر بھی مشعلیں جل رہی تھیں۔ میں تالاب سے نکل آیا۔ گیٹ کی طرف بڑھا۔ گیٹ بند تھا۔ کھولنے کی کوشش کی لیکن اسے باہر سے شاید قفل لگا تھا۔ جنوبی دیوار میں ایک کوٹھڑی تھی۔ یہ سوچ کر میں کوٹھڑی کی طرف بڑھا کہ شاید وہاں کوئی کھڑکی ہو جس میں سے باہر نکل جاؤں۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ دیوار کے ساتھ کچھ کپڑے لٹک رہے تھے۔ کھڑکی کوئی نہیں تھی۔ میں کچھ کپڑے اتار کر باہر لے آیا۔ مشعلوں کی روشنی مین دیکھا۔ یہ وہاں کے عام آدمیوں کا لباس تھا۔ لمبا کرتہ' تہبند' چادر اور چمڑے کی رومن ٹائپ چپل۔ میں اب چاہتا تھا کہ جس زمانے میں آ گیا ہوں اس زمانے کا لباس پہن لوں تاکہ لوگوں کی نظروں میں نہ آؤں۔ میں نے بش شرٹ اور پتلون اتار کر تہبند باندھا۔ اوپر سے گھٹنوں تک لمبا کرتہ اور پاؤں میں چپل پہنی۔ کندھے پر چادر رکھی اور مقدس تالاب کے احاطے سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کرنے لگا۔ آسمان کا رنگ کافوری ہو رہا تھا۔ یہ صبح کی آمد کی نشانی تھی۔ میں دن کا اجالا ہونے سے پہلے پہلے وہاں سے فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ احاطے کی دیوار کافی اونچی تھی۔ ایک جگہ دیوار کے ساتھ کوئی پھولدار بیل چمٹی ہوئی تھی۔ میں اس کے ذریعے کافی جدوجہد کے بعد دیوار کے اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر دوسری طرف

کود گیا۔ جنوب کی ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے رات کے اندھیرے میں دھندلے دھندلے دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے ان ٹیلوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

کاہن جادوگر قابوس کی بدروح اگر میرا تعاقب کر رہی تھی تو مجھے زندہ حالت میں دیکھ کر اسے ضرور اپنی شکست کا احساس ہو رہا ہو گا۔ کیونکہ قابوس کی بدروح مجھے ہر حالت میں اذیت دے کر ہلاک کر کے مجھ سے فرعون کی روح کو طلسمی پتلے کی قید سے آزاد کرانے کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ لیکن جیسا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ برائی اور نیکی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے' اسی طرح بری روح اور نیک روح میں بھی زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ فرعون آمون کی روح کو قابوس کی ہزاروں سال کی قید سے آزاد کر کے میں نے اس کے ساتھ جو نیکی کی تھی اس کے بدلے میں اس نے مجھے کم از کم اس زمانے میں کاہن جادوگر کے ہاتھوں مرنے سے ضرور محفوظ کر لیا تھا جس زمانے میں' میں داخل ہو چکا تھا۔ لیکن جیسا کہ فرعون کی روح نے کہا تھا کہ وہ مجھے کاہن قابوس کی بدروح کے طلسم سے آنے والی مصیبتوں سے نہیں بچا سکے گا۔ اس طلسم سے میں صرف اسی صورت میں محفوظ ہو سکوں گا جب میرے پاس عمارہ کا دیا ہوا تعویذ واپس آ جائے گا۔ مگر سوال یہ تھا کہ میں ہزاروں برس پرانے زمانے میں اس تعویذ کو کہاں تلاش کرتا پھروں گا؟ مجھے تو تعویذ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ کاہن قابوس کی بھیجی ہوئی بدروح جولیا جو میری سیکرٹری کے روپ میں کراچی میں میرے ساتھ چمٹ گئی تھی وہی میری تباہی کا باعث بنی تھی اور اسی نے میرے بازو پر سے نشے کی حالت میں تعویذ اتار کر غائب کر دیا تھا اور خود بھی غائب ہو گئی تھی۔ اگر یہ تعویذ اس نے کاہن جادوگر قابوس کے حوالے کر دیا ہو گا تو سب سے پہلے مجھے قابوس کی بدروح کا سراغ لگانا ہو گا جو ایک ایسی قدیم دنیا میں جہاں میں بالکل اجنبی تھا' میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں کافی دور تک بھاگتا چلا گیا۔

جب منحوس دیوتا بعل کے تالاب سے کافی دور نکل گیا تو میں ریت کے ایک ٹیلے کے پاس دم لینے کے لیے بیٹھ گیا۔ آسمان پر سے ستارے غائب ہو چکے تھے اور ان کا اجالا

تیزی سے پھیل رہا تھا۔ صحرا میں سورج کے نکلتے ہی چاروں طرف روشنی ہی روشنی ہو جاتی ہے اور رات کو جو ٹھنڈ پڑ رہی ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے اور گرمی شروع ہو جاتی ہے۔ دوپہر تک صحرا تنور کی طرح گرم ہو جاتا ہے اور اس قیامت کی گرمی اور تپش میں آدمی پیدل سفر نہیں کر سکتا۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ میرے سامنے دور دور تک صحرا پھیلا ہوا ہے۔ میں آگ برساتے سورج کی گرمی میں صحرا کو کیسے عبور کر سکوں گا۔ میں اس شہر بابل اور اس کے منحوس آدم خور دیوتا سے بہت دور نکل جانا چاہتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پھر یہ خیال کر کے اٹھ کر چلنے لگا کہ ابھی صحرا کی ریت گرم نہیں ہوئی' چلتا جاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے صحرائی ٹیلوں کے پیچھے کوئی گاؤں مل جائے اور وہاں سے کوئی قافلہ گزر رہا ہو تو اس میں شامل ہو جاؤں۔ اس زمانے میں لوگ اونٹوں کے قافلے کی شکل میں ایک شہر سے دوسرے شہر بلکہ ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کیا کرتے تھے۔

تقدیر نے مجھے میری زندگی کے حیرت انگیز واقعات اور تجربات سے دوچار کر دیا تھا۔ میں کراچی کے بنگلے میں ٹیلی ویژن پر بی بی سی کی خبریں سنتے ہوئے کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں ساڑھے پانچ ہزار برس پرانے زمانے میں پہنچ جاؤں گا۔ صحرا کی ریت نرم تھی جس پر زیادہ تیز نہیں چلا جا رہا تھا۔ پھر بھی میں قدم اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ سورج مشرقی افق پر کافی اوپر آ گیا تھا۔ اس کی روشنی سفید ہو گئی تھی اور اس کی گرم کرنوں نے صحرا کی فضا کو گرم کرنا شروع کر دیا تھا۔ صحرا کے ٹیلے ختم نہیں ہو رہے تھے۔ ایک ٹیلہ ختم ہوتا تھا تو دوسرا ٹیلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہ ٹیلے ریت کی بڑی بڑی ڈھیریوں کی طرح صحرا میں بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ صحرا سورج کی دھوپ میں تنور بن جائے کسی ٹیلے پر چڑھ کر دیکھنا چاہئے کہ آگے کوئی گاؤں ہے یا نہیں۔ میں بڑی مشکل سے ریت کے ایک ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ جیسے ہی میں نے دوسری طرف صحرا میں نگاہ ڈالی مجھے دور اونٹوں کی ایک قطار جنوب کی طرف جاتی دکھائی دی۔

میں ٹیلے کی دوسری طرف اتر کر جتنی تیز چل سکتا تھا قافلے کی طرف چل پڑا۔ آخر میں نے قافلے کو جا لیا۔ یہ قافلہ دس پندرہ اونٹوں پر مشتمل تھا۔ کچھ اونٹوں پر سامان

لدا ہوا تھا اور کچھ اونٹوں پر مسافر سوار تھے۔ ساربان اپنے اونٹ پر بیٹھا قافلے کے آگے آگے چل رہا تھا۔ میرا لباس ان لوگوں ایسا ہی تھا اور میں ان کی اشوری زبان بھی سمجھ اور بول سکتا تھا۔ مگر میرے پاس اس زمانے کا کوئی سکہ نہیں تھا کہ میں قافلے والے کو کرایہ ادا کر سکتا۔ میں نے ایک فرضی کہانی گھڑ کر قافلے کے ساربان کو سنا دی کہ میں سامان لے کر بابل آیا تھا۔ ڈاکوؤں نے میرا سامان وغیرہ سب کچھ لوٹ لیا۔ میرے پاس کرایہ ادا کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ساربان کو مجھ پر رحم آ گیا۔ اس نے مجھے اپنے اونٹ کی پچھلی نشست پر بٹھا لیا۔ معلوم ہوا کہ یہ قافلہ اس زمانے کی دجلہ و فرات کی وادی کے دوسرے بڑے شہر نینوا کی طرف جا رہا تھا۔ نینوا پر بھی اشوریوں کی حکومت تھی اور سارغون نام کا کوئی اشوری بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ چھ سات روز کے تکلیف دہ سفر کے بعد قافلہ نینوا پہنچ گیا۔ ساربان نے مجھ پر ترس کھا کر مجھے اسی زمانے میں رائج چاندی کے چند سکے دے دیئے تھے۔ میں نینوا کی فصیل شہر کے باہر کارروان سرائے میں ہی ٹھہرا رہا۔ رات سرائے کی چاردیواری میں گزاری۔ دوسرے روز دن کی روشنی میں نینوا شہر کے صدر دروازے کی طرف بڑھا کہ اس مشہور تاریخی شہر کو دیکھوں۔ میری کوئی منزل تو تھی نہیں۔ ایک مقصد ضرور سامنے تھا کہ کسی طریقے سے مجھے میرے تعویذ کا کوئی سراغ مل جائے تاکہ میں اسے حاصل کر کے کاہن قابوس کے ہلاکت خیز جادو سے محفوظ ہو جاؤں۔ اس کے بعد کسی ایسے جادوگر کو تلاش کروں جو مجھے واپس بیسویں صدی عیسوی کے کراچی شہر میں پہنچا دے۔ کیونکہ اس زمانے میں طلسم کو سائنس کی حیثیت حاصل تھی اور طلسم کی مدد سے عجیب و غریب اور ناقابل یقین واقعات ظہور پذیر ہوتے تھے۔ وہاں کوئی طبیعات کا سائنس دان تو تھا نہیں کہ جو میری مدد کرتا۔ لے دے کے طلسم کرنے والے ہی تھے جو تھوڑی بہت میری مدد کر سکتے تھے۔ مجھے فرعون کی نیک روح سے بھی مدد کی توقع تھی لیکن وہ بھی مجھے ساڑھے پانچ ہزار سال پیچھے کے زمانے میں چھوڑ کر جیسے غائب ہو گئی تھی۔

نینوا شہر بابل شہر سے مختلف نہیں تھا۔ ویسے ہی لمبی گھنی ڈاڑھیوں والے اونچے

لمبے لوگ نظر آ رہے تھے۔ سب نے لمبے لمبے چغے پہنے ہوئے تھے۔ اشوریوں کا یہی لباس ہوا کرتا تھا۔ سر کے بال بھی وہ لمبے لمبے رکھتے تھے۔ میں آپ کے سامنے اشوریوں کی تاریخ بیان نہیں کروں گا۔ آپ خود تاریخ کی کتابوں میں اسے پڑھ سکتے ہیں۔ جب سے میں ساڑھے پانچ ہزار برس پرانے بابل اور نینوا کی وادی میں آیا تھا مجھے ہر طرف ظلم و ستم ہوتا ہی نظر آیا تھا۔ بیمار اور لولے لنگڑے اور مفلس لوگ بازاروں اور معبدوں کے باہر بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ بادشاہ کے سپاہی جس کی چاہیے گردن اڑا دیتے تھے۔ دیوتا بعل پر انسانوں کی بے دریغ قربانی دی جاتی تھی۔ ان میں بچے بھی شامل تھے جو ماؤں کی گود سے چھین کر آگ میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا' کوئی انسانی حقوق کی انجمن نہیں تھی۔ بادشاہ اور پروہت جو چاہے کر گزرتا تھا۔ بادشاہ اتنے ظالم تھے کہ ایک اشوری بادشاہ سیناکریب نے ایک کتبے پر اپنے کارنامے ان الفاظ میں بیان کئے ہیں۔

> میں نے بابل کو فتح کرنے کے بعد تمام مکانوں اور عمارتوں کو آگ لگوا دی۔ یہاں تک کہ دیوتاؤں اور معبد کے مجسموں کو بھی نہ چھوڑا لیکن میری تسلی پھر بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ شہر میں دریا کا پانی چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ پورا شہر زمین بوس ہو گیا۔ اس کے باوجود میری آتش غضب سرد نہ پڑی تو میں نے شہر کا ملبہ اٹھوا کر دریا میں بہا دیا تاکہ کوئی قوم اس شہر کی خاک سے دوسرا شہر تعمیر نہ کر سکے۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگا لیں کہ میری تقدیر مجھے کن جلادوں کے پاس لے آئی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تقدیر نے مجھے کن آدم خور جلادوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ فرعون کی نیک روح کی دعا یا طلسم سے میں جب تک ہزاروں برس پرانے زمانے میں تھا مر نہیں سکتا تھا لیکن موت کی تکلیف مجھے ضرور پہنچ سکتی تھی اور یہ موت سے زیادہ اذیت دینے والا عذاب تھا۔ میں کافی دیر تک نینوا شہر کے گرد آلود بوسیدہ قسم کے بازاروں میں پھرتا رہا۔ مکانات کئی کئی منزلہ تھے اور سارے کے سارے لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ شہر فتح کر کے آگ لگاتا تھا تو آن کی آن

میں سارا شہر آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو جاتا تھا اور جل کر راکھ ہو جاتا تھا۔ بابل میں پکائی ہوئی اینٹوں کے مکان ضرور تھے مگر نینوا میں سارے مکان لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ دکانوں کے اندر اور دکانوں کے باہر ہر قسم کا سامان فروخت ہو رہا تھا۔ ایک دکان پر روٹیاں پک رہی تھیں۔ ساتھ بدشکل قسم کی سبزی کا سالن بھی تھا۔ میں نے دکان کے باہر ہی دوسرے لوگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر روٹی کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی۔ اٹھ کر پھر بازاروں میں گھومنے پھرنے لگا۔ دل میں ایک موہوم سی امید لئے ہوئے چل پھر رہا تھا کہ شاید پردۂ غیب سے کوئی ایسی چیز ظہور پذیر ہو جائے جس سے مجھے میرے تعویذ کو تلاش کرنے میں مدد مل سکے۔

اچانک ایک طرف سے شور بلند ہوا۔ بازار میں لوگ ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ ڈھول تاشوں کی آواز بھی آنے لگی۔ دکاندار باہر سے سامان اٹھا اٹھا کر دکانوں میں پھینکنے لگے۔ میں ایک دکان کے پاس کھڑا ہو کر بازار میں اس طرف دیکھنے لگا جس طرف سے شور بلند ہوا تھا اور جو آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا۔ اتنے میں دیکھا کہ کچھ سپاہی ایک نوجوان کی گردن میں رسا ڈالے اسے گھسیٹتے ہوئے لا رہے ہیں۔ پیچھے بھی سپاہیوں کا ایک دستہ چلا آ رہا ہے۔ دونوں جانب پجاری ڈھول تاشے بجا رہے ہیں۔ ایک عورت روتی بین کرتی آ رہی ہے جس کو سپاہی پکڑ کر بار بار دھکا دے کر پرے ہٹا رہے ہیں۔ میرے پاس ایک بوڑھا اشوری کھڑا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "محترم! یہ کیا ماجراہ ہے۔ کیا یہ کوئی مجرم ہے جس کو سپاہی پکڑ کر لے جا رہے ہیں؟"

بوڑھے اشوری نے تعجب کی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "تم شاید کسی دوسرے ملک سے آئے ہو۔ یہ جو پجاری ڈھول تاشے بجاتے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اس نوجوان کو نینوا کی دیوی اشتر کی بھینٹ چڑھانے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ یہ عورت جو روتی ہوئی نوجوان کے پیچھے آ رہی ہے اس نوجوان کی ماں ہے جو اپنے بیٹے کے لیے رحم کی بھیک مانگ رہی ہے۔

یہ جلوس میرے قریب سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ نوجوان کا چہرہ موت کے

خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ اس کی ماں کی اس سے بھی بری حالت تھی۔ وہ رو رو کر اپنے بیٹے کے لیے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اس کی جگہ مجھے دیوی پر قربان کر دو۔ میرے اکلوتے بیٹے کو چھوڑ دو۔ میں نے بوڑھے اشوری سے کہا۔ "یہ نوجوان کو چھوڑ کر اس کی ماں کو قربان کیوں نہیں کر دیتے؟ اس کے اکلوتے بیٹے کی جان بچ جائے گی اور اس کی نسل بھی جاری رہے گی۔"

بوڑھا اشوری بولا۔ "دیوی اشتر پر صرف مردوں کو ہی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور اپنے آپ کو پیش کر دے تو سپاہی اس نوجوان کو چھوڑ دیں گے۔"

میرے دماغ میں اچانک جیسے آتش فشاں کا دہانہ پھٹ پڑا۔ میں اپنی جگہ سے دوڑ کر ان اشوری سپاہیوں کے آگے چلا گیا جو ایک مظلوم ماں کے اکلوتے بیٹے کی گردن میں رسی ڈالے اسے گھسیٹتے لئے جا رہے تھے۔ میں نے ان کی زبان میں بلند آواز میں کہا۔ "اس نوجوان کی جگہ میں اپنے آپ کو دیوی کی قربانی کے لیے پیش کرتا ہوں۔ اس نوجوان کو چھوڑ دو۔"

سپاہی رک گئے۔ یہ وہاں کا قانون تھا کہ اگر کسی وجہ سے کوئی مرد قربان کئے جانے والے مرد کی جگہ اپنے آپ کو پیش کر دے تو اس کی خواہش ضرور پوری کر دی جائے۔ سپاہیوں نے مجھے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔ ایک بولا۔ "یہ اس مریل نوجوان سے زیادہ ہٹا کٹا جوان ہے۔ دیوی اشتر اس کی قربانی سے بہت خوش ہو گی۔"

سپاہیوں کے سردار نے بھی میرے بدن کو ٹٹول کر دیکھا اور اعلان کیا۔ "اس نوجوان کو چھوڑ دو۔ اس کی جگہ اسے پکڑ لو۔ دیوی اشتر کے چرنوں میں اس جوان کا سر قلم کر کے پیش کیا جائے گا۔"

اسی وقت بدنصیب نوجوان کے گلے سے رسی اتار کر میرے گلے میں ڈال دی گئی اور سپاہی ڈھول تاشوں کی آوازوں کے ساتھ مجھے گھسیٹنے لگے۔ میں نے ایک نظر پیچھے گردن گھما کر دیکھا۔ رہا ہونے والا نوجوان فرط مسرت سے جیسے بت بنا کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کی ماں خوشی سے دیوانی ہو کر اس کا منہ سر چوم رہی تھی۔ اس وقت مجھے جس

روحانی مسرت کا احساس ہوا وہ شاید میں ساری زندگی دوبارہ حاصل نہ کر سکوں۔ یہ کام کرنے کو تو میں جذبات میں آ کر کر گیا لیکن جب سپاہی مجھے گھسیٹتے ہوئے، میری گردن میں رسی ڈالے مجھے قتل گاہ کی طرف لے جانے لگے تو یہ خیال کر کے میری روح تک لرز گئی کہ یہ لوگ تو میری گردن اڑا کر مجھے ہلاک کرنے والے ہیں جو ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں تلوار کے وار کے ساتھ ہی میرے تن سے جدا ہو جائے گی اتنی دیر میں فرعون کی نیک روح مجھے کہاں اور کیسے بچا سکے گی۔ یہ سب کچھ تو جتنی دیر میں بجلی چمک جاتی ہے اتنی دیر میں ہو جائے گا۔ یا اللہ! میں کیا حماقت کر بیٹھا ہوں مگر اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں اپنی موت کے پروانے یا اشٹام پر دستخط کر چکا تھا۔ ڈھول تاشے بج رہے تھے۔ لوگ دیوی اشتر کے نعرے لگاتے میرے ساتھ چل رہے تھے۔ میں نے ایک حسرت بھری نگاہ لوگوں کے ہجوم پر ڈالی کہ شاید ان میں سے کوئی دردمند دل والا آگے بڑھ کر کہے کہ اس نوجوان کو چھوڑ دو اور مجھے پکڑ لو۔ اس کی جگہ میں قربان ہونے کی پیش کش کرتا ہوں لیکن اس ہجوم میں ایسا کوئی بے وقوف آدمی نہیں تھا۔

میری یہ حالت تھی اچانک اور ایک سیکنڈ میں آ جانے والی موت کے خوف سے کبھی میرا جسم ایک دم سرد ہو جاتا اور کبھی ایک دم بے حس ہو جاتا تھا۔ مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ سپاہی مجھے گھسیٹ رہے تھے۔ ہجوم نعرے لگاتا میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ مجھے اگر بوڑھا اشوری یہ بتا دیتا کہ یہاں آدمی کا سر تن سے جدا کر کے دیوی اشتر کو پیش کیا جاتا ہے تو میں ہرگز اس نوجوان کی جگہ اپنے آپ کو پیش نہ کرتا۔ میرا سر تو تلوار کے وار سے ایک دم تن سے جدا ہو جائے گا۔ فرعون کی روح کو شاید اتنی مہلت ہی نہیں ملے گی کہ وہ اپنے عہد کو نبھاتے ہوئے مجھے موت کے منہ سے بچا سکے۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب میں زندہ نہیں بچ سکوں گا۔ میں اپنے کئے پر پچھتا رہا تھا لیکن اب میرے پچھتانے یا نہ پچھتانے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اشوری فوجی نینوا شہر کی چاردیواری سے باہر مجھے ایک کھلی جگہ پر لے آئے جہاں پتھر کے ایک چبوترے پر لکڑی کا تخت بچھا ہوا تھا۔ تخت سرخ رنگ کے ریشمی کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔

مجھے تخت پر دو زانو بٹھا کر میرے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ چار سپاہی میری دائیں اور چار سپاہی نیزے بھالے لے کر میری بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ ایک حبشی جلاد تلوار لے کر تخت کے پاس آ گیا۔ ڈھول تاشے زور زور سے بجنے لگے۔ جلاد نے میری گردن زبردستی جھکا دی اور تلوار کا پھل میری گردن پر رکھ کر اوپر اٹھا لیا۔ میں نے دیکھا کہ گردن پر تلوار کا وار کرنے کے لیے اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا ہے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ عین اس وقت مجھے اپنی پشت پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ یہ ہاتھ میری پشت پر ہی رہا۔ جلاد کی تلوار میری گردن پر پڑ جانی چاہیے تھی۔ اس نے میری گردن تن سے الگ کرنے کے لیے ہی پوری قوت سے تلوار والا ہاتھ بلند کیا تھا مگر ابھی تک تلوار میری گردن سے نہیں ٹکرائی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ تاخیر کس لئے ہوئی ہے اور میری پشت پر کس نے اپنا ہاتھ رکھ دیا ہے۔ یہ جلاد کا ہاتھ نہیں ہو سکتا تھا۔ میری پشت پر رکھے ہوئے ہاتھ کے لمس میں بڑی شفقت تھی۔ میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ یہ دیکھ کر میں ششدر سا ہو کر رہ گیا کہ مجھے سب لوگ دکھائی دے رہے تھے مگر اپنا جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہاں پر جو سپاہی کھڑے تھے وہ گھبرا کر چبوترے سے چھلانگیں لگا گئے تھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے اپنا جسم بالکل نظر نہیں آ رہا تھ۔ جیسے میرا جسم موجود ہوتے ہوئے بھی غائب ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی پیٹھ پر کسی کا ہاتھ ابھی تک محسوس ہو رہا تھا۔ اب یہ ہاتھ میری پیٹھ پر سے اوپر کو کھسک کر میرے کندھے پر آ گیا تھا مگر جس کا یہ ہاتھ تھا وہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیا یہ فرعون کی روح کے طلسم کا اثر تھا۔

ضرور ایسا ہی ہو گا۔ فرعون نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے مجھے موت کے منہ سے نکال لیا تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ میرے کندھے پر جس کا ہاتھ تھا' وہ کون تھا؟ مجھے ایک دم غائب ہوتا دیکھ کر سپاہی اور دوسرے لوگ ڈر کر بھاگ گئے تھے۔ وہاں اب میرے سوا کوئی نہیں تھا اور میں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس وقت میرے کان میں کسی عورت کی آواز آئی۔ "مجھے کسی نے تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ جب تک میرا ہاتھ تمہارے کندھے پر رہے گا تم کسی کو نظر نہیں آؤ گے۔ میرے ساتھ اس طرح چلو کہ میرا ہاتھ

تمہارے کندھے پر ہی رہے۔"

وہ سوال جواب کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں بڑی احتیاط کے ساتھ لکڑی کے تخت پر سے نیچے اتر آیا۔ غیبی عورت کا ہاتھ میرے کندھے پر ہی تھا۔ اگرچہ میں غائب تھا مگر مجھے ہر شے دکھائی دے رہی تھی۔ میں قدم قدم چلتا چبوترے پر سے بھی نیچے آ گیا۔ میں نے غیبی عورت سے پوچھا۔ "مجھے کس طرف جانا چاہیے؟"

عورت کی آواز آئی۔ "تمہاری دائیں جانب جو کھجوروں کا جھنڈ ہے اس طرف چلتے جاؤ۔"

کھجور کے درختوں کا جھنڈ میری دائیں جانب کچھ فاصلے پر دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی شخص میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ مجھے غیبی عورت کے سانس لینے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ درختوں کے جھنڈ میں آ کر عورت کی آواز آئی۔ "اب میری بات غور سے سنو۔ اپنے جس تعویذ کی تمہیں تلاش ہے وہ اس ملک میں نہیں ہے۔"

"پھر کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

غیبی عورت نے کہا۔ "کوہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کے جنوب میں دریائے سرسوتی اور دریائے سندھ کی وادی ہے۔ وہاں ہاراپا نام کی ایک شہری ریاست ہے جس پر دراوڑی راجہ ماگھی حکومت کرتا ہے۔ یہ لوگ شیش ناگ کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ لوگ آگ اور سانپوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کے شہر ہاراپا میں ایک بہت بڑا مندر ہے۔ اس مندر میں پوجا کرنے کی جگہ پر ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔ پورنماشی کی رات کو سانپوں کا بادشاہ مندر میں آ کر سونے کی چوکی پر بیٹھ جاتا ہے۔ شاہی پجاری سونے کے پیالے میں اسے دودھ پیش کرتا ہے۔ دیوداسیاں اس کے آگے رقص کرتی ہیں۔ رات ڈھلنے تک مندر میں اگنی دیوی اور سانپوں کے بادشاہ کی پوجا پاٹھ جاری رہتی ہے۔ جناتری نام کی دیوداسی سانپوں کے بادشاہ کی خوشنودی کے لیے اس کے آگے عریاں رقص پیش کرتی ہے۔ تم یہاں سے ہاراپا شہر کے اس مندر میں جاؤ گے اور جناتری دیوداسی سے ملو گے۔ جناتری

تمہیں بتائے گی کہ تمہیں تمہارا تعویذ کہاں سے مل سکتا ہے۔"

قدیم تاریخ کا طالب علم ہونے کی وجہ سے میں سمجھ گیا تھا کہ یہ غیبی عورت مجھے برصغیر پاک و ہند کے شمالی علاقے کی طرف بھیج رہی ہے اور جس شہر ہاراپا کا اس نے نام لیا ہے وہ بگڑتے بگڑتے ہڑپہ ہو گیا ہے جس کے کھنڈر پاکستان' میرے وطن کے صوبہ پنجاب میں واقع ہیں مگر میں جس زمانے میں تھا اس وقت ہندوستان کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ ساڑھے پانچ ہزار برس پہلے کا زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی آریا قوم کے لوگ بھی وسط ایشیاء سے اٹھ کر وادی سندھ میں نہیں آئے تھے۔ قدیم زمانے کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وادی سندھ میں آریوں کی آمد سے پہلے دراوڑی قوم کے لوگ آباد تھے جن کے دریائے سندھ' دریائے سرسوتی اور جنوب میں دریائے کرشنا کی وادیوں میں بڑے بڑے شہر آباد تھے اور ان شہروں کی اپنی اپنی حکومت اور اپنے اپنے راجہ ہوتے تھے۔ یہ لوگ آگ اور شیش ناگ کی پوجا کرتے تھے اور ان میں جادو ٹونے کا بڑا رواج تھا۔ شمال میں ہڑپہ اور موہنجودڑو اس قوم کی دو بڑی اہم شہری ریاستیں تھیں۔ جب آریا لوگ وسط ایشیاء سے اٹھ کر وادی سندھ میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان شہروں کے راجاؤں کو جنگ میں شکست دے کر جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ دراوڑی قوم کے بارے میں تاریخ ہمیں کچھ نہیں بتاتی کہ یہ لوگ حقیقت میں کون تھے اور کہاں سے آ کر وادی سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان شہروں کے کھنڈرات سے ملنے والی چیزوں' اوزاروں اور مٹی کے برتنوں اور دو ایک مورتیوں سے صرف اتنا ہی پتہ چل سکا ہے کہ یہ لوگ پختہ اینٹوں سے سڑکیں اور مکان بناتے تھے۔

یہ تو زمانہ قبل از تاریخ کی باتیں تھیں لیکن غیبی عورت مجھے خود دراوڑ قوم کے ان شہروں میں سے ہاراپا (ہڑپہ) نام کے ایک شہر میں بھیج رہی تھی اور یوں میں اس ہزاروں سال پرانے شہر کو اپنی تہذیب و تمدن کے عروج کے زمانے میں دیکھنے والا تھا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

غیبی عورت کہہ رہی تھی۔ "یہاں سے میں تم سے جدا ہو جاؤں گی۔ جب میں

نے تمہارے کندھے پر سے ہاتھ اٹھایا تو تم دوبارہ اپنی اصلی حالت میں آ جاؤ گے اور سب کو نظر آنے لگو گے لیکن تم فکر نہ کرو۔ کھجوروں کے جھنڈ سے شمال کی طرف باہر نکلو گے تو تمہیں ایک گھوڑا ملے گا۔ اس گھوڑے پر سوار ہو جانا۔ وہ تمہیں دجلہ و فرات کی وادی سے نکال کر دریائے نیل کی وادی میں لے جائے گا۔ وادی نیل کے دارالحکومت تھیبز کی بڑی کارروان سرائے سے تمہیں وہ قافلہ مل جائے گا جو وادی سندھ کے شہر ہاراپا کی طرف جا رہا ہو گا۔ تم اس قافلے کے ساتھ ہاراپا شہر پہنچ جاؤ گے۔ وہاں کے بڑے مندر میں جناتری نام کی دیوداسی سے ملاقات کرنا اور اسے بتانا کہ مجھے تمہاری بڑی بہن نے بھیجا ہے۔ بس اب تم جاؤ۔ اس سے زیادہ دیر میں تمہارے پاس نہیں ٹھہر سکتی۔"

اور غیبی عورت کا ہاتھ میرے کندھے پر سے اٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ کے اٹھتے ہی میں ظاہر ہو گیا اور اپنے آپ کو نظر آنے لگا۔ مجھے اب یہ خوف لاحق تھا کہ میں یہاں کے لوگوں کی مقدس دیوی کی قربان گاہ سے بھاگا ہوں۔ کسی نے مجھے پہچان لیا تو پکڑ کر میری گردن اڑا دیں گے۔ غیبی عورت کے جدا ہونے کے فوراً بعد میں کھجور کے درختوں میں تیز تیز چلنے لگا۔ جھنڈ کے باہر پہنچا تو وہاں ایک طرف ایک گھوڑا کھڑا تھا جس پر زین کسی ہوئی تھی اور پانی کی چھاگل اور ایک تھیلا لٹک رہا تھا۔ میں جیسے ہی گھوڑے پر سوار ہوا گھوڑا ایک دم سے چل پڑا جیسے میرے سوار ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

صحراؤں اور بیابانوں میں یہ بڑا لمبا' دشوار گزار اور مصیبتوں اور مشکلات سے بھرا ہوا سفر تھا۔ مختصر یہ کہ میں کسی نہ کسی طرح سات آٹھ دنوں کا سفر طے کرنے کے بعد ایک دریا کے کنارے آ گیا جس کی دوسری جانب مجھے دن کی روشنی اور چمکتی ہوئی گرم دھوپ میں بہت دور تین تکونے ٹیلے دکھائی دیئے۔ یہ اہرام مصر تھے۔ میں قدیم مصر کے سب سے پرانے شہر اور پرانے دارالحکومت تھیبز پہنچ گیا تھا۔ یہ فرعونوں اور جادوگر کاہنوں کا ملک تھا۔ فرعون آمون اور کاہن جادوگر قابوس کا بھی اسی ملک سے تعلق تھا۔ یہاں مجھے قدم قدم پر کسی مصیبت میں پھنس جانے کا خطرہ تھا۔ میں شہر کی سب سے بڑی سرائے میں اتر گیا۔ معلوم ہوا کہ ایک قافلہ چار دن بعد وادی سندھ کو جانے والا ہے۔ مجھے اس

قافلے کے ساتھ سفر کرنا تھا اور چار دن اسی شہر میں گزارنے تھے جہاں کسی بھی وقت مجھ پر کاہن جادوگر کی بدروح کا جادو چل سکتا تھا۔ میں ڈر کے مارے سرائے سے نکلتے ہوئے گھبراتا تھا۔ میں سرائے کی کوٹھڑی میں ہی پڑا رہا۔ میرے گھوڑے پر جو تھیلا الگ بندھا ہوا تھا اس میں غیبی عورت نے سونے اور چاندی کے کچھ سکے رکھ دیئے تھے' جو راستے میں بھی میرے کام آئے تھے اور آگے بھی جنہیں میرے کام آنا تھا۔

میرا لباس پھٹ چکا تھا۔ میں نے سب سے پہلے وہیں کاررواں سرائے کی ایک دکان پر سے اپنے لئے ایک نیا چغہ' تہبند اور جوتے خرید کر پہنے۔ نیلے رنگ کی ایک چادر خریدی جو اس علاقے کے لوگ سخت دھوپ میں اپنے سر پر رکھ لیتے تھے۔ باقی بچے ہوئے سونے اور چاندی کے سکے میں نے کپڑے میں لپیٹ کر اپنی کمر کے ساتھ باندھ لئے تھے۔ میں دن کے وقت بھی سرائے سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ سرائے کے احاطے کے اندر ہی رہتا تھا۔ مجھے ہر لمحے خطرہ لگا ہوا تھا کہ قابوس کی بدروح مجھ پر جادو کر کے مجھے کسی نئی مصیبت میں نہ پھنسا دے۔ تیسری رات تھی' چاند نکلا ہوا تھا۔ میں سرائے کے بڑے دروازے کے پاس بیٹھا خاموش چاندنی رات کا لطف لے رہا تھا کہ اتنے میں سرائے میں سے ایک بوڑھی عورت نکلی' وہ کبڑی تھی۔ بڑی ضعیف تھی اور لاٹھی کے سہارے چل رہی تھی۔ ایک بار وہ چلتے چلتے گر پڑی۔ میں جلدی سے اس کے پاس گیا۔ اسے اٹھایا اور پوچھا۔
"ماں جی آپ کو کہاں جانا ہے؟"

مجھ میں بھی کسی طلسم کے اثر سے یہ صلاحیت پیدا ہو چکی تھی کہ جس طرح میں اشوری لوگوں کی زبان سمجھنے بولنے لگ گیا تھا اسی طرح میں اس زمانے کی تمام ترقی یافتہ قوموں کی زبانیں سمجھنے بولنے لگا تھا۔ اس کا پہلا تجربہ مجھے مصر کی سرائے میں ہوا تھا جہاں اس وقت کی تمام ترقی یافتہ قوموں کے تاجر سوداگر لوگ موجود تھے۔ چنانچہ میں فرعونوں کے زمانے کی مصری زبان بھی بول اور سمجھ لیتا تھا۔ بوڑھی عورت نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیٹا! میں اپنے پوتے کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ کسی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بابل شہر سے ایک قافلے کے ساتھ آ رہا ہے مگر افسوس کہ میرا پوتا مجھے نہیں ملا۔ اب گھر

جا رہی ہوں' بوڑھی ہو گئی ہوں۔ پوتے کی جدائی کے غم میں نڈھال ہوں۔ بیٹا! مجھے سہارا دے کر میرے گھر تک پہنچا دو۔ میرا گھر یہاں سے دور نہیں ہے۔"

مجھے اس بوڑھی عورت پر رحم آ گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "چلو ماں جی! میں تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ آتا ہوں۔"

بوڑھی عورت میرے ساتھ چل پڑی۔ وہ مجھے دعائیں دیتی جا رہی تھی۔ کاررواں سرائے سے کچھ فاصلے پر صحرا میں ایک جھونپڑا نظر آیا۔ بوڑھی عورت نے کہا۔ "بیٹا! میں اس جھونپڑے میں رہتی ہوں۔"

صحرا میں چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اچانک بوڑھی عورت نے لاٹھی اوپر اٹھائی تو اس کی شکل عجیب ڈراؤنی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا قد اونچا ہونا شروع ہو گیا۔ میں ڈر کر بھاگنے لگا تو عورت نے لاٹھی میرے کندھے سے لگائی۔ میرے جسم سے جیسے جان نکل گئی۔ میں بالکل سن ہو گیا۔ اس عورت کا قد چھوٹا ہوتا گیا پھر وہ بالکل ایک دیوہیکل بن مانس جتنی ہو گئی۔ اس کے نتھنوں سے سانس کی پھنکاریں نکل رہی تھیں۔ اس نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا اور اپنے کندھے پر لاد کر صحرا میں ایک طرف چل پڑی۔ وہ بن مانس کی طرح جھک کر دوڑتی ہوئی چل رہی تھی۔ میں بے جان جسم کی طرح اس کے کندھے پر لٹک رہا تھا۔ کاہن جادوگر نے مجھ پر اپنے جادو کا حملہ کر دیا تھا اور یہ عورت اسی کی بھیجی ہوئی چڑیل یا جادوگرنی تھی۔ وہ تیز تیز دوڑ رہی تھی اور ریت کے ٹیلوں پر بڑی تیزی سے چڑھ کر دوسری طرف اتر جاتی تھی۔ خدا جانے وہ مجھے کہاں لئے جا رہی تھی۔ میں نے اپنے جسم و روح کی پوری قوت ارادی کو جمع کر کے دو تین بار اس کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کی لیکن میرا جسم میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ وہ بالکل بے جان سا ہو گیا تھا۔ بن مانس نما عورت مجھے لئے جا رہی تھی۔

چاندنی رات میں صحرا روشن تھا۔ وہ کئی ایک ٹیلے عبور کرنے کے بعد صحرا میں بنی ہوئی ایک چاردیواری کے پاس آ کر رک گئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ چاردیواری کافی

اونچی تھی۔ اچانک عورت کا قد دوبارہ اونچا ہونے لگا۔ وہ پچاس فٹ اونچی دیوار سے بھی بلند ہو گئی۔ پھر اس نے مجھے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور دیوار کی دوسری جانب پھینک دیا۔ میں ریت کی ڈھیری پر گرا۔ گرنے کے تھوڑی دیر بعد میرے جسم کی طاقت واپس آنے لگی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور ارد گرد دیکھا کہ چڑیل مجھے کہاں پھینک گئی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا احاطہ تھا جہاں ایک جانب دیوار کے ساتھ کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو کوٹھڑی سے نکل کر رینگ رینگ کر چل رہا تھا۔ وہ چند قدم چلنے کے بعد بیٹھ گیا۔ میں اٹھ کر اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس آدمی کے پاؤں میں لوہے کی موٹی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ اس نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ”تم نے اپنی زنجیر کیسے توڑ ڈالی؟“

میں نے کہا۔ ”میرے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں تھی۔ ایک ڈاکو میرا پیچھا کر رہا تھا۔ میں دیوار پھاند کر اندر آگیا ہوں۔“

وہ آدمی بولا۔ ”تم جھوٹ بولتے ہو۔“

اتنے میں کوٹھڑی کی جانب سے چار مصری سپاہی ہاتھوں میں ہنٹر لئے دوڑتے ہوئے ہماری طرف آئے اور انہوں نے آتے ہی ہم دونوں پر ہنٹر برسانے شروع کر دی۔ ایک سپاہی نے میری ٹانگوں کو دیکھ کر کہا۔ ”یہ فرار ہو رہا تھا۔ اس نے زنجیر کاٹ ڈالی ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے مجھے ہنٹروں سے اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو میں نیم روشن کوٹھڑی میں بند تھا۔ میرے پاؤں میں موٹی آہنی زنجیر پڑی تھی اور میرے قریب ہی چار پانچ آدمی جیسے نڈھال ہو کر فرش پر ادھر ادھر پڑے تھے۔ ان میں وہ آدمی بھی تھا جو مجھے کوٹھڑی سے باہر ملا تھا۔ وہ سر جھکائے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ میں آہنی زنجیر کو گھسیٹتا ہوا اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ہنٹروں کی مار سے میرا سارا بدن پھوڑے کی طرح درد کر رہا تھا۔ میں نے اس آدمی سے پوچھا۔ ”بھائی! یہ سب کیا ہے؟ یہ کون لوگ ہیں اور ہمیں زنجیریں ڈال کر یہاں کس لئے قید کیا گیا ہے؟“

آدمی نے آہستہ سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور مردہ آواز میں بولا۔ ”میرا نام سالوس ہے۔ ہم لوگ فرعون مصر کے غلام تھے۔ فرعون مر گیا۔ ہمیں دن نکلنے پر فرعون کے ساتھ ہی اہرام میں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ تاکہ ہم فرعون کی اگلی زندگی میں بھی اس کی خدمت کریں۔ کیا تم بھی دربار شاہی کے کوئی غلام ہو؟“

میں نے کہا۔ ”نہیں۔ میں شاہی دربار کا غلام نہیں ہوں۔ میں تو مسافر ہوں۔ ڈاکو مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ میں ڈر کر بھاگا اور کسی طرح دیوار پھاند کر اندر آگیا۔“

سالوس بولا۔ ”اب تم یہاں سے باہر نہیں جا سکو گے۔ تمہیں بھی ہمارے ساتھ ہی زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ اسی لئے تمہارے پاؤں میں بھی سپاہیوں نے زنجیر ڈال دی ہے۔“

مجھے یاد آگیا۔ میں نے قدیم فراعنہ مصر کی تاریخ میں پڑھا تھا کہ جب کوئی فرعون مر جاتا تھا تو اس کے ساتھ اس کے غلاموں کو بھی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ فرعون کی اگلی زندگی میں اس کی خدمت کریں۔ مصر کے جن اہرام کی کھدائی ہوئی تھی وہاں اہرام کے اندر فرعون کے تابوت کے پاس کچھ انسانی ہڈیوں کے پنجر بھی دریافت ہوئے تھے۔ یہ ان غلاموں کے پنجر تھے جنہیں فرعون کے تابوت کے ساتھ ہی اہرام میں زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔ اہرام بند ہونے کے بعد یہ بدنصیب دم گھٹنے سے مر گئے تھے۔ کاہن جادوگر کی بدروح نے اس دفعہ بڑا کاری وار کیا تھا۔ اگر میں بھی غلاموں کے ساتھ اہرام کے اندر زندہ دفن کر دیا جاتا ہوں تو میرے لئے وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کروڑوں من پتھروں کے نیچے اہرام میں بند میرے باہر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے فرعون کی روح یا کوئی نیک دل غیبی عورت کی روح بھی وہاں سے باہر نہیں نکال سکتی تھی۔ کاہن جادوگر قابوس کی مجھے ہلاک کرنے کی یہ بڑی کارگر تدبیر تھی۔ کوٹھڑی میں صرف ایک دیا جل رہا تھا۔ دروازے پر لوہے کا تنگ سا جنگلا گرا ہوا تھا۔ وہاں سے فرار ناممکن تھا۔ ویسے بھی میرے پاؤں میں لوہے کے موٹے کڑے کے ساتھ بندھی ہوئی آہنی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ میں بھی انتہائی مایوسی کے عالم میں سر جھکا کر بیٹھا رہا۔

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ چار پانچ سپاہی اندر آ گئے۔ انہوں نے ہنٹر برساتے ہوئے ہمیں اٹھایا اور جانوروں کی طرح ہانک کر کوٹھڑی سے باہر لے گئے۔ باہر ایک چھکڑے پر لوہے کا بہت بڑا پنجرہ لدا ہوا تھا۔ ہم چھ سات آدمیوں کو اس پنجرے میں بند کر دیا گیا اور چھکڑا چل پڑا۔ صحرا میں کچھ دیر سفر کرنے کے بعد چھکڑا ایک اہرام کے پاس آ کر رک گیا۔ ہم سب زنجیروں میں جکڑے جا چکے تھے۔ وہاں سپاہیوں کا ایک مسلح دستہ موجود تھا۔ ہمیں پنجرے میں ہی بند رکھا گیا اور سپاہی چھکڑے کے اردگرد پہرے پر کھڑے ہو گئے۔ صبح ہو گئی تھی۔ اتنے میں ایک طرف سے ڈھول' تاشوں اور نفریوں کی آوازیں آنے لگیں۔ سورج نکل آیا تھا۔ چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا جلوس جو نیلے اور زرد رنگ کے جھنڈے لہرا رہے تھے ایک طرف سے اہرام کی طرف چلا آ رہا تھا۔ جلوس قریب آیا تو دیکھا کہ آگے آگے دس بارہ سر منڈھے کاہن تھے جو منتر پڑھتے قدم قدم چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے سپاہیوں کا دستہ تھا۔ اس کے پیچھے سیاہ فام غلاموں نے ایک تابوت اٹھا رکھا تھا۔ تابوت پر سنہری چادر پڑی تھی جس پر کنول کے پھول رکھے تھے۔ یہ فرعون مصر کا تابوت تھا۔ اس کے پیچھے درباری سر جھکائے چل رہے تھے۔ اس کے پیچھے شاہی محل کی عورتیں وغیرہ تھیں۔ ان کے پیچھے بھی سپاہیوں کے دستے تھے۔ یہ فرعون مصر کا جنازہ تھا۔

جب یہ جلوس ہمارے قریب سے گزر گیا تو سپاہیوں نے ہمیں بھی پنجرے سے باہر نکالا اور جنازے کے پیچھے چلانے لگے۔ ہماری دونوں جانب' آگے اور پیچھے نیزے ہاتھوں میں لئے' تیر کمان کندھوں سے لٹکائے سپاہی چل رہے تھے۔ ہم میں سے جو کوئی نقاہت کی وجہ سے گر پڑتا تھا سپاہی اسے ہنٹر مار کر اٹھا کر دوبارہ کھڑا کر دیتے تھے۔ فرعون کا جنازہ اہرام کے اندر جانے والے ڈھلوان راستے پر سے گزر رہا تھا۔ یہ راستہ اہرام کی سرنگ میں داخل ہو جاتا تھا۔ ہم غلام بھی زنجیروں میں جکڑے ہوئے فرعون کے جنازے کے ساتھ ہی اہرام کی سرنگ میں داخل ہو گئے۔ سرنگ میں دونوں جانب دیواروں کے ساتھ مشعلیں جل رہی تھیں۔ کاہن منتر پڑھتے آگے آگے جا رہے تھے۔ یہ جلوس اہرام کے

اندر ایک چوکور کمرے کے دروازے کے باہر ہی رک گیا۔ یہ چوکور کمرہ فرعون کا مقبرہ تھا۔ یہاں پہلے ہی سے فرعون کے استعمال میں آنے والی بے شمار چیزیں دیوار کے ساتھ لگا کر رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سونے کا ایک تخت' سونے کا رتھ' شراب کے پیالے' فرعون کی تلواریں' نیزے اور برتن اور ہیرے جواہرات کے زیورات بھی تھے۔ فرعون کے تابوت کو اندر لے جا کر چبوترے پر رکھ دیا گیا۔ ہم غلاموں کو ابھی دروازے کے باہر رکھا گیا تھا۔ دروازے کا کوئی پٹ یا کواڑ نہیں تھا۔ بھاری اور موٹی موٹی پتھر کی سلوں کی دیوار میں ایک چوکور سوراخ تھا جس میں سے فرعون کے تابوت کو اندر لے جایا گیا تھا۔

کاہن مذہبی رسومات ادا کرنے لگے۔ اونچی آواز میں منتر پڑھے جا رہے تھے۔ فرعون کے تابوت کے باہر اس کا سونے کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ جب تمام رسومات پوری ہو گئیں تو ہم سات غلاموں کو بھی کمرے میں لے جایا گیا۔ ہمیں زنجیروں سمیت چبوترے کے باہر کو نکلے ہوئے آہنی کڑوں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ زنجیروں کے سر جوڑ کر بڑے بڑے ہتھوڑوں کی ضرب سے آپس میں جوڑ دیئے گئے۔ تمام کاہن کمرے سے باہر نکل گئے۔ اب اس اہرام میں ہم سات غلام تھے جو بے بسی کی حالت میں چبوترے کے ساتھ آہنی زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور یا پھر فرعون کا تابوت تھا۔ جب سب لوگ کمرے سے نکل گئے تو ایک سپاہی نے باہر کی جانب دیوار کے ایک طاق میں لٹکتی ہوئی زنجیر کو پکڑ کر پوری طاقت سے نیچے کھینچ دیا۔ زنجیر کے گرتے ہی دروازے کے اوپر سے پتھر کی ایک بہت بڑی سل آہستہ آہستہ نیچے گرنا شروع ہو گئی۔ پتھر کی یہ سل ایک بہت بڑا بلاک تھا جو نیچے آ رہا تھا۔ نیچے آتے آتے وہ دروازے کی دہلیز میں جو لمبا اور گہرا سوراخ تھا اس کے اندر دو فٹ تک دھنس گیا۔ اس کے ساتھ ہی اہرام کی دیوار بند ہو گئی۔ چونکہ میرا تعلق بیسویں صدی عیسوی کے جدید ترین سائنسی دور سے تھا اس لئے میں جانتا تھا کہ اب یہ اہرام ہزاروں برس بعد ہی کھلے گا۔

O=========☆=========O

میں ایک طرح سے ہزاروں برس بعد کھلنے والی قبر میں زندہ دفن ہو گیا تھا اور کوئی بھی انسان پتھر کی سلوں سے بند کی گئی قبر کے اندر ہزاروں برس تو کیا بمشکل ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہی حال اہرام کا ہوا۔ اہرام کے اندر جو آکسیجن پتھر کی سل کے گرتے ہی ہمارے ساتھ بند ہو گئی تھی وہ ہمارے سانس لینے سے آہستہ آہستہ ختم ہونا شروع ہو گئی۔ ہم سات آدمی تھے۔ ہم تابوت والے چبوترے سے بندھے ہوئے تھے۔ فرعون کے تابوت کے سرہانے زیتون کے تیل کا بڑا سا چراغ جل رہا تھا۔ سالوس مجھ سے پانچ فٹ کے فاصلے پر چبوترے سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے چراغ کی طرف اشارہ کر کے مجھے بتایا کہ یہ چراغ پچاس برس تک جلتا رہے گا۔ اس کے بعد بجھ جائے گا۔ میں نے کہا۔ "لیکن اس وقت تک ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہو گا بلکہ ہم تو دو ایک دن میں ہی دم گھٹنے سے مر جائیں گے۔"

میرے سوا سارے غلام زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور چبوترے کے ساتھ ٹیک لگائے سر نیچے کئے بیٹھے موت کا انتظار کرنے لگے تھے۔ صرف میں ابھی تک وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے سالوس سے پوچھا۔

"جس دروازے سے گزر کر ہم اہرام کے اندر آئے ہیں اس طرف کے تو

سارے راستے پتھر کی بھاری سلیں گرا کر بند کر دیئے گئے ہوں گے۔ لیکن کیا اہرام کی جنوبی دیوار کی طرف سے کوشش کر کے ہم کوئی پتھر ہٹا کر فرار کا راستہ تلاش نہیں کر سکتے۔"

سالوس بولا۔ "اہرام کی جنوبی دیوار بھی پچاس پچاس مربع فٹ کے بھاری پتھروں سے چنی گئی ہے اور یہ دیوار تکونی شکل میں محراب کے اوپر پانچ سو فٹ تک چلی گئی ہے۔ یہاں سے فرار ہونے کے خیال کو دل سے نکال دو اور دیوتاؤں کو یاد کرو۔"

باقی پانچوں غلاموں پر موت سے پہلے ہی موت کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ انہوں نے موت کو قبول کر کے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا تھا جو آہستہ آہستہ انہیں ختم کر رہی تھی۔ ان میں کوئی بھی نہیں بول رہا تھا۔ ان کے مردہ چہروں پر موت کا سکوت طاری تھا۔ فرعون کے تابوت کے سرہانے زیتون کے چراغ کی لو فضا ساکن ہو جانے کی وجہ سے بالکل سیدھی کھڑی تھی۔ آگ کی یہ لو بھی فضا میں سے آکسیجن کو تیزی سے ختم کر رہی تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ میں بھی ان غلاموں کے ساتھ ہی بھوک پیاس اور آکسیجن کے نہ ہونے سے بے ہوش ہونے کے بعد بے شعوری کے عالم میں موت کی آغوش میں چلا جاؤں گا۔ کاہن جادوگر قابوس کا یہ حربہ بے حد کامیاب ثابت ہو رہا تھا۔ وقت کا وہاں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ہمیں سورج نکلنے کے بعد اہرام میں دفن کیا گیا تھا۔ کچھ دیر تک مجھے احساس رہا کہ اب دن کے دس بجے ہوں گے' اب گیارہ بج رہے ہوں گے۔ اس کے بعد یہ احساس بھی ختم ہو گیا اور میں موت اور زندگی کے درمیان خلا میں معلق ہو گیا۔

وہاں ہمارے لئے کھانے پینے کو کچھ بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ اگر رکھا بھی گیا ہوتا تو ہم زنجیروں میں بندھے تھے۔ چبوترے سے دو فٹ بھی دور نہیں جا سکتے تھے۔ روایت کے مطابق ہمیں جلدی مار دیئے جانے کی تدابیر کی گئی تھیں تاکہ فرعون کی روح اگلی دنیا میں زیادہ آگے نہ نکل جائے اور ہماری روحیں جتنی جلدی ہو سکے ہمارے جسموں سے نکل کر فرعون کی روح کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔

انسان جہالت اور بے علمی کے کیسے کیسے اندھیروں سے نکل کر کمپیوٹر' انٹرنیٹ اور خلائی شٹل کے دور تک پہنچا ہے لیکن اس وقت کمپیوٹر' انٹرنیٹ اور خلائی شٹل کے دور سے نکل کر ایک انسان ہزاروں برس پرانے زمانے کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا اور وہ انسان میں تھا۔ لیکن میں نے دوسرے غلاموں کی طرح موت کو قبول نہیں کیا تھا۔ میں زندہ رہنا چاہتا تھا اور اہرام سے باہر نکل کر پرسکون زندگی گزارنا چاہتا تھا اور واپس اپنے وطن پاکستان پہنچنے کو بے تاب تھا جو مجھ سے ساڑھے پانچ ہزار برس کے طویل و عریض فاصلے پر تھا۔ کبھی خیال آتا کہ میں واپس پاکستان چلا جاؤں گا۔ کبھی خیال آتا کہ اب کبھی پاکستان جانا نصیب نہیں ہوگا۔ مجھ پر شاید فرعون کی روح کے طلسم کا اثر تھا اسی مجھے بھوک اور پیاس کا احساس بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن میرے ساتھ جو غلام زندہ دفن کر دیئے گئے تھے ان پر جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا نیم بے ہوشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ سالوس مجھ سے پانچ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ ہمارے ہاتھ چبوترے کے آہنی کڑے میں ڈال کر کڑے کو اس طرح بند کر دیا گیا تھا کہ ہمارے ہاتھ باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ سالوس ہم سب میں زیادہ صحت مند اور موٹا تازہ تھا مگر بند اہرام میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے اس کو سانس لینے میں بھی دقت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران تھا کہ مجھ پر ابھی تک فضا کی گھٹن کا کوئی اثر نہیں ہوا اور میں پہلے کی طرح اطمینان سے سانس لے رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے اس کی وجہ بھی پوچھی۔ میں نے کہہ دیا کہ اس کی وجہ مجھے خود معلوم نہیں ہے۔ لیکن وہ مجھے کوئی جادوگر وغیرہ سمجھنے لگا تھا۔ کہنے لگا۔ "اگر تم جادوگر ہو تو اپنے جادو کے زور سے ہمیں یہاں سے نکال کیوں نہیں دیتے؟"

میں نے کہا۔ "اگر میں جادوگر ہوتا تو اب تک تم لوگوں کو لے کر یہاں سے نکل چکا ہوتا۔"

اہرام کے اندر نہ دن کا پتہ چل رہا تھا' نہ رات کا۔ وقت کسی تالاب کے ساکن پانی کی طرح ایک جگہ ٹھہر گیا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے سوا سب آدمیوں کے سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگے۔ آکسیجن فضا میں بہت ہی کم رہ گئی تھی لیکن میرا سانس اسی

طرح چل رہا تھا۔ پھر سالوس اور دوسرے دو ایک غلاموں کے نتھنوں سے خون جاری ہو گیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کسی کے لیے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ صرف خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہو رہا تھا اور خدا نے مجھے اس عذاب سے بچا لیا تھا۔ معلوم نہیں ایک دن گزر گیا تھا کہ دو دن کہ تین دن گزر گئے تھے کہ میری آنکھوں کے سامنے باقی کے سارے غلام ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ میں ابھی تک زندہ تھا۔ میری اس حالت کو شاید کاہن جادوگر قابوس کی بدروح بھی دیکھ رہی تھی۔ کاہن قابوس مجھے جان سے تو نہیں مار سکتا تھا مگر وہ کم از کم یہ سوچ کر ضرور مطمئن تھا کہ اس نے مجھے ہمیشہ کے لیے کروڑوں بلکہ اربوں ٹن وزنی پتھر کی قبر کے اندر بند کر دیا ہے جہاں سے میں اس کے خیال کے مطابق اب کبھی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں جن کے ساتھ آہنی زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ بھی چبوترے کے کڑے میں جکڑا ہوا تھا۔

میں نے ہاتھ باہر نکالنے کی کئی بار کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ مجھ پر نقاہت سی طاری ہونے لگی۔ مجھے سانس لینے میں دشواری تو نہیں ہو رہی تھی مگر میرے سانس کی رفتار بہت مدہم ہو گئی تھی۔ اہرام کی بند فضا میں آکسیجن نہ ہونے کے برابر باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ تابوت کے سرہانے جلتے زیتون کے چراغ کی لو اتنی نیچی ہو گئی تھی کہ روشنی کا ایک نقطہ سا باقی رہ گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آگ صرف فضا میں آکسیجن موجود ہونے کی وجہ سے جلتی ہے۔ موم بتی اور چراغ کی لو کو بھی فضا کی آکسیجن ہی روشن کرتی ہے۔ اگر فضا میں آکسیجن نہ ہو تو آپ لاکھ ماچس جلائیں دیا سلائی میں سے کبھی آگ کا شعلہ نہیں بھڑک سکتا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرۂ ارض پر زندگی کی نشو و نما کی خاطر اپنے فضل و کرم سے کام لے کر آکسیجن کے ساتھ دوسری ایسی گیسیں بھی پیدا کر دیں جو آگ کو بجھا سکتی ہیں۔ اگر کرۂ ارض پر صرف آکسیجن ہی آکسیجن ہوتی تو ایک بار لگائی ہوئی آگ یا ایک بار لگی ہوئی آگ تاقیامت نہ بجھتی!

اہرام میں زیتون کے چراغ کی لو بہت دھیمی ہو جانے کی وجہ سے پہلے ہی بہت کم روشنی تھی لیکن جب چراغ کی باقی ماندہ لو بھی بجھ گئی تو اہرام میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ اب وقت کے ساتھ ہر نظر آنے والی شے بھی نظروں سے غائب ہو گئی اور مجھے محسوس ہوا کہ میں دو دنیاؤں کے درمیان کسی تاریک خلا میں لٹک کر رہ گیا ہوں۔ بھوک پیاس کا احساس مجھے نہیں تھا۔ سانس بھی بے معلوم انداز میں چل رہا تھا لیکن میں زندہ تھا۔ خدا جانے میں کس طرح زندہ تھا۔ میں تو آج بھی یہی سمجھتا ہوں کہ خدا کی مدد اور اس کا کرم میرے شامل حال تھا کہ میں موت کی وادی میں پہنچ کر بھی زندہ حالت میں تھا۔ لیکن میرے کان ضرور شاں شاں کرنے لگے تھے جیسے تاریک فضاؤں میں تیز ہوائیں چل رہی ہوں۔ اب وقت کے گزرنے کا احساس بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ میں آنکھیں بند کرتا تو اندھیرا تھا۔ آنکھیں کھولتا تو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ صرف جسم کو ہاتھ لگانے سے میں اپنے جسم کو محسوس کر سکتا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں کہ کتنا وقت گزر گیا تھا۔ کتنے دن' کتنی راتیں گزر گئی تھیں کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ کئی بار بے ہوش ہو جاتا اور دوبارہ ہوش میں آ جاتا۔ ایک بار بے ہوش ہوا اور ہوش میں آیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرا ہاتھ چبوترے کے کڑے میں جکڑا ہوا نہیں ہے۔ میرا ہاتھ نیچے گرا ہوا تھا۔

میں نے جلدی سے بازو اوپر اٹھایا۔ واقعی میرا ہاتھ آہنی کڑے سے باہر نکل چکا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنے پاؤں کو اوپر کر کے ان پر ہاتھ پھیرا۔ میرے دونوں پیر بھی آہنی بیڑیوں اور زنجیروں سے آزاد ہو چکے تھے۔ ایسا کیسے ممکن ہوا تھا؟ یہ معمہ آج بھی میں حل نہیں کر سکا۔ چونکہ میں جادو ٹونے اور طلسم کی فضاؤں میں سانس لے رہا تھا اس لئے میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اگرچہ کاہن جادوگر قابوس کی بدروح مجھ سے انتقام لینے کے لیے مجھ پر پے در پے حملے کر رہی تھی تو ایک نیک روح بھی میری کسی نہ کسی حد تک مدد کر رہی تھی۔ شاید یہ اسی نیک روح کی مدد کا کرشمہ تھا کہ بے ہوشی کی حالت میں میری آہنی زنجیریں کٹ چکی تھیں۔ میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے نظر تو کچھ نہیں آ رہا تھا' اندھیرا بہت زیادہ تھا۔ چبوترے کے کنارے پر ہاتھ رکھ کر میں اہرام کی جنوبی دیوار

کی طرف بڑھا۔ میں یہ سوچ کر دیوار کی طرف نہیں آیا تھا کہ وہاں میرے فرار کے لیے کوئی طلسمی دروازہ کھل گیا ہو گا۔ بس اس خیال سے آ گیا تھا کہ دیوار کو ٹٹول کر دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کسی جگہ سے کوئی پتھر ہلا ہوا ہو اور میں کوشش کر کے اسے اپنی طرف کھینچ لوں اور پھر دوسرا اور پھر تیسرا پتھر ہٹا لوں اور اس طرح باہر نکلنے کا کوئی راستہ بن جائے۔

لیکن یہ مصر کے اہرام تھے' لاہور کارپوریشن کے ٹھیکیداروں کی بنائی ہوئی کوئی سرکاری عمارت نہیں تھی کہ میں دیوار کا ریتلا سیمنٹ اکھیڑ کر اس کی ایک اینٹ نکالوں تو باقی کی ساری اینٹیں بھی باہر نکل آئیں۔ آپ آج بھی مصر میں جا کر دیکھیں تو ہزاروں برس پہلے کے تعمیر کئے ہوئے اہرام آج بھی اپنی جگہ پر اسی طرح قائم ہیں۔ زمانے کی گرم سرد ہوائیں اور زلزلے بھی انہیں اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکے۔

پھر بھی میں دیوار کو ٹٹول رہا تھا کہ شاید کسی جگہ کوئی درز وغیرہ مل جائے۔ مگر یہ بڑے بڑے دیو ہیکل پتھروں کی سلیں تھیں۔ انہیں ایک دوسری کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا گیا تھا جیسے لوہے کے دو ٹکڑوں کو ملا کر ویلڈنگ کر دی جاتی ہے۔ میں تھک ہار کر وہیں بیٹھ گیا۔ یہ عجیب موت تھی کہ میں نہ زندوں میں تھا' نہ مردوں میں۔ شاید اب اسی حالت میں مجھے ان تاریخی اہرام مصر میں بند رہ کر تاریخ کا ہزاروں سال کا سفر طے کرنا تھا۔ میں اندھیرے میں چلتا چبوترے کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کسی غیبی امداد کا انتظار کرنے لگا۔

نہ جانے میں کتنی دیر تک یوں سر جھکائے بیٹھا تقدیر کی ستم ظریفی اور ستم رانیوں پر غور و فکر کرتا رہا تھا کہ اچانک مجھے ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دی۔ پہلے تو میں اسے اپنا وہم اور تخیل کی کارستانی سمجھ کر بے حس و حرکت بیٹھا رہا لیکن جب دوسری اور تیسری بار اور پھر بار بار ٹھک ٹھک کی آواز آنا شروع ہو گئی تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں اس آواز کو غور سے سننے لگا کہ یہ کس چیز کی آواز ہے اور کہاں سے آ رہی ہے۔ آواز کسی وقت رک جاتی تھی اور تھوڑے سے وقفے کے بعد پھر آنے لگتی تھی۔ میں نے پوری طرح غور سے آواز کو سنا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ آواز زمین کے اندر سے آ رہی تھی۔

میں حیران ہوا کہ زمین کے اندر کہاں سے آواز آ سکتی ہے۔ لیکن آواز مسلسل آ رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے زمین کے نیچے کوئی بیلچہ یا پھاوڑا چلا رہا ہے۔ پھر دبی دبی دو انسانی آوازیں بھی سنائی دیں۔ میں ایک دم چونک پڑا۔ ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ یہ کوئی چور لٹیرے تھے جو فرعون کے ساتھ دفن کیا گیا سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا خزانہ چرانے زمین کے اندر ہی اندر سرنگ کھود کر اہرام کی طرف آ رہے تھے۔ اس زمانے میں چور اور ڈاکو فرعون کی لاش کی بددعا اور دیوتاؤں کے نازل ہونے والے عذاب سے بے فکر ہو کر فرعون کے ساتھ دفن کئے ہوئے انمول خزانے لوٹ لیا کرتے تھے۔
چنانچہ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے مصر کے اہراموں کی سرکاری سطح پر کھدائی شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ اکثر اہرام کے خزانے چور ڈاکو لوٹ کر لے جا چکے تھے اور وہاں سوائے فرعون کے تابوت کے اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ صرف چند ایک اہرام ہی ڈاکوؤں کی دست برد سے محفوظ رہ سکے تھے۔ اہرام میں فرعون کے تابوت کے ساتھ اس قدر سونا چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے تھال رکھ دیئے جاتے تھے کہ وہ چوروں اور ڈاکوؤں سے بچ ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ ساری دولت فرعون کی اگلی زندگی میں کام آنے کے لیے رکھ دی جاتی تھی۔
چنانچہ مجھے فوراً خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ ڈاکو ہیں جو خزانہ لوٹنے کے لیے سرنگ کھود رہے ہیں اور اب اہرام تک پہنچ گئے ہیں۔ نظر تو مجھے بھی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے زمین کے اندر پھاوڑا چلنے کی آواز سے اندازہ لگا لیا تھا کہ سرنگ کا منہ اوپر کہاں سے کھلنے والا ہے۔ میں نے ایک ترکیب ذہن میں سوچ لی تھی۔ چنانچہ میں تابوت کے چبوترے کی دیوار کے ساتھ کھسکتا ہوا تابوت کی دوسری طرف آ گیا۔ یہاں سے مجھے کچھ فاصلے پر بڑے بڑے برتنوں اور تھالوں میں لگے ہوئے قیمتی ہیرے جواہرات کے ڈھیر اندھیرے میں چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک ایک خیال میرے دماغ میں آ گیا۔ میں دوڑ کر ہیرے جواہرات کے تھالوں کے پاس گیا اور ایک تھال میں سے مٹھی بھر ہیرے جواہرات اٹھائے اور انہیں اپنے چغے کی اندرونی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا۔ سرنگ

کھودنے کی آواز زیادہ قریب سے آنے لگی تھی۔ دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔ میں چبوترے کی اوٹ میں سمٹ کر بیٹھا ان آوازوں کو غور سے سنتا رہا۔ اہرام کا فرش چھوٹے بڑے پتھروں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے پھاوڑا پتھروں سے ٹکرایا ہو۔ ڈاکو اہرام کے فرش کے نیچے تک آ گئے تھے۔
میں نے سانس روک لیا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر اس جگہ کو دیکھنے لگا جہاں سے فرش کے پتھروں کے ساتھ پھاوڑا ٹکرانے کی آواز آئی تھی۔
اب نیچے سے کوئی شے زور زور سے فرش کے پتھروں کے ساتھ ٹکرا رہی تھی۔ ڈاکو فرش کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے فرش کا کوئی بڑا پتھر اکھڑ کر دوسری طرف جا گرا ہو۔ ایک آدمی کی زمین کے اندر سے آواز آئی۔ "پیچھے ہٹ جاؤ' پیچھے ہٹ جاؤ۔ فرش اکھڑ گیا ہے۔"
مجھے ابھی تک کوئی شے نظر نہیں آئی تھی۔ صرف آدمیوں کے باتیں کرنے اور کسی آہنی شے سے پتھروں کو نیچے سے اکھاڑنے کی آوازیں ہی آ رہی تھیں۔ یہ دو آدمی تھے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد مجھے چبوترے کی دوسری جانب کوئی پچیس فٹ کے فاصلے پر زمین کے نیچے سے روشنی سی باہر نکلتی نظر آئی۔ ساتھ ہی اہرام کی گھٹی ہوئی بند فضا میں تازہ ہوا کے آنے کا احساس ہوا۔ ایک ڈاکو نے دوسرے ڈاکو سے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مشعل مجھے دو۔ مشعل مجھے دو۔"
نیچے سرنگ میں سے دوسرے ڈاکو نے کہا۔ "یہ لو۔ اوپر نکل چلو۔"
فرش پر جہاں سے روشنی کا ایک دائرہ سا نظر آیا تھا وہاں ایک چوکور اور بڑا سوراخ ہو گیا تھا کیونکہ ایک چوڑی سل الگ کر دی گئی تھی۔ زمین کے نیچے سے ایک آدمی نے جلتی ہوئی مشعل والا ہاتھ باہر نکالا اور پھر خود بھی باہر آ گیا۔ میں جلدی سے چبوترے کی اوٹ میں ہو گیا۔ سونے چاندی کے سارے سامان اور ہیرے جواہرات کے بھرے ہوئے برتن اور تھال چبوترے کی دوسری طرف تھے' اس لئے ان لوگوں کے میری طرف آنے کا امکان نہیں تھا اور ایسا ہی ہوا۔ سامنے کی جانب سونے چاندی کے ساز و

سامان برتنوں اور انمول جواہرات اور زیورات کے بھرے ہوئے تھال دیکھ کر دونوں ڈاکو اس طرف کو لپکے اور جب میں نے چبوترے کی دیوار کی اوٹ سے ان پر نگاہ ڈالی تو انہوں نے زمین پر بہت بڑی چادر بچھائی ہوئی تھی اور اس میں جواہرات کے تھال الٹ رہے تھے۔ میں نے جو ترکیب پہلے سے ذہن میں سوچ رکھی تھی اس پر عمل کرتے ہوئے جہاں فرش پر سرنگ کھلی تھی اس جگہ کو دیکھا۔ وہاں مشعل کی روشنی میں ایک گڑھا دکھائی دیا۔ یہ سرنگ کا دہانہ تھا۔ میں نے ڈاکوؤں کو ایک بار پھر دیکھا۔

دونوں ڈاکوؤں کی پشت میری طرف تھی۔ وہ جوش و خروش اور گھبراہٹ میں دھڑادھڑ خزانے کے تھال چادر میں الٹانے میں لگے ہوئے تھے۔ میں فرش پر گھٹنوں کے بل چلنے لگا۔ میرا رخ سرنگ کے دہانے کی طرف تھا۔ دونوں ڈاکو اونچی آواز میں ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ میں بے حد احتیاط کے ساتھ چلتا سرنگ کے دہانے پر پہنچ گیا۔ اس کے فوراً بعد میں سرنگ میں اتر گیا۔ سرنگ اتنی تنگ تھی کہ میں صرف لیٹ کر چل سکتا تھا۔ باہر سے سرنگ میں تازہ آکسیجن آ رہی تھی۔ میں اوندھا ہو کر لیٹ گیا اور رینگنا شروع کر دیا۔ سرنگ میں ریت اور مٹی بھری ہوئی تھی اور چھت پر سے بھی کسی وقت ریت مٹی گرنے لگتی تھی۔ ایک بار مجھ پر گھبراہٹ اور خوف سا ضرور طاری ہوا کہ میں یہاں سے زندہ نہیں نکل سکوں گا لیکن میں ہمت سے کام لے کر برابر رینگتا چلا گیا۔ کافی دور تک رینگنے کے بعد سرنگ بند ہو گئی لیکن اوپر سے ہلکی ہلکی روشنی نیچے آ رہی تھی اور تازہ ہوا بھی اوپر سے آ رہی تھی۔ اوپر سرنگ کا دہانہ تھا۔ ڈاکوؤں نے وہاں سے سرنگ کھودنی شروع کی تھی۔ کوئی سات آٹھ فٹ کا گھڑا کھود کر سرنگ کو آگے کھودنا شروع کیا تھا۔ میں گڑھے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اوپر دیکھا۔ میں آپ کو بیان نہیں کر سکتا کہ جب میں نے گڑھے کے شگاف میں سے اوپر آسمان پر تارے چمکتے دیکھے تو خوشی سے میرے دل کی کیا حالت تھی۔ بس ایسے لگ رہا تھا کہ میں زندگی میں پہلی بار تاروں بھرے آسمان کو دیکھ رہا ہوں۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں سرنگ کے باہر تھا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ فرعون کا اہرام مجھ سے کوئی ڈیڑھ دو سو فٹ کے فاصلے

پر ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح کھڑا تھا۔ صحرائی رات کا آسمان ستاروں سے چمک رہا تھا۔ ستاروں کی روشنی میں صحرا کے ٹیلے اور دور کھڑے اہرام صاف نظر آ رہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے دوسری بار زندگی پائی ہو۔ میں نے اہرام کے مخالف سمت میں چلنا شروع کر دیا۔ صحرا میں آدمی رات کے وقت اس وقت تک چل سکتا ہے جب تک کہ وہ تھک نہیں جاتا۔ وہی صحرا جو رات کے وقت سورج کی تپش میں تنور بنا ہوتا ہے' رات کے وقت شبنم سے بھیگ کر ٹھنڈا ہو گیا ہوتا ہے۔ حیرت کی بات تھی کہ مجھے نہ تو بھوک تنگ کر رہی تھی' نہ پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ کسی قسم کی کمزوری بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ صحرا کی ریت شبنم گرنے سے گیلی ہو رہی تھی۔ وہاں کوئی پگڈنڈی یا سڑک تو تھی نہیں۔ چاروں طرف ریت کا صحرا تھا جہاں کہیں کہیں صحرائی ٹیلے تھے۔ میں نے ستاروں کو دیکھ کر اپنی سمت درست کر لی تھی۔ میں مشرق کی سمت جا رہا تھا۔ صحرا میں دن ہو یا رات زیادہ تیز چلا نہیں جاتا۔ پاؤں نرم ریت میں ہر قدم پر دھنس جاتے ہیں۔ میں بھی اسی انداز میں چلا جا رہا تھا۔ صحراؤں میں رات کے وقت زیادہ قافلے سفر کرتے ہیں۔ دل میں یہ خیال تھا کہ شاید کچھ دور چلنے پر کوئی قافلہ مل جائے۔

میں کافی دیر تک چلتا رہا۔ ایک بار گھوم کر دیکھا تو اہرام مجھ سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ میں تھکن محسوس کرنے لگا تھا۔ ایک جگہ چھوٹے سے ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ جیب سے ہیرے جواہرات نکال کر دیکھنے لگا۔ یہ تین نیلم دو زمرد اور تین الماس تھے۔ مجھے ان کی قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہ فرعون کے شاہی خزانے کے جواہرات ہیں۔ یہ بڑے قیمتی ہوں گے۔ میرا خیال کاہن جادوگر قابوس کی بدروح کی طرف بھی چلا جاتا تھا۔ مجھے خطرہ ضرور لگا تھا کہ اگر اس نے اپنے طلسم کے ذریعے یہ معلوم کر لیا کہ میں اس کے جال سے نکل گیا ہوں اور اہرام مصر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوں تو وہ مجھے چھوڑے گا نہیں اور پہلے سے زیادہ کاری وار کرے گا۔ لیکن یہ سوچ کر تھوڑی تسلی بھی ہو رہی تھی کہ کاہن جادوگر قابوس مجھے ہمیشہ کے لیے اہرام میں بند کر کے میری طرف سے مطمئن ہو گیا ہو گا کہ اب میں زندگی بھر وہاں سے

باہر نہیں نکل سکوں گا اور یوں میری حالت مردوں سے بھی بدتر ہو جائے گی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ابھی تک اس کی طرف سے مجھ پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی تھی لیکن اب میں بہت محتاط ہو گیا تھا۔ بوڑھی عورت کے خوفناک سلوک سے مجھے کافی سبق مل چکا تھا۔

میری یہی خواہش اور کوشش تھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے کاہن جادوگر قابوس کے علاقے یعنی فرعونوں کے مصر سے نکل جاؤں۔ میں مشرق کی جانب سفر کر رہا تھا اور میرے حساب سے اس کے آگے اس زمانے کے ملک ایران کی سلطنت کی حدود شروع ہو جاتی تھی۔ لیکن ایران کافی دور تھا اور وہاں تک صحرا میں پیدل سفر کرنا ناممکن تھا۔ میں چاہتا تھا کہ راتوں رات ستاروں کی روشنی اور صحرا کی ٹھنڈک میں جتنی دور تک سفر کر سکتا ہوں، کر لوں۔ صبح ہونے کے بعد دھوپ میں تو سفر نہیں کر سکتا تھا۔ چلتے چلتے میں ایک صحرائی ٹیلے کی دوسری طرف پہنچا تو دیکھا کہ کچھ فاصلے پر ستاروں کی روشنی میں ایک قافلہ چلا جا رہا ہے۔ اونٹوں کی ایک لمبی قطار تھی جو آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔ میں جلدی جلدی چلنے کی کوشش کرتا ہوا قافلے کے پاس پہنچا۔ قافلے کا گائیڈ آگے آگے تھا۔ میرے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ قافلہ ملک ایران ہی کو جا رہا تھا۔ میں نے قافلے کے راہنما کو ایک زمرد دیا۔ وہ زمرد دیکھ کر حیران بھی بہت ہوا اور خوش بھی بہت ہوا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ زمرد اتنا قیمتی تھا کہ میں اسے بیچ کر ایک ہزار اونٹ خرید سکتا تھا۔

میر کارواں نے مجھے ایک خالی اونٹ پر بٹھا دیا۔ مجھے پانی پلایا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ چھ سات راتوں کا سفر طے کرنے کے بعد قافلہ ایران کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اس زمانے کے ایران کے دارالحکومت کا نام میں بھول گیا ہوں۔ یہ اسلامی دور سے بہت پہلے کا ایران تھا اور وہاں کے لوگ آتش پرست تھے۔ یہ کارواں سرائے میں اترا ہوا تھا۔ وہاں سے میں ایک قافلے میں شریک ہو کر پندرہ دن کے سفر کے بعد آج سے ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے کے ہندوستان میں پہنچا۔ ہندوستان کے نام سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ یہ وادی سندھ کا علاقہ تھا اور یہاں دراوڑی نسل کے لوگوں کی حکومت تھی۔ موہنجودڑو حکومت کا صدر مقام تھا۔ میں نے اس شہر کے کھنڈر ہی دیکھے تھے۔ اب میں اس شہر کو

اس کے عروج کے دور میں دیکھ رہا تھا۔ یہاں کے باشندوں کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ ناک چپٹی تھی۔ بال سیاہ گھنگریالے تھے اور وہ دراوڑی زبان بولتے تھے۔ اپنے اوپر کیے گئے طلسم کی وجہ سے میں ان کی زبان بھی جان گیا تھا۔ یہ زبان بعد میں آنے والے آریہ لوگوں کی زبان سنسکرت سے بالکل ہی مختلف تھی۔ ابھی آریہ قوم کے لوگ شمالی علاقہ جات میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

یہاں سے ایک قافلے میں شامل ہو کر موہنجودڑو کے جڑواں شہر ہاراپا آ گیا۔ ہاراپا بھی ایک شہری ریاست تھی جس پر ایک دراوڑی راجہ جس کا نام غیبی عورت نے ماگھی بتایا تھا، حکومت کرتا تھا۔ شاہی خاندان اپنے آپ کو شیش ناگ کی اولاد میں ظاہر کرتا تھا۔ اس شہر میں ایک بہت بڑا مندر تھا جہاں ہر وقت آگ روشن رہتی تھی۔ پورن ماشی کی رات کو سانپوں کا بادشاہ جو ان لوگوں کا دیوتا تھا اور سونے کی چوکی پر بیٹھ جاتا تھا۔ شاہی پجاری اسے سونے کے پیالے میں دودھ پیش کرتا تھا۔ دیوداسیاں اس کے سامنے رقص کرتی تھیں۔ جناتری نام کی رقاصہ دیو داسی سانپوں کے دیوتا کے آگے عریاں رقص پیش کر کے اپنی عقیدت کا اظہار کرتی تھیں۔ مجھے جناتری نام کی اسی دیوداسی سے ملنا تھا۔ یہ سب کچھ مجھے غیبی عورت نے بتایا تھا۔ جناتری دیو داسی کی مدد سے مجھے میرے تعویذ کا سراغ ملنا تھا۔ میں نے وہیں کے لوگوں کی طرح کپڑے پہن کر ان لوگوں ایسا حلیہ بنا لیا تھا۔ قیمتی جواہرات میری کمر کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ان کو میں ایک پل کے لیے بھی اپنے آپ سے جدا نہیں کرتا تھا۔

ہاراپا یا ہڑپہ شہر کے گرد اونچی فصیل تھی۔ شہر فصیل کے اندر آباد تھا۔ بازار کشادہ مگر گلیاں تنگ تھیں۔ دو دو تین تین منزلہ مکان تھے جو لکڑی اور پختہ اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔ دن کے وقت گھوم پھر کر میں نے شہر کے سب سے بڑے مندر کا پتہ معلوم کر لیا۔ مندر کی تین منزلیں تھیں۔ درمیان میں ایک بہت بڑا صحن بنا تھا جس کے وسط میں اونچی جگہ پر آگ جل رہی تھی۔ یہ پجاری اور مہنت اردگرد بیٹھے منتر پڑھتے ہوئے آگ یعنی اگنی دیوی کی پوجا پاٹھ کر رہے تھے۔ میں مندر کے ایک ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ

گیا۔ میں جناتری دیو داسی کے بارے میں پتہ کرنا چاہتا تھا کہ کیا وہ اسی مندر کی دیوداسی ہے اور اسے کہاں ملا جا سکتا ہے' اتنے میں ایک دیوداسی تھالی میں پوجا کے پھول رکھے آتی دکھائی دی۔ میں جلدی سے اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اس کی زبان میں اس سے جناتری دیوداسی کے بارے میں پوچھا۔ اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا۔

"تمہیں جناتری سے کیا کام ہے؟"

میں نے کہا۔ "میں ملک بابل سے اس کی ایک سہیلی کا خاص پیغام لے کر آیا ہوں جو مجھے اسے پہنچانا ہے۔"

دیوداسی کہنے لگی۔ "کل پورن ماشی کی رات ہے۔ رات کو شیش ناگ دیوتا کی پوجا ہوگی اور جناتری رقص کرے گی۔ تم کل ہی اسے مل سکتے ہو۔ آج اسے کسی سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔"

میں نے رات ہڑپہ یا ہاراپا شہر کی ایک سرائے میں گزاری۔ دوسرا دن شہر کے بازاروں میں گھوم پھر کر گزار دیا۔ رات کو مندر میں خوب روشنی ہو رہی تھی۔ مشعلیں جل رہی تھیں۔ گھنٹیاں اور ڈھول بج رہے تھے۔ لوگ بڑی تعداد میں شیش ناگ کی پوجا کرنے چلے آ رہے تھے۔ میں بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ سونے کی چوکی بچھا دی گئی تھی۔ شاہی پجاری اشوک پڑھ رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ اشلوک پڑھتا رہا۔ پھر اچانک ایک جانب سے ایک کالا ناگ بڑی شان سے پھن اٹھائے سونے کے ایک بڑے پیالے میں سے نکل کر چوکی پر آ کر بیٹھ گیا۔ یہ شیش ناگ تھا۔ اس نے پھن اٹھا رکھا تھا۔ اس کے سر پر سفید اور سرخ رنگ کا ایک چھوٹا سا تاج تھا۔ سب لوگ شاہی پجاری سمیت اس کے آگے جھک گئے۔ پھر شاہی پجاری نے سونے کے پیالے میں دودھ ڈال کر شیش ناگ کو پیش کیا۔ سانپ نے پھن سکیڑ کر اپنا منہ پیالے میں ڈالا اور سارا دودھ پی گیا۔ دودھ پینے کے بعد اس نے دوبارہ پھن پھیلا دیا اور دو تین بار پھنکارا۔ اس کی پھنکار سن کر پجاری اور دوسرے لوگ نعرے لگانے لگے۔ ڈھول اور گھنٹیاں زور زور سے بجنے لگیں۔

چھ سات دیوداسیاں ایک طرف سے رقص کرتی ہوئی آئیں اور شیش ناگ کو

ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ڈھولک کی تھاپ پر رقص کرنے لگیں۔ دیر تک یہ رقص جاری رہا۔ جب رات ڈھلنے لگی تو ایک بہت خوبصورت نازک اندام دیوداسی' پھولوں کے گہنے پہنے' پاؤں میں گھنگھرو پہنے داخل ہوئی۔ اس نے شیش ناگ کے آگے ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا اور پھر شاہی پجاری کے آگے سر جھکایا اور رقص کرنے لگی۔

اب میں نے غور سے دیکھا تو اس کے جسم پر سوائے پھولوں کے گہنے کے کوئی لباس نہیں تھا۔ وہ پھولوں کے گہنے کے نیچے عریاں حالت میں تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ ہی جناتری دیوداسی ہے جس کی کھوج میں' میں وہاں آیا تھا۔ وہ رقص کرتی ہوئی بار بار شیش ناگ کے سامنے آتی اور کبھی سر جھکا دیتی اور کبھی فرش پر اوندھی لیٹ جاتی۔ یہ رقص کوئی آدھ گھنٹے تک جاری رہا۔ جناتری دیوداسی پسینے میں شرابور ہو گئی تھی۔ آخر رقص ختم ہو گیا اور جناتری شیش ناگ کو جھک کر پرنام کرتی الٹے قدموں واپس چلی گئی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ جناتری دیوداسی کے ساتھ دو اور دیوداسیاں بھی تھیں۔ ان میں وہ دیوداسی بھی تھی جو مجھے دن کے وقت مندر میں ملی تھی اور جس سے میں نے جناتری کا پتہ معلوم کیا تھا۔ جناتری دیوداسی ایک تنگ اور نیم روشن راہداری میں سے گزرتی ہوئی ایک کوٹھڑی میں چلی گئی۔ دونوں دیوداسیاں یہاں اس سے جدا ہو کر آگے چل دیں۔ میں ایک ستون کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا تھا۔ جب دونوں دیو داسیاں چلی گئیں تو میں نے جناتری کی کوٹھڑی کے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے جناتری نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

میں نے کہا۔ "میں بابل کے شہر سے تمہاری ایک خاص سہیلی کا پیغام لایا ہوں اور تم سے ملنے کا خواہشمند ہوں۔"

جناتری کی آواز آئی۔ "تھوڑا انتظار کرو۔"

میں سمجھ گیا کہ وہ کپڑے پہن رہی ہوگی۔ کچھ دیر کے بعد کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ سامنے جناتری دیوداسی کھڑی تھی۔ اس نے ساڑھی وغیرہ پہن لی تھی۔ اس کے ماتھے پر

ابھی تک پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے پوچھا۔ "میری تو کوئی سہیلی بابل میں نہیں ہے۔ تم کس کا پیغام لائے ہو؟"

میں نے کہا۔ "مجھے تمہاری سہیلی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ غیبی حالت میں مجھے ملی تھی اور اس نے میری جان بچائی تھی۔"

غیبی عورت کا سنتے ہی جناتری نے مجھے اندر بلا کر دروازہ بند کر دیا۔ یہ بڑی سجی ہوئی کوٹھڑی تھی۔ پلنگ پر ریشمی بستر بچھا تھا۔ دیوار پر مورتیاں کندہ تھیں۔ جب جناتری صرف پھولوں کے گہنے پہنے رقص کر رہی تھی تو مجھے ایسا لگا تھا کہ میں نے اس رقاصہ کو کہیں دیکھا ہے۔ لیکن یاد نہیں آ رہا تھا کہ اسے کہاں دیکھا ہے۔ اب جب وہ میرے سامنے موجود تھی تو اچانک مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اس دیوداسی کی مورتی دیکھی ہوئی ہے۔ ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے قدیم ترین شہروں کی کھدائی کے بعد وہاں سے ایک رقاصہ کی ورتی نکلی تھی جس کو موہنجوداڑو ہڑپہ کی ڈانسنگ گرل کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا۔ اس رقاصہ نے بھی صرف پھولوں کے گہنے پہن رکھے تھے۔ اس کی مورتی پاکستان کے عجائب گھر میں آج بھی موجود ہے۔ میں دنیا کا واحد فانی انسان تھا جو اس موہنجوداڑو کی رقاصہ مورتی کو زندہ حالت میں اپنے سامنے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

جناتری پلنگ پر بیٹھ گئی۔ میں اس کے قریب ہی ایک اونچی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جناتری دیوداسی نے مجھ سے پوچھا۔

"الکا تمہیں کہاں اور کس سلسلے میں ملی تھی؟"

میں نے اسے بتایا کہ کس طرح میں ایک مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ لوگ مجھے نینوا کی دیوی اشتر پر قربان کرنے والے تھے کہ عین وقت پر آ کر تمہاری سہیلی الکا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے غائب کر دیا اور پھر غیبی حالت میں ہی مجھے وہاں سے نکال کر لے گئی۔

"اگر تمہاری سہیلی اور میری محسنہ الکا اس وقت میری مدد کو نہ پہنچتی تو میرا زندہ بچنا محال تھا۔"

جناتری کہنے لگی۔ "تمہیں الکا نے بھیجا ہے۔ الکا میری سب سے عزیز سہیلی ہے۔ بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں؟"

میں نے بعض واقعات چھوڑ کر جناتری دیوداسی کو اپنی مختصر داستان سنا ڈالی۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ میں ساڑھے پانچ ہزار برس آگے کے زمانے سے آیا ہوں تو وہ حیرت زدہ ہو کر مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکنے لگی۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم مستقبل کے زمانے سے آئے ہو.... لیکن مجھے یقین کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر تم ہزاروں برس آگے کے زمانے سے نہ آئے ہوئے ہوتے تو میری سہیلی نہ تمہاری مدد کو پہنچتی اور نہ تمہیں میرے پاس تعویذ کا سراغ لگانے کے لیے بھیجتی۔"

میں نے کہا۔ "جناتری! میں نے تمہیں اپنی ساری داستانِ مصیبت سنا دی ہے۔ تم اچھی طرح سمجھ گئی ہوگی کہ اگر میرا تعویذ نہ ملا تو کاہن جادوگر کی بدروح مجھے اسی طرح رلا رلا کر مار دے گی۔"

جناتری نے کہا۔ "میں کوشش کروں گی کہ تمہارے تعویذ کا سراغ لگا سکوں۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ کاہن جادوگر قابوس اس وقت کی دنیا کا سب سے بڑا اور خطرناک جادوگر تھا۔ اگرچہ وہ مر چکا ہے لیکن اس کی بدروح تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑے گی جب تک تم سے اپنی شکست کا بدلہ نہیں لے لیتی۔"

میں نے کہا۔ "اسی لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں کہ میرا تعویذ ڈھونڈنے میں میری مدد کرو۔ ایک بار مجھے میرا تعویذ مل گیا تو نہ صرف یہ کہ میں جادوگر کاہن کی بدروح کے خونی انتقام سے بچ جاؤں گا بلکہ مجھے پوری امید ہے کہ میں اپنی دنیا میں واپس بھی چلا جاؤں گا۔"

جناتری کہنے لگی۔ "اس کے لیے مجھے سوتر کانڈ کرنا پڑے گا۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

وہ بولی۔ "یہ ایک قسم کا چلہ ہے۔ میں رات کے وقت یہ چلہ کروں گی۔ تم میرے پاس رہو گے۔ مجھے یقین ہے کہ چلے کا منتر مجھے ضرور بتا دے گا کہ تمہارا تعویذ

کس جگہ پر ہے اور کس کے پاس ہے۔ اب تم سرائے میں جا کر آرام کرو۔ میں بھی تھک گئی ہوں۔ کل رات کے پورے دس بجے میری کوٹھڑی میں آ جانا۔"

میں پرنام کر کے واپس سرائے میں آ گیا۔ دوسرے دن رات کے ٹھیک دس بجے میں جناتری دیوداسی کی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔ خاص انداز میں دروازے پر دستک دی۔ جناتری نے دروازہ کھول کر مجھے اندر آ جانے کا اشارہ کیا اور دروازہ بند کر کے اس کی چٹخنی لگا دی۔ وہ چلہ کرنے کی پوری تیاری کر چکی تھی۔ اس نے شیش ناگ کی پوجا والی رات کی طرح اپنے جسم پر صرف پھولوں کے گہنے پہن رکھے تھے۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ کوٹھڑی میں ایک چوکی پر دو چراغ جل رہے تھے۔ چراغوں کے آگے ایک اور چوکی پڑی تھی جس پر لکڑی کی ایک تختی اور اس زمانے کا سیاہ رنگ کا ایک چاک رکھا ہوا تھا جس سے بچے اسکول میں تختی پر لکھا کرتے تھے۔ جناتری نے مجھے اپنے قریب ہی دوسری چوکی پر بٹھا دیا۔ خود بھی چراغوں کے بالکل سامنے چوکی پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ "میں مہابلی ناگ کا چلہ کرنے لگی ہوں۔ یہ خطرناک چلہ ہوتا ہے۔ جب تک میں خود تمہیں نہ بلاؤں' مجھے مت بلانا۔ اگر چلہ کرتے ہوئے تم نے مجھے بلا لیا تو میری جان چلی جائے گی۔"

میں نے کہا۔ "چاہے کچھ ہو جائے جب تم چلہ کر رہی ہو گی تو میں تمہیں بالکل نہیں بلاؤں گا۔ اسی طرح خاموش بیٹھا رہوں گا۔ جب تک تم نہ بلاؤ گی میں کوئی بات نہیں کروں گا۔"

جناتری نے چاندی کی طشتری میں رکھا ہوا لوبان جلا دیا۔ لوبان میں سے گاڑھا دھواں نکلنا شروع ہو گیا۔ لوبان کی بو ساری کوٹھڑی میں پھیل گئی۔ جناتری نے آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔ میں اپنی جگہ پر ساکت ہو کر بیٹھا رہا۔ کافی دیر تک وہ اشلوک پڑھتی رہی۔ پھر اس نے آنکھیں کھول کر دونوں بازو جلتے ہوئے لوبان کے دھوئیں کی طرف بڑھائے۔ دھوئیں کے اوپر ہاتھ پھیر کر اپنے جسم پر ہاتھ پھیرا اور دوبارہ آنکھیں بند کر کے اشلوک پڑھنے لگی۔ جب دوسری بار

اشلوک کا پاٹھ ختم ہو گیا تو جناتری نے سیاہ چاک تختی کے اوپر رکھ دیا۔ تختی پر اس وقت کچھ نہیں لکھا ہوا تھا۔ اشلوک پاٹھ کا تیسرا دور شروع ہو گیا۔ پہلے وہ ذرا بلند آواز میں اشلوک پڑھ رہی تھی۔ پھر اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی آواز غائب ہو گئی۔

تب اس نے نظریں اٹھا کر جلتے ہوئے چراغوں کی لو کو غور سے دیکھا اور بولی۔ "اے مہابلی ناگ! میں تمہاری داسی ہوں۔ میں نے تمہارا چلہ پورا کر دیا۔ اب میرے دل کی مراد پوری کر اور مجھے بتا کہ وہ پوتر تعویذ کس جگہ پر ہے' کس کے پاس ہے جس کی خاطر میں نے تمہارا چلہ کاٹا ہے۔"

میں حیران تھا کہ یہاں تو کوئی مہابلی ناگ نہیں ہے۔ پھر اسے کون آ کر بتائے گا کہ میرا تعویذ کہاں ہے۔ جناتری بالکل بت بنی ہوئی کسی مورتی کی طرح چوکی پر بیٹھی تھی۔ اب اس کی نظریں سامنے والی چوکی پر رکھی ہوئی تختی پر جمی ہوئی تھیں۔ میں بھی تختی کو دیکھ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید اس تختی پر پردۂ غیب سے کوئی طلسمی سانپ نمودار ہو گا اور سانپوں کی زبان میں جناتری کو میرے تعویذ کے بارے میں کچھ بتائے گا۔ لیکن وہاں سانپ نمودار ہونے کی بجائے ایک اور ہی طلسمی کرشمہ رونما ہوا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ چاک اپنے آپ اوپر کو اٹھا اور اس نے تختی پر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ چراغوں کی روشنی میں مجھے یہ سب کچھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں حیرت زدہ ہو کر چاک کو تختی پر کوئی تحریر لکھتے دیکھ رہا تھا۔ چاک بالکل اس طرح لکھ رہا تھا جس طرح کوئی انسان لکھتا ہے۔ میری نظریں تختی پر لکھی جا رہی تحریر پر تھیں۔ یہ درواڑی زبان کی تحریر نہیں تھی۔ دراوڑی زبان کی تحریر کو میں نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ اس کو سمجھتا بھی تھا۔ یہ کسی اور ہی زبان کی تحریر تھی۔

کوئی غیبی ہاتھ چاک سے تختی پر بائیں سے دائیں جانب چھوٹی چھوٹی بالکل سیدھی لکیریں ڈال رہا تھا۔ کسی وقت لکیر کی بجائے غیبی ہاتھ ایک صفر بھی ڈال دیتا تھا۔ جناتری بھی پورے انہماک کے ساتھ غیبی ہاتھ کو یہ عجیب و غریب تحریر لکھتے دیکھ رہی

تھی۔ جب آدھی تختی پر تحریر لکھی جا چکی تو چاک اپنے آپ نیچے گر پڑا۔

جناتری نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ایک اشلوک پڑھا اور کہا۔ "بل بل جاؤں میں مہابلی ناگ کے۔ تو نے میرے چلے کی لاج رکھ لی۔ میں جنم جنم کی تمہاری داسی ہوں۔"

یہ کہہ کر جناتری دیوی نے سلگتے ہوئے لوبان کے اوپر الٹا پیالہ رکھ دیا۔ میری طرف دیکھا اور بولی۔ "مہابلی ناگ نے وہ راز اس تختی پر لکھ دیا ہے جس کو حل کرنے میری سہیلی الکا نے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔"

اس نے تختی اٹھائی اور کہا۔ "یہ۔ یہ سات دھرتیوں کے نیچے رہنے والے سانپوں، جن بھوتوں اور بدروحوں کی زبان ہے۔ اس کو صرف میں ہی پڑھ سکتی ہوں۔ سنو! میں تمہیں بتاتی ہوں مہابلی ناگ نے کیا لکھا ہے۔"

میں بڑے اشتیاق سے جناتری دیوداسی کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا اور اب اپنے تعویذ کے بارے میں لکھی ہوئی عجیب و غریب تحریر کا مفہوم معلوم کرنے کو بے تاب تھا۔

جناتری دیوداسی تختی پر لکھی ہوئی تحریر پڑھنے لگی۔ "مہابلی ناگ نے لکھا ہے' میں مہابلی ناگ! زمین کے نیچے کی سات جنمی مخلوق کا سردار یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ جناتری! تم نے مجھ سے ایک ایسے تعویذ کے بارے میں پوچھا ہے جسے زمین کے نیچے رہنے والی کاہن قابوس کی بدروح نے اپنی ایک بدروح کو بھیج کر اڑا لیا تھا۔ اس نے یہ تعویذ سمندر پار لکش دیپ کے اگنی جادوگر وردھانا کے حوالے کر دیا تاکہ یہ تعویذ اس کے مالک سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جائے۔ جادوگر وردھانا نے اس تعویذ کو سراندیپ کے سانپوں کے جزیرے کی زندہ بدروح کے حوالے کر دیا جس نے اس تعویذ کو اپنے پالتو سانپ کی گردن میں ڈال رکھا ہے۔ یہ پالتو سانپ زندہ بدروح کی گردن سے ہر وقت چمٹا رہتا ہے۔ بس یہ ہے وہ راز جو تم نے مجھ سے پوچھا تھا اور جسے کھول کر میں نے بیان کر دیا ہے۔"

یہ تھی تختی پر لکھی ہوئی زمین کی گہرائیوں میں رہنے والے سانپوں اور بدروحوں کی زبان کی تحریر۔ جناتری دیوداسی نے تختی ایک طرف رکھ دی اور کہا۔ "تم نے میری سہیلی الکا کے حوالے سے مجھ سے جو راز معلوم کرنا چاہا تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔

اب اگر تم اپنا تعویذ حاصل کرنا چاہتے ہو تو یہاں سے سمندر پار لکش دیپ کے جزیرے میں جاؤ گے جہاں اگنی جادوگر وردھانا کی حکومت ہے اور جہاں کے وحشی آدم خور ہیں۔ لکش دیپ کے جزیرے سے تم سمندر میں ایک دن ایک رات کا سفر طے کر کے سراندیپ کے جزیرے میں جاؤ گے۔ جہاں زندہ بدروح راج کرتی ہے اور جس نے تمہارا تعویذ اپنے پالتو سانپ کی گردن میں ڈال رکھا ہے اور یہ سانپ زندہ بدروح کے جسم سے کسی وقت بھی الگ نہیں ہوتا۔"

جناتری دیوداسی مجھے ایک ایسی مہم پر جانے کے لیے تیار کر رہی تھی جو انتہائی خطرناک اور دشوار ہونے کے علاوہ اس کی کامیابی کا امکان بہت کم تھا۔ لیکن مجھے ہر حالت میں اس مہم پر روانہ ہونا تھا۔ جس تعویذ کو حاصل کرنے کے لیے میں جا رہا تھا وہ میری زندگی کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بغیر نہ میری زندگی محفوظ تھی اور نہ میں ساڑھے پانچ ہزار سال پرانے وحشی دور سے نکل کر اپنے زمانے کے اپنے وطن پاکستان جا سکتا تھا۔ آپ جو میری داستان سن رہے ہیں آپ کو بھی بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ تعویذ میرے لئے کس قدر اہمیت اختیار کر چکا تھا۔

میں نے جناتری دیوی سے پوچھا۔ "جناتری! تم یہاں کی رہنے والی ہو۔ مجھے بتاؤ کہ لکش دیپ جانے والا سمندری جہاز مجھے کہاں سے ملے گا؟"

جناتری نے کہا۔ "یہ بڑا لمبا سفر ہے۔ تمہیں سب سے پہلے وندھیا چل کے جنگلوں سے گزر کر کرشنا، نربدا اور کاویری دریاؤں کو عبور کر کے اس ملک کی جنوبی تکون کی بندرگاہ دھنش پورم پہنچنا ہو گا۔ وہاں سے تم لکش دیپ کے جزیرے تک کسی سمندری جہاز میں سفر کرو گے۔ لکش دیپ سے آگے تمہیں سانپوں کے جزیرے سراندیپ تک اکیلے سمندر میں سفر کرنا پڑے گا کیونکہ سراندیپ کے سانپوں اور بدروحوں کے جزیرے میں موت کے خوف سے کوئی باہر کا آدمی نہیں جاتا۔ اس خوفناک جزیرے کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ اگر وہاں کوئی انسان جائے گا تو یا تو جزیرے کے سانپ اس کی تکابوٹی کر دیں گے۔ اگر سانپوں سے بچ گیا تو جزیرے کے آدم خور وحشی اسے ہڑپ کر جائیں

گے۔"

جیسے جیسے جناتری مجھے مہم کی تفصیل بتا رہی تھی مجھ پر خوف طاری ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن اس مہم کی کامیابی میں میری زندگی کا راز پوشیدہ تھا۔ مجھے ہر حالت میں اس مہم پر روانہ ہونا تھا اور اسے کامیاب بنانا تھا' خواہ میں اسے پسند کروں یا نہ کروں۔ میں نے جناتری دیوداسی سے کہا۔ "جناتری! میں تمہارا بڑا شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے یہ ساری باتیں بتائیں جو سوائے تمہارے اور کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔ لیکن جیسا کہ تم جانتی ہو کہ میں ایک عام انسان ہوں۔ مجھے کوئی ایسا منتر بھی نہیں آتا کہ جس کو پڑھ کر میں اس خطرناک سفر میں حملہ کرنے والی بلاؤں سے اپنے آپ کو بچا سکوں۔"

جناتری دیوداسی نے کہا۔ "مَیں تمہارے گلے میں ایک مہرہ ڈال دوں گی۔ جب تک یہ مہرہ تمہاری گردن میں پڑا رہے گا تم پر کسی زہریلے سے زہریلے سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہو گا لیکن سانپوں کے جزیرے کے آدم خور وحشیوں سے تمہیں خود اپنے آپ کو بچانا ہو گا۔ ان سے میں تمہیں نہیں بچا سکتی۔"

جناتری نے لوہے کی صندوقچی میں سے ایک سیاہ دھاگے کے درمیان بندھا ہوا سیاہ رنگ کا مونگ پھلی کے دانے جتنا مہرہ نکالا اور کہا۔ "یہ کجلی ناگن کا مہرہ ہے۔ اس مہرے کی بو پا کر کوئی سانپ تمہارے پاس آنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اگر فرض کر لیا کہ کوئی سانپ تمہیں ڈس بھی لے گا تو اس کے زہر کا تم پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ میرے قریب آ جاؤ۔"

میں اس کے قریب ہو گیا۔ جناتری دیوداسی نے کجلی ناگن کا مہرہ میرے گلے میں ڈال کر اس کا دھاگہ اچھی طرح سے باندھ دیا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا یہاں سے ملک کی جنوبی تکون والی بندرگاہ دھنش پورم تک کوئی قافلہ بھی جاتا ہے؟"

جناتری بولی۔ "ہر پندرہ دنوں کے بعد اس شہر کی جنوبی سرائے میں سے ایک قافلہ جنوبی تکون کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ تم اس قافلے کے ساتھ سفر کرو گے۔"

میں جناتری دیوی کا شکریہ ادا کر کے اپنی سرائے میں واپس چلا آیا۔ اس وقت رات کافی گزر چکی تھی۔ دیر تک بستر پر لیٹا اپنی شروع ہونے والی خطرناک مہم کے نشیب و فراز پر غور کرتا رہا اور پریشان ہوتا رہا۔ یہ مہم واقعی مجھے پریشان کر دینے والی مہم تھی۔ مگر اس مہم پر نکلنا اور اسے کامیاب بنانا میری زندگی کی سب سے بڑی ضرورت اور سب سے بڑی مجبوری بن چکی تھی۔ میں ہاراپا شہر کی شمالی سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جبکہ جنوب کی طرف قافلے شہر کی جنوبی سرائے میں سے جاتے تھے۔ صبح اٹھ کر میں جنوبی سرائے میں گیا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ چھ دنوں کے بعد قافلہ دھنش پورم کو روانہ ہو گا۔

جنوبی سرائے کے مالک کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قافلے کا کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ اپنی منزل پر کب پہنچے گا کیونکہ راستے میں قافلے پر ڈاکو حملہ کرتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے قافلے کا راستہ اکثر تبدیل کرنا پڑ جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ قافلہ جن جنگلوں میں سے ہو کر گزرتا ہے وہ سانپوں' بچھوؤں اور چھپکلی سے زیادہ موٹی جونکوں والے تالابوں اور خونخوار درندوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اگرچہ قافلہ ایک طے شدہ راستے پر سے گزرتا ہے اور قافلے کی حفاظت کرنے والے ساتھ ہوتے ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی آدم خور شیر حملہ کر دے تو وہ ایک آدھ مسافر کو ضرور اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اس نے بتایا کہ اگر قافلہ اپنے مقررہ راستے پر سفر کرتا رہے تو ایک مہینے میں دھنش پورم کی بندرگاہ پر پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اپنی تقدیر پر رونا آ گیا۔ کہاں میں اس دور میں رہتا تھا کہ جہاں جیٹ ہوائی جہاز چند گھنٹوں میں دنیا کے ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچا دیتے تھے اور سفر میں ائر ہوسٹس مسافروں کو اعلیٰ قسم کے مشروبات اور کھانے دیتی تھیں اور کہاں اب مجھے ڈاکوؤں' درندوں اور جونکوں سے بھرے ہوئے تاریک جنگلوں میں ایک مہینے کا پیدل سفر طے کرنا پڑ رہا تھا۔

اس سارے علاقے میں چاندی اور سونے کے چھوٹے اور قیمتی سکے چلتے تھے۔ میں نے دو ہیرے بیچ کر اس کے عوض سونے چاندی کے کافی سکے حاصل کر کے انہیں ایک تھیلی میں بند کر کے اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ نئے کپڑے اور نئے جوتے بھی خرید کر پہن لئے تھے۔ لمبے کرتے کی جیب میں تھوڑے سے فالتو سونے چاندی کے سکے

بھی رکھ لئے تھے۔ خرچ کی مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ صرف دو باتوں کی فکر تھی۔ ایک تو یہ کہ خدا مجھے میری منزل تک خیریت سے پہنچا دے۔ دوسری یہ فکر دامن گیر تھی کہ اس بے یار و مددگار تکلیف دہ سفر میں کاہن جادوگر کی بدروح نے حملہ کر دیا تو میں کس طرح اپنا بچاؤ کروں گا۔ ابھی تک تو میں اپنے دشمن جادوگر کی بدروح سے بچا ہوا تھا۔ شاید اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ مجھے اہرام مصر میں فرعون کے تابوت کے ساتھ دفن کر کے میری طرف سے مطمئن ہو گیا ہو کہ اس نے مجھ سے اپنا انتقام لے لیا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے اسے یہ پتہ چل گیا کہ میں اہرام سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوں تو وہ ضرور میرا کھوج لگا لے گا اور مجھ کو اپنے انتقام کا نشانہ بنائے گا۔ بس ایک اللہ کا بھروسہ ہی تھا جو مجھے اس مہم پر لئے جا رہا تھا۔ پانچ دن ہڑپہ شہر کی سرائے میں چھپ کر میں نے گزار دیئے۔ جادوگر کی بدروح کے خوف سے اب میں سرائے سے زیادہ باہر نہیں نکلتا تھا۔

چھٹے روز سرائے میں ایک قافلہ تیار ہونے لگا۔

اس قافلے میں گھوڑے اور خچر شامل تھے۔ ڈیڑھ دو سو آدمیوں کا قافلہ تھا۔ دس بارہ خچروں پر مسافروں کا سامان لدا ہوا تھا۔

میں نے اپنے لئے ایک الگ گھوڑا لے لیا تھا۔ قافلے کے ساتھ پندرہ بیس محافظ بھی سفر کر رہے تھے جن کے پاس تلواریں' بھالے اور تیر کمان تھے۔ اس زمانے کا یہی اسلحہ تھا۔ کھانے پینے کا خشک سامان بھی ساتھ تھا۔ دن کے ابتدائی حصے میں یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ اس طویل اور دشوار گزار سفر میں کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں یہ ایک الگ طویل داستان ہے لیکن میں اسے بیان کرنے کی یہاں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ میں قافلے والے کے ساتھ کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا اس زمانے کے ہندوستان کی جنوبی تکون کی بندرگاہ دھنش پورم پہنچ گیا۔ یہاں سے ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو گیا جو لنکش دیپ کے جزیروں کی طرف جا رہا تھا۔ یہ بھی ایک خطرناک طویل سمندری سفر تھا۔ اس زمانے میں بادبانی جہاز بڑے چھوٹے ہوا کرتے تھے۔ یہ جہاز ہواؤں کے رحم و کرم پر چلتے تھے۔ سمندر میں اگر اچانک ہوا بند ہو جاتی تو یہ جہاز بھی سمندر میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ ہوا اگر تین دن تک نہیں چلتی تھی تو جہاز بھی سمندر میں کھڑا ڈولتا رہتا تھا۔ سمندر میں طوفان آ جاتا تو بادبانی جہاز کا پھر اللہ ہی حافظ ہوتا تھا۔ طوفان میں اکثر بادبانی جہاز مسافروں سمیت غرق ہو جاتے تھے۔

ہم جس جہاز پر سوار ہوئے تھے وہ بھی بادبانی اور چھوٹا جہاز تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ ایک بہت بڑی کشتی پر بادبان لگا دیئے گئے تھے۔ خوش قسمتی سے وہ موسم سمندری طوفانوں اور زیادہ بارشوں کا نہیں تھا جس کی وجہ سے جہاز سمندر میں ڈولتا تو بہت زیادہ رہا لیکن کسی سمندری طوفان کی زد میں نہیں آیا۔ یہ بھی میری خوش قسمتی ہی تھی کہ ابھی تک میرے دشمن کاہن جادوگر کی بدروح نے مجھ پر کوئی وار نہیں کیا تھا۔ میں اس کے انتقامی حملوں سے ابھی تک محفوظ تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ جیسے ہی اسے میرے فرار کا علم ہوا وہ مجھ پر ضرور وار کرے گا۔

لنکش دیپ کے جزیرے ہندوستان کے جنوب میں کافی فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ بے شمار جزیرے ہیں۔ آج کل تو یہ سارے کے سارے جزیرے آباد ہیں اور یہاں جمہوری حکومت قائم ہے اور سیاحوں کے واسطے جدید قسم کے ہوٹل بنے ہوئے ہیں۔ لیکن آج سے ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے ان جزیروں کے نام سے بھی بہت کم لوگ واقف تھے۔ یہ سارے دور افتادہ جزیرے ویران تھے اور یہاں وحشی قسم کے جنگلی آباد تھے۔ ان میں سے بعض جزیروں پر آدم خور جنگلی بھی رہتے تھے۔ کوئی قسمت کا مارا اس طرف جا نکلتا تھا تو جنگلی لوگ اسے پکڑ کر کھا جاتے تھے۔ چار دن کے سفر کے بعد ہمارا جہاز لنکش دیپ کے سب سے بڑے جزیرے کے ساتھ جا کر لگ گیا۔ یہ وہی جزیرہ تھا جہاں وردھانا جادوگر کا قبیلہ حکومت کرتا تھا۔ جناتری دیوداسی نے بتایا تھا کہ اس جزیرے پر آدم خور جنگلی بھی رہتے ہیں۔ اس نے مجھے جزیرے کے اندر جنگل میں جانے سے منع کیا تھا۔ چنانچہ میں لنکش دیپ جزیرے کی بندرگاہ پر ہی رہا۔ یہاں سے مجھے آگے سراندیپ کے جزیرے پر جانا تھا اور اکیلے ہی کسی کشتی میں سمندر کا سفر کرنا تھا۔ بندرگاہ چھوٹی سی تھی۔ ایک ویران سا بازار تھا جہاں دونوں جانب جھونپڑا نما دکانیں تھیں۔ بندرگاہ میں ہی ایک

گندی اور بوسیدہ سی سرائے تھی۔ میں وہیں ٹھہر گیا تھا۔ مجھے کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو مجھے سراندیپ کے سانپوں کے جزیرے کے بارے میں بتائے کہ وہ وہاں سے کتنے فاصلے پر ہے اور مجھے کوئی ایسا ملاح کہاں سے ملے گا جو مجھے اس جزیرے تک پہنچا دے۔

جناتری نے کہا تھا کہ سراندیپ کے بارے میں سب کو پتہ ہے کہ وہاں سانپوں اور بدروحوں کی حکمرانی ہے' اس لئے اس طرف کوئی ملاح کشتی لے کر جانے کی ہمت نہیں کرتا۔ سب اس جزیرے کی طرف جانے سے گھبراتے ہیں۔ کافی تلاش کے بعد آخر ایک مانجھی پیسے کے لالچ میں مجھے سراندیپ کے جزیرے تک لے جانے پر راضی ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ ہم منہ اندھیرے لکش دیپ سے چلیں گے اور اگر موسم ٹھیک رہا تو شام ہونے سے پہلے پہلے سراندیپ کے ساحل پر پہنچ جائیں گے۔ اس نے مجھے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مجھے جزیرے کے ساحل پر پہنچا کر فوراً واپس آ جائے گا۔ اس کی کشتی زیادہ بڑی نہیں تھی مگر یہ ملاح یا مانجھی بڑا صحت مند بھی تھا اور تجربے کار بھی تھا۔

ہم منہ اندھیرے لکش دیپ کے ساحل سے چلے۔ مانجھی کشتی کو ساحل کی طرف آنے والی بڑی بڑی موجوں کے اوپر چلاتا بڑی مہارت سے کھلے سمندر میں لے آیا۔ کشتی میں صرف ایک بادبان تھا۔ ہوا موافق چل رہی تھی۔ اگرچہ آسمان پر ابر چھایا ہوا تھا مگر بارش بھی نہیں ہو رہی تھی اور ہوا بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ سارا دن ہماری کشتی کھلے سمندر میں ڈولتی ہوئی سفر کرتی رہی۔ سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا کہ دور سے پہاڑیوں کے خاکے ابھرنا شروع ہو گئے۔ مانجھی نے بتایا کہ یہ سراندیپ کی پہاڑیاں ہیں۔ اس نے بادبان کا رخ موڑ کر کشتی کو سراندیپ کی طرف ڈال دیا۔

مانجھی نے پہلی بار مجھ سے پوچھا کہ میں اس آسیب زدہ موت کے جزیرے پر کیا لینے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا۔ "میں سانپ کے کاٹے کی ایک دوائی تیار کر رہا ہوں' اس کے لیے مجھے اس جزیرے کے کچھ زہریلے سانپوں کے زہر کی ضرورت ہے۔ میں ان سانپوں کو پکڑنے جا رہا ہوں۔"

مانجھی کو میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ کہنے لگا۔ "لوگ کہتے ہیں کہ سراندیپ

کے جزیرے میں ایک بدروح راج کرتی ہے جو سانپوں کی چڑیل ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔ وہ بڑی دور سے انسانوں کی بو سونگھ لیتی ہے پھر وہ اپنے سانپوں کی مدد سے اس آدمی کو اپنے قبضے میں کرتی ہے اور اسے زندہ بھون کر آدھا خود کھا جاتی ہے اور آدھا سانپوں کو ڈال دیتی ہے۔"

اگرچہ یہ افسانوی روایات تھیں لیکن ان میں کچھ نہ کچھ حقیقت بھی تھی۔ زندہ بدروح کے بارے میں تو جناتری دیوداسی نے مجھے خبردار کیا تھا کہ جزیرے پر اس کی اور اس کے سانپوں کی حکومت ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا اور سوچ سمجھ کر اس پر ہاتھ ڈالنا۔ مجھے تو اسی زندہ بدروح کو قابو کر کے اس کی گردن میں چمٹے ہوئے سانپ کے گلے سے اپنا تعویذ اتارنا تھا۔ یہی میری مہم کا اصل مقصد تھا۔ میرے پاس کوئی طلسمی طاقت نہیں تھی۔ صرف جناتری کا دیا ہو کپلی ناگن کا مہرہ میرے گلے میں ضرور تھا جس نے مجھے جزیرے کے سانپوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ جناتری نے یہ بھی کہا تھا کہ جزیرے کے اندر جنگل میں کچھ وحشی لوگ بھی رہتے ہیں جو آدم خور ہیں۔ کوئی آدمی وہاں چلا جائے تو یہ آدم خور اسے کھا جاتے ہیں۔ مجھے ان آدم خور جنگلیوں سے بھی بچنا تھا اور کاہن جادوگر کے انتقامی وار سے بھی اپنے آپ کو بچانا تھا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ ہماری کشتی سراندیپ جزیرے کے ساحل پر پہنچ گئی۔ مانجھی نے مجھے سمندر کے گھٹنے گھٹنے پانی میں ہی اتار دیا اور فوراً کشتی کو موڑ کر واپس چلا گیا۔ میں ساحل پر تنہا کھڑا جزیرے کے دور نظر آنے والے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ سمندر کا ساحل دور تک ویران ویران تھا۔ کوئی پرندہ تک نہیں بول رہا تھا۔ یہ جزیرہ واقعی چڑیلوں اور بھوتوں کا جزیرہ لگتا تھا۔ نہ کوئی آدم تھا' نہ آدم زاد۔ پرندہ تک نظر نہیں آتا تھا۔ میں ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ساحل آگے جا کر ایک طرف کو گھوم گیا تھا۔ میں ادھر کو ہی مڑ گیا۔ میرے سامنے جزیرے کا دوسرا ساحل تھا۔ یہ ساحل بھی پہلے ساحل کی طرح ویران تھا۔ سمندر کی لمبی لمبی لہریں دور دور سے آتی تھیں اور ساحل کی ریت پر پھسل کر واپس چلی جاتی تھیں۔ جزیرے کے درخت ساحل سے کافی ہٹ کر تھے۔ یہ گھنے درختوں کی ایک اونچی دیوار سی تھی جو جزیرے کے

اردگرد کھڑی تھی۔ سورج سمندر پر کافی نیچے آگیا تھا اور اس کی ارغوانی کرنیں درختوں پر پڑ رہی تھیں۔

میں بے حد احتیاط کے ساتھ چل رہا تھا۔ مجھے زندہ بدروح اور جزیرے کے آدم خور وحشیوں کا خطرہ تھا۔ میں نے چلتے چلتے جزیرے کا پورا چکر لگالیا اور پھر اسی جگہ آ گیا جہاں سے میں چلا تھا۔ جزیرے میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ میں حیران تھا کہ درختوں پر تو شام کے وقت پرندے بسیرا لینے آتے ہیں اور ان کا بڑا شور ہوتا ہے لیکن اس آسیبی جزیرے کے درختوں پر جیسے موت کا سکوت طاری تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ پرندے بھی اس آسیبی جزیرے کی طرف آتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔ سورج غروب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی جزیرے کے درختوں پر اندھیرا گہرا ہونے لگا۔ رات آ رہی تھی۔ مجھے رات کا اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے اپنے لئے کوئی ایسا ٹھکانہ تلاش کرنا تھا جہاں میں چھپ کر رات بسر کرسکوں۔ جزیرے کے درختوں کی طرف جاتے ہوئے میں گھبراتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آدم خوروں کے کے قابو آ جاؤں یا زندہ بدروح مجھے چمٹ جائے۔ لیکن ان درختوں کے سوا وہاں کوئی ایسی جگہ دکھائی نہیں دیتی تھی جہاں میں اپنے آپ کو چھپا سکتا۔ جب اندھیرا ذرا گہرا ہوگیا تو میں درختوں کی دیوار کی طرف بڑھا۔

درخت اتنے گھنے اور ساتھ ساتھ کھڑے تھے کہ ان میں سے گزرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پھر بھی میں نے ذرا سا آگے جا کر ایک درخت تلاش کر لیا جو مجھے رات کی رات پناہ دے سکتا تھا۔ اس کی شاخیں زمین سے پانچ چھ فٹ اونچی تھیں اور ان کے اوپر بیٹھنے کی بڑی مناسب جگہ تھی۔ میں درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اہرام مصر میں بند ہونے سے ذرا پہلے میرا بھوک اور پیاس کا احساس کم ہوتے ہوتے جیسے بالکل ختم ہو گیا تھا۔ نہ مجھے پیاس لگتی تھی' نہ بھوک محسوس ہوتی تھی۔ رات کو نیند کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس کے باوجود میں اپنے اندر ذرا سی بھی کمزوری محسوس نہیں کر رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے خوب کھانے پینے 'گہری نیند لینے کے بعد ابھی ابھی بیدار ہوا ہوں۔ یہ ایک عجیب و غریب جسمانی انقلاب تھا جو ساڑھے پانچ ہزار سال

پیچھے کے زمانے میں آنے کے بعد رونما ہوا تھا۔ اس سے مجھے ایک طرح سے فائدہ ہی ہوا تھا کہ میں پانی اور اناج کی تلاش سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ جزیرے پر رات آہستہ آہستہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ رات کے گہرا ہونے کے ساتھ ہی جزیرے کی ساکت فضا پر چھائی ہوئی خاموشی بہت ڈراؤنی ہو گئی تھی۔

میں درخت کے ایک ایسے بڑے ٹہن پر بیٹھا تھا جس میں سے تین موٹی موٹی ٹہنیاں نکلی ہوئی تھیں۔ عجیب بات ہے کہ سمندر کی طرف سے لہروں کی جو دھیمی دھیمی آواز دن کے وقت آ رہی تھی اب وہ بھی نہیں آ رہی تھی۔ واقعی یہ کوئی طلسمی جزیرہ تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں زندہ بدروح کو کہاں اور کیسے تلاش کروں گا۔ کیونکہ میرا تعویذ جس کی تلاش مجھے اس خطرناک جگہ پر لے آئی تھی اسی زندہ بدروح کے قبضے میں تھا جس نے اسے اپنے پالتو سانپ کی گردن میں ڈال رکھا تھا اور یہ سانپ زندہ بدروح کے جسم سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتا تھا۔ جناتری دیوداسی نے مجھے یہی کچھ بتایا تھا۔ رات میرے خیال میں آدھی گزر چکی تھی کہ مجھے بہت سے سانپوں کی پھنکاروں کی مدھم آوازیں آئیں۔ میں سویا ہوا نہیں تھا' جاگ رہا تھا۔ میں نے اندھیرے میں اپنی گردن پر ہاتھ لے جا کر کجلی ناگن کے مہرے کو ٹٹولا۔ مہرہ میری گردن میں ہی تھا۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ اگر اس مہرے میں کوئی تاثیر ہے تو کوئی بھی سانپ میرے قریب نہیں آئے گا۔

سانپوں کی پھنکاروں کی آواز قریب آتی جا رہی تھیں۔ وہ میری طرف آ رہی تھیں۔ میں نظریں نیچی کر کے اندھیرے میں دیکھنے لگا کہ کہیں یہ سانپ میرے درخت کے پاس تو نہیں آ گئے۔ مجھے اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا۔ پھنکاروں کی آواز اچانک بند ہو گئی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد مجھے درخت کے نیچے نصف دائرے کی شکل میں سرخ نقطے چمکتے نظر آئے۔ ان میں سے سرخ کرنیں نکل رہی تھیں۔ میں ایک دم لرز گیا۔ روشنی کے یہ سرخ نقطے سانپوں کی آنکھیں تھیں جو مسلسل مجھے گھور رہی تھیں۔ اچانک پھنکاروں کی آوازیں دوبارہ بلند ہونے لگیں۔ سانپ جو تعداد میں خدا جانے کتنے تھے میرے درخت کے نیچے پھنکار رہے تھے۔ پھر انہوں نے درخت کے گرد چکر لگانے شروع

کر دیئے۔ روشنی کے نقطے درخت کے اردگرد گردش کر رہے تھے۔ یہ سانپ ہی ہو سکتے تھے۔ میں نے اندھیرے میں اور غور سے دیکھا تو مجھے کتنے ہی سانپ حرکت کرتے نظر آئے جو زمین سے دو دو تین تین فٹ اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ ساری رات یہ سانپ درخت کے اردگرد چکر لگاتے رہے۔ ان کی پھنکاریں روح پر لرزہ طاری کر رہی تھیں۔ جب سورج نکلا اور درختوں کے نیچے دن کی روشنی پھیلی تو وہاں کوئی سانپ نہیں تھا۔ میں دیر تک درخت پر ہی بیٹھا رہا۔

آخر ہمت کر کے اترا اور ساحل سمندر تک آگیا۔ یہ جزیرے کا جنوبی ساحل تھا۔ اس وقت آسمان پر بادل جمع ہونا شروع ہو گئے تھے اور سمندر کی طرف سے بڑی تیز ہوا چل رہی تھی۔ مجھے جس زندہ بدروح کی تلاش تھی اس کا ابھی تک کہیں کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ کچھ وقت میں سمندر کے ساحل پر پھرتا اور سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کالی ناگن کے مہرے کو میں نے آزما لیا تھا۔ اس کی وجہ سے سانپوں کو درخت پر چڑھ کر ڈسنے اور میری تکابوٹی کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی مگر مجھے اپنے تعویذ کی تلاش تھی۔ میں اسی کو حاصل کرنے کے واسطے اس موت کے جزیرے پر آیا تھا۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ زندہ بدروح کے گلے میں لپٹے ہوئے سانپ تک کسی طرح پہنچا جائے۔ ایک جگہ ناریل کے درخت کے نیچے چار پانچ ناریل گرے پڑے تھے۔ مجھے بھوک اور پیاس محسوس نہیں ہو رہی تھی پھر بھی میں نے عادت سے مجبور ہو کر ایک ناریل توڑ کر اس کا پانی پیا۔ تھوڑا سا گودا کھایا اور ریت پر لیٹا غور کرنے لگا کہ مجھے کس طرف سے جنگل میں داخل ہونا چاہیے۔ مجھے یقین تھا کہ زندہ بدروح کا ٹھکانہ جزیرے کے جنگل کے اندر ہی کسی جگہ پر ہو سکتا ہے۔ میں جنگل میں داخل ہونے کا فیصلہ کر کے اٹھا اور ساحل کے جنوبی علاقے سے درختوں کے اندر چلا گیا۔ یہاں بھی درخت بڑے گنجان تھے۔ ان کی شاخیں نیچے تک لٹک رہی تھیں۔ ابھی تک کسی آدم خور وحشی سے میرا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ جنگل میں بڑی احتیاط اور دشواری کے ساتھ چلتے ہوئے میں جنگل کے وسط میں آگیا۔

یہاں مجھے اچانک یکے بعد دیگرے سانپ کی دو پھنکاریں سنائی دیں۔ میں رک کر گنجان درختوں کے نیم اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کوئی سانپ شاید میرا پیچھا کر رہا تھا مگر میرے گلے میں پڑے ہوئے کالی ناگن کے مہرے کی وجہ سے میرے قریب نہیں آ رہا تھا۔ میں پھر چل پڑا۔ چند قدم چلنے کے بعد پھر وہی پھنکار سنائی دی۔ پہلے ایک پھنکار کی آواز آئی اور دو سیکنڈ بعد دوسری آواز سنائی دی۔ میں نے کوئی پروا نہ کی اور چلتا گیا۔ درختوں کا گھنا پن ختم ہو گیا اور سامنے ایک کھلی جگہ پر ایک قطار میں پتھر کے ستون کھڑے ہیں جن کے ساتھ سانپ چمٹے ہوئے ہیں اور اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر رینگ رہے ہیں۔ یہ ایک دہشت ناک نظارہ تھا۔ ستونوں کے درمیان سے ایک راستہ سامنے ایک بہت بڑے گنبد کی طرف جاتا تھا۔ گنبد زمین پر کسی بہت بڑے پیالے کی طرح زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میں گنبد کی طرف بڑھا۔ جیسے جیسے قریب ہو رہا تھا گنبد کے خدوخال نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ جس کو میں گنبد سمجھ رہا تھا قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت بڑی انسانی کھوپڑی ہے جس کی آنکھوں کی جگہ دو گول سوراخ ہیں۔ کھوپڑی کا منہ بند ہے۔ درمیان میں سے اوپر اور نیچے کے چار چار دانت جھڑ چکے ہیں جہاں سے اندر جانے کا راستہ ہے۔

میں ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا اور پہاڑی ٹیلے ایسی انسانی کھوپڑی کا جائزہ لینے لگا۔ اتنا میں سمجھ گیا تھا کہ اگر زندہ بدروح اس جزیرے پر راج کرتی ہے تو پھر یہ کھوپڑی اس زندہ بدروح کا محل ہی ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے میرا اس کھوپڑی کے اندر تعویذ کی تلاش میں جانا ضروری تھا' مگر میں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ اس بات کا خطرہ تھا کہ میں انجانے میں کسی نئی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں کیونکہ یہ کاہن جادوگر کی طرح کا بچھایا ہوا کوئی جال بھی ہو سکتا تھا۔ ستونوں پر جو سانپ اوپر نیچے رینگ رہے تھے ان میں کئی سانپ پھنکاریں مارتے مجھے ڈسنے کے لیے میری طرف بڑھتے تھے مگر میرے گلے میں پڑے کالی ناگن کے مہرے کی بو انہیں میرے قریب نہیں آنے دیتی تھی۔ گنبد نما کھوپڑی کے دہانے کے چوکور سوراخ کے اندر اندھیرا تھا۔ آخر میں اٹھ کر کھوپڑی کی طرف بڑھا۔

قریب آکر دیکھا کہ کھوپڑی کے منہ کے چوکور سوراخ پر مکڑیوں نے ایک بہت بڑا جالا بن رکھا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس شگاف میں سے نہ تو کوئی اندر داخل ہوا ہے' نہ باہر نکلا ہے۔ وگرنہ مکڑیوں کا جالا ضرور ٹوٹ چکا ہوتا۔ کھوپڑی کے منہ تک جانے کے لیے پتھر کا زینہ بنا ہوا تھا جس کی اوپر سیڑھی پر ایک سانپ پھن کھولے بیٹھا تھا۔ میں ایک لمحے کے لیے رک گیا مگر میرا کھوپڑی کے اندر جانا ضروری تھا۔ بہت ممکن تھا کہ مجھے وہاں سے اپنے تعویذ کا کوئی سراغ مل جاتا۔ جیسے ہی میں زینے کی طرف بڑھا سانپ نے پھن موڑ کر مجھے دیکھا اور اتنے زور سے اس کے منہ سے پھنکار نکلی کہ میں دہشت سے کانپ اٹھا۔

O==========☆==========O
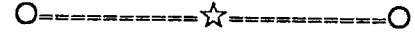
مَیں کچھ دیر زینے پر کھڑا سانپ کو دیکھتا رہا۔

سانپ بھی مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اپنے گلے میں پڑے ہوئے نیلی ناگن کے مہرے پر بڑا بھروسہ تھا۔ میں اسی بھروسے زینے کی سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ جب میں آخری زینے پر آیا تو سانپ اپنی کنڈلی پر گردن اٹھائے پیچھے کھسکنے لگا۔ میں کھوپڑی گنبد کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا اور سانپ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ نیلی ناگن کے مہرے کی بو اسے میرے قریب نہیں آنے دے رہی تھی۔ میں کھوپڑی کے منہ کے شگاف میں داخل ہو گیا۔ کھوپڑی کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ پہلے مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ مَیں نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے دیکھا تو سامنے ایک اور تنگ دروازہ تھا جس کے اندر سے نیلے رنگ کی بہت دھیمی روشنی کا غبار سا پھیلا ہوا تھا۔ دروازہ اتنا تنگ تھا کہ مجھے اس میں سے کافی جھک کر گزرنا پڑا۔ یہاں زمین نیچے ڈھلان کی شکل میں اترتی تھی۔ میں نیچے اتر گیا۔ آگے ایک دالان تھا۔ دالان کے عین درمیان سانپوں کی ایک پٹاری پڑی تھی۔ ایسی پٹاری سپیروں کے پاس ہوتی ہے جس میں وہ اپنے سانپوں کو بند کر کے رکھتے ہیں۔ پٹاری کے اوپر ڈھکنا نہیں تھا۔ نیلے رنگ کی روشنی کا غبار اسی پٹاری میں سے نکل رہا تھا۔

مَیں یہ دیکھنے کے لیے پٹاری میں کہیں وہ سانپ تو نہیں جس کی گردن میں میرا

تعویذ بندھا ہے‘ آگے بڑھا تو اچانک دالان کی تین جانب سے تین بہت بڑے سانپ پھنکارتے ہوئے داخل ہوئے اور پٹاری کے گرد پھن اٹھا کر ایسے کھڑے ہو گئے جیسے پٹاری کے محافظ سانپ ہوں اور اسی انتظار میں ہوں کہ میں ذرا آگے بڑھوں تو وہ میری تکابوٹی کر دیں۔ میں وہیں ٹھہر گیا۔ اتنے میں پٹاری کے اندر سے ایک تیز پھنکار کی آواز آئی۔ تینوں محافظ سانپ جو بالکل اژدہا لگتے تھے پیچھے کسک گئے اور انہوں نے اپنی گردنیں نیچی کر لیں جیسے کسی کا احترام کر رہے ہوں۔ میری نظریں پٹاری پر جمی ہوئی تھیں۔

پھر پٹاری میں سے ایک نیلے رنگ کا سانپ نمودار ہوا۔ اس کی گردن پٹاری سے ایک گز بلند ہو گئی۔ اس کا پھن کھلا ہوا تھا اور سر پر نیلے رنگ کا چھوٹا سا تاج تھا جس میں نیلے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ نیلے رنگ کی روشنی ان ہیروں میں سے پھوٹ رہی تھی۔ میں بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ نیلے سانپ نے گردن گھما کر باری باری تینوں محافظ سانپوں کو دیکھا۔ تینوں سانپوں نے پھن سکیڑ لئے اور جس طرف سے آئے تھے‘ اس طرف چلے گئے۔ اب وہاں میں اور پٹاری والا سانپ اکیلے رہ گئے تھے۔ پھر ایک عورت کی آواز آئی۔

”تمہیں جناتری دیوی نے میرا مہرہ دے کر یہاں بھیجا ہے۔ مجھ پر جناتری کے بڑے احسان ہیں۔“

میں نے ادھر ادھر دیکھا کہ جس عورت کی آواز آئی ہے وہ کہاں کھڑی ہے۔ لیکن وہاں کوئی عورت دکھائی نہ دی۔ وہی نسوانی آواز دوبارہ سنائی دی۔

”مجھے ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟ میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔“

مگر میرے سامنے کوئی عورت بیٹھی ہوئی نہیں تھی۔ یہ عورت قدیم ترین دراوڑی زبان میں بات کر رہی تھی۔ میں نے بھی اسی زبان میں کہا۔ ”کیا تم بھی الکا کی طرح کوئی غیبی عورت ہو؟“

”نہیں۔“ عورت کی آواز آئی۔ ”میں غیبی عورت نہیں ہوں۔“

”پھر تم مجھے دکھائی کیوں نہیں دیتیں؟“ میں نے سوال کیا۔ اس کے جواب میں نسوانی آواز نے کہا۔ ”کیا تم مجھے پٹاری میں نہیں دیکھ رہے ہو؟“

تب مجھے پتہ چلا کہ پٹاری میں پھن اٹھائے جو سانپ بیٹھا ہے یہ اس کی آواز ہے۔ میں نے کہا۔ ”تم سانپ ہو کر انسانی آواز میں کیسے بول رہی ہو؟“

نسوانی آواز نے کہا۔ ”سنو! میں نیلی ناگن ہوں۔ یہ میرا ہی مہرہ ہے جو تمہارے گلے میں ہے اور جو جناتری دیو داسی نے تمہیں اس جزیرے کے زہریلے سانپوں سے محفوظ رہنے کے لیے دیا تھا۔“

مجھے معلوم تھا کہ یہ جادو اور طلسم کی دنیا ہے اور یہاں ہر چیز ممکن ہے۔ سانپ عورت کی طرح اور عورتیں سانپوں کی زبان میں بول سکتی ہیں لیکن میں نے محض تجسّس کی خاطر کہہ دیا۔ ”میں کیسے یقین کر لوں کہ تم ہی نیلی ناگن ہو جبکہ تم سانپ کی بجائے عورت کی آواز میں بول رہی ہو؟“

ایک لمحے کے لیے وہاں خاموشی چھا گئی پھر نیلی ناگن کی آواز آئی۔ ”میرا اصلی روپ عورت کا روپ ہی ہے مگر میں نے ناگن کا روپ دھار رکھا ہے۔ تمہارے شک کو دور کرنے کے لیے میں اپنے اصلی روپ میں واپس آتی ہوں۔“

اچانک پٹاری والا سانپ غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک عورت کھڑی تھی جس کے جسم کا رنگ نیلا تھا اور آنکھیں نیلم کے جواہرات کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کے بدن پر نیلے رنگ کا لمبا چغہ تھا۔ اس کے جسم سے ہلکی ہلکی نیلی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ یہ عورت بولی۔ ”اب تمہارا شک دور ہو گیا ہو گا۔ میں ہی نیلی ناگن ہوں۔ میں جانتی ہوں جناتری دیوداسی نے تمہیں کس مقصد کے لیے یہاں میرے پاس بھیجا ہو گا۔ مجھے بتاؤ میں تمہاری کیسے مدد کر سکتی ہوں؟“

میں نے کہا۔ ”نیلی ناگن! میری ایک ایسی قیمتی شے گم ہو گئی ہے جس پر میری زندگی کا دارومدار ہے۔ میں اسی قیمتی شے کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ کیونکہ جناتری دیوداسی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ شے مجھے اسی جزیرے پر ہی مل سکتی ہے۔“

”وہ کیا شے ہے؟ کھل کر بیان کرو۔“ نیلی ناگن نے کہا۔

میں نے جواب دیا۔ ”وہ ایک تعویذ ہے۔ جو میں نے اپنے بازو پر باندھ رکھا تھا۔

لیکن میرا ایک دشمن جادوگر اسے مجھ سے چھین کرلے گیا ہے۔ جناتری دیوداسی نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تعویذ اس جزیرے کی زندہ بدروح نے اپنے پالتو سانپ کی گردن میں ڈال رکھا ہے اور یہ سانپ ہر وقت اس کی گردن سے لپٹا رہتا ہے۔ کیا تم یہ تعویذ حاصل کرنے میں میری مدد کر سکتی ہو۔ اگر یہ تعویذ مجھے نہ ملا تو میری زندگی ایک ایسے بدنصیب کی زندگی ہوگی جس کو قبر میں زندہ دفن کر دیا گیا ہو۔"

کجلی ناگن کی نیلی آنکھوں کی روشنی ایک لمحے کے لیے تیز ہو کر پھر اپنی اصلی حالت پر آ گئی۔ اس نے کہا۔ "یہ تمہاری خوش قسمتی ہے جو تمہیں میرے کھوپڑی بھون کی طرف لے آئی ہے۔ اگر تم بدقسمتی سے جنگل کی دوسری سمت کو نکل جاتے تو تم زندہ بدروح کے سانپوں کے گڑھے میں پڑے ہوتے اور اس وقت تک زندہ بدروح کے سانپ تمہارے جسم کا سارا گوشت نوچ نوچ کر کھا چکے ہوتے۔"

میرے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ کجلی ناگن بولی۔ "تم میرے لئے جناتری دیوداسی کی امانت ہو۔ تمہاری حفاظت کرنا اور تمہارا سوال پورا کرنا میرا فرض ہو گیا ہے۔ زندہ بدروح کی گردن سے لپٹے ہوئے سانپ کے گلے سے تمہارا تعویذ اتارنا آسان کام نہیں ہے۔ وہ زندہ بدروح کا پالتو سانپ ہے اور اس جزیرے پر زندہ بدروح کا راج ہے جو سانپوں کی مہارانی ہی نہیں بلکہ ایک بہت خطرناک جادوگرنی بھی ہے۔ پھر بھی میں تمہارا سوال پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا جزیرے کے اس علاقے پر تمہاری حکومت ہے؟"

کجلی ناگن نے کہا۔ "نہیں' اس سارے جزیرے پر زندہ بدروح کی حکومت ہے۔ مجھے اس نے سانپوں کی وزیر مقرر کیا ہوا ہے۔ میں زندہ بدروح کے ماتحت ہوں۔"

میں نے کہا۔ "پھر تم زندہ بدروح کے پالتو سانپ کے گلے سے میرا تعویذ کیسے اتار سکو گی؟"

کجلی ناگن بولی۔ "یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جانتی ہوں کہ یہ کس قدر خطرناک کام ہے۔ اگر زندہ بدروح کو مجھ پر ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو وہ مجھے اپنے طلسم سے جلا کر راکھ کر دے گی لیکن تمہیں جناتری دیوداسی نے بھیجا ہے اور اس عورت کے مجھ پر بڑے احسان ہیں میں اس کی بات کبھی ٹال نہیں سکتی۔ میں کوئی نہ کوئی ایسی تدبیر ضرور نکالوں گی کہ تمہارا تعویذ تمہیں لا کر دے دوں' لیکن اس دوران تم میرے کھوپڑی بھون میں ہی رہو گے۔ یہاں سے ہرگز ہرگز قدم باہر نہیں نکالو گے۔"

میں نے کہا۔ "تم جیسے کہو گی میں ویسے ہی کروں گا۔"

کجلی ناگن نے سامنے والی دیوار کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مجھے ایک اور تنگ دروازے میں سے گزار کر ایک تہہ خانے میں لے آئی جہاں چراغ جل رہا تھا اور فرش پر چادر بچھی تھی۔ کہنے لگی۔ "تم یہاں آرام کرو گے۔ یہاں تمہیں بھوک پیاس کی کوئی حاجت نہیں ہوگی۔ جب تک میں تمہارے پاس واپس نہ آؤں' تم اسی جگہ رہو گے۔"

میں نے پوچھا۔ "کجلی ناگن! مجھے کب تک اس جگہ پر رہنا پڑے گا؟"

اس نے کہا۔ "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہو سکتا ہے ایک ہفتہ لگ جائے۔ ہو سکتا ہے اس سے پہلے ہی میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ اب میں جاتی ہوں۔"

کجلی ناگن کے منہ سے ایک ہلکی سی پھنکار نکلی اور دوسرے لمحے میرے سامنے عورت کی بجائے ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ پھر یہ سانپ رینگتا ہوا کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

میں بقول کجلی ناگن کے زندہ بدروح کے ہاتھوں سانپوں کا نوالہ بننے سے ضرور بچ گیا تھا لیکن ایسے لگ رہا تھا کہ اب کجلی ناگن کی قید میں آ گیا ہوں۔ اس کھوپڑی بھون کی اس سیل زدہ تنگ کوٹھڑی میں ایک منٹ گزارنا مجھے ایک عذاب لگ رہا تھا اور کہاں مجھے وہاں پورے سات دن بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گزارنا تھا' مگر یہ میری مجبوری تھی۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میری بھوک پیاس پہلے ہی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ سانپوں کی کوٹھڑی میں آ کر بھوک پیاس کا جو رہا سہا احساس تھا وہ بھی جاتا رہا۔

نیچی چھت والی تنگ کوٹھڑی تھی۔ فرش پر چادر بچھی تھی۔ چراغ جل رہا تھا۔ میں کبھی لیٹ جاتا اور کبھی گھبرا کر اٹھ بیٹھتا۔ وقت کے گزرنے کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ چراغ میں خدا جانے کس چیز کا تیل جل رہا تھا کہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔ چراغ کی لو پہلے کی طرح جل رہی تھی۔ کجلی ناگن بھی دوبارہ میرے پاس نہیں آئی تھی۔ مجھے نیند بھی نہیں آتی تھی۔ ایک عجیب عذاب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ نہ پتہ تھا دن ہے' نہ پتہ تھا رات ہے۔ کسی کسی وقت سانپوں کی شوکروں کی آوازیں آ جاتی تھیں۔ کجلی ناگن نے مجھے کوٹھڑی سے باہر نکلنے سے بھی منع کر رکھا تھا۔ کئی بار تنگ آ کر دل میں خیال آیا کہ تعویذ وغیرہ کو چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جاؤں اور جزیرے کے ساحل پر جا کر سمندر میں چھلانگ لگا دوں اور اللہ کے بھروسے تیرنا شروع کر دوں۔ قسمت اچھی ہوئی تو کوئی نہ کوئی بادبانی جہاز مل جائے گا۔ کم از کم اس قید تنہائی سے تو نجات مل جائے گی۔ پھر یہ سوچ کر رک جاتا کہ تعویذ کے ساتھ میری زندگی اور میری زندگی کا وہ مستقبل وابستہ ہے جسے میں ساڑھے پانچ ہزار برس آگے کے زمانے میں پاکستان میں چھوڑ آیا ہوں۔ اس کے بغیر تو میں اس منحوس زمانے سے نکل کر شاید کبھی اپنے زمانے میں نہ پہنچ سکوں گا۔

اپنے آپ پر جبر کر کے کوٹھڑی میں پڑا رہا۔

اس بے کسی اور کسمپرسی کے عالم میں خدا جانے کتنے گھنٹے' کتنے دن گزر گئے تھے کہ اچانک کوٹھڑی کے باہر مجھے کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد کجلی ناگن عورت کے روپ میں کوٹھڑی میں داخل ہوئی۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ آتے ہی بولی۔ "جلدی سے میرے ساتھ آؤ۔"

اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے باہر آ گیا۔ وہ دالان میں سے دوڑ کر ایک دروازے میں داخل ہو گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے دروازے میں داخل ہو گیا۔ دوسری طرف ایک سرنگ تھی جس میں ہلکی ہلکی نیلی روشنی ہو رہی تھی۔ کجلی ناگن نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اپنے ساتھ دوڑاتے ہوئے خود بھی دوڑنے لگی۔ وہ سخت پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی خطرناک واقعہ پیش آ گیا ہے۔ اس نے

زندہ بدروح کے پالتو سانپ کے گلے سے میرا تعویذ اتارنے کی کوشش کی ہو گی اور کسی طرح سے زندہ بدروح کو اس کی خبر ہو گئی ہو گی اور اب وہ اس کو جلا کر راکھ کر دینے کے لیے اس کے پیچھے آ رہی ہو گی۔ میری سمجھ میں یہی کچھ آ رہا تھا۔ میں بھی گھبرا گیا تھا۔ ایسی پریشان کن صورت بن گئی تھی کہ میں اس سے بالکل نہیں پوچھ سکا تھا کہ ہوا کیا ہے اور وہ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہے اور مجھے اپنے ساتھ کہاں لئے جا رہی ہے؟ سرنگ ختم ہوئی تو ایک اور سرنگ شروع ہو گئی جو پہلی سرنگ سے زیادہ تنگ اور تاریک تھی۔ یہاں نیلی روشنی بھی غائب تھی۔ کجلی ناگن میرا ہاتھ پکڑے مجھے اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی لئے جا رہی تھی۔

خدا خدا کر کے یہ سرنگ ختم ہوئی اور کچھ فاصلے پر روشنی دکھائی دی جو باہر سے سرنگ میں داخل ہو رہی تھی۔ ہم سرنگ سے باہر آ گئے۔ میں نے دیکھا کہ سرنگ سمندر کے کنارے پر آ کر باہر کو کھلتی تھی۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ یہ چاند کی چاندنی تھی جو سرنگ کے دہانے سے اندر آ رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک بادبانی کشتی سمندر کی لہروں پر کھڑی ڈول رہی تھی۔ چاندنی میں کشتی کے پاس گھٹنوں تک سمندر کے پانی میں کھڑے چار آدمی نظر آئے۔ قریب جا کر دیکھا کہ ان کے جسم نیلے رنگ کے تھے اور جسموں پر سوائے ایک لنگوٹی کے اور کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً کجلی ناگن کو اور مجھے سہارا دے کر بادبانی کشتی میں سوار کرایا اور پھر خود بھی کشتی میں سوار ہوئے اور بڑے بڑے چپو اٹھا کر کشتی کو چلانے لگے۔ کشتی کا بادبان کھول دیا گیا تھا۔ اس میں ہوا بھری تو کشتی ساحل سے دور ہونے لگی۔ بادبان اور چپوؤں کے چلانے سے کشتی بڑی تیزی سے سمندر کی موجوں کو چیرتی ہوئی جزیرے سے کافی دور نکل گئی۔ کجلی ناگن بادبان کے نیچے کشتی میں کھڑی جس طرف کشتی جا رہی تھی اس طرف سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ نیلے ملاح تیز تیز چپو چلاتے جا رہے تھے۔ کجلی ناگن میرے پاس آ کر تختے پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ "میں نے تمہارا کام کر دیا ہے لیکن اس وقت تمہاری اور میری ہم دونوں کی زندگیاں شدید خطرے میں ہیں۔ کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔"

اس نے میرا تعویذ اپنے لباس کی خفیہ جیب سے نکال کر مجھے دیا اور کہا۔ "یہ لو اپنی امانت۔"

تعویذ کو ہاتھ میں لے کر جیسے میرے جسم ناتواں میں ایک جان سی پڑ گئی۔ میں نے فوراً اسے اپنے بازو کے ساتھ باندھ لیا۔ ابھی تک کجلی ناگن نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ میرا تعویذ اڑانے میں اس پر ایسی کون سی ناگہانی مصیبت آن پڑی ہے کہ جس کے لیے اسے اپنے جزیرے سے ہی فرار ہونا پڑ گیا تھا اور اس نے یہ کیوں کہا تھا کہ اس کے علاوہ میری زندگی بھی شدید خطرے میں ہے۔ عجیب و غریب وضع کے نیلے جسموں والے ملاح بڑی خاموشی اور جانفشانی سے چپو چلا رہے تھے۔ کشتی کے بادبان میں بھی ہوا بھری ہوئی تھی اور کشتی کافی تیز رفتاری سے سمندر میں بہتی چلی جا رہی تھی۔

چاند آسمان کے وسط میں چمک رہا تھا جس کی روشنی میں سمندر کی لہریں دور دور تک روشن تھیں۔ سمندر کی ہواؤں اور موجوں کا کشتی کے ساتھ ٹکرانے سے ہلکا ہلکا شور مسلسل ہو رہا تھا۔ کجلی ناگن میرے قریب ہی تختے پر بڑے وقار کے ساتھ مورنی کی گردن اوپر اٹھائے بیٹھی دور سمندر پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے، عریاں بازوؤں اور چاندنی میں نظر آنے والے سینے کا رنگ مورنی کے رنگ کی طرح سفید تھا۔ اس کے سیاہ بال سمندری ہوا میں اڑ رہے تھے اور سانپوں کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ایسی زبردست قسم کی مہارانیوں کی شان والی نیلے رنگ کی عورت میں نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ وہ بھرپور جوان تھی۔ میں نے گردن موڑ کر پیچھے کی جانب دیکھا۔ چاندنی میں سرانديپ کا سانپوں کا خطرناک جزیرہ اب نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ پہلے اس کے اونچے پہاڑ سیاہ دھبوں کی طرح نظر آتے تھے۔ اب یہ دھبے بھی غائب ہو گئے تھے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں لیکن مجھے اس بات کی خوشی ضرور تھی کہ میرا تعویذ میرے پاس واپس آ گیا ہے اور میں منحوس جزیرے سے نکل آیا ہوں۔

ہماری بادبانی کشتی بہت دیر تک کھلے سمندر میں سفر کرتی رہی۔ اس دوران نیلے ملاح برابر چپو چلاتے رہے تھے۔ انہوں نے ایک منٹ کے لیے بھی رک کر سانس نہیں لیا

تھا۔ خدا جانے وہ فولادی انسان تھے یا کوئی جن بھوت تھے۔ کجلی ناگن نے بھی مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں بھی خاموش تھا۔ چاند آسمان پر سفر کرتے کرتے مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ اتنے میں نیلے بھوت نما ملاحوں میں سے ایک ملاح چپو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سمندر میں ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور حلق سے سانپ کی پھنکار ایسی آواز دو تین بار نکالی اور کجلی ناگن کی طرف دیکھا۔ کجلی ناگن کھڑی ہو گئی اور جس طرف نیلے ملاح نے اشارہ کیا تھا اس طرف دیکھنے لگی۔ میں بھی اس طرف دیکھنے لگا۔ سمندر میں دور سیاہ لکیر سی ابھری ہوئی تھی۔ کجلی ناگن نے منہ سے سسکار سے ملتی جلتی آواز تین بار نکالی۔ نیلا ملاح بیٹھ گیا اور چپو چلانے لگا۔ کشتی کا رخ سمندر میں نظر آنے والی سیاہ لکیر کی طرف کر دیا گیا تھا۔ کجلی ناگن کشتی میں دو قدم چل کر بادبان کے مستول کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ کشتی اوپر نیچے اور دائیں بائیں ڈول رہی تھی۔ سیاہ لکیر آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی تھی۔ یہ کوئی جزیرہ لگتا تھا۔ پورے چاند کی چاندنی میں سیاہ لکیر پہاڑی سلسلے کی طرح دکھائی دینے لگی تھی۔ یہ سیاہ لکیر دائیں بائیں بہت طویل ہو گئی تھی اور اس کی مغربی سمت میں کچھ روشنیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔

کجلی ناگن نے اپنے حلق سے پھنکار نما آواز نکال کر ملاحوں کو کوئی حکم دیا۔ ملاحوں نے فوراً کشتی کا رخ روشنیوں کی مخالف سمت کو موڑ دیا۔ کچھ دیر بعد روشنیاں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ کشتی چاندنی رات میں جزیرے کے دھندلے دھندلے ساحل کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ جزیرے کا یہ ساحل دور تک خالی خالی نظر آ رہا تھا۔ کشتی جب کنارے پر آ کر رک گئی تو کجلی ناگن میری طرف دیکھ کر بولی۔ "ہم یہاں اتریں گے۔"

میں کجلی ناگن کے ساتھ ہی کشتی سے اتر آیا۔ نیلے بھوت نما ملاح کشتی میں چپو چھوڑ کر بڑے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ کجلی ناگن نے انہیں پھنکار اور سسکار کی زبان میں کوئی حکم دیا۔ چاروں ملاحوں نے ایک ساتھ سر جھکا دیا اور پھر کشتی میں بیٹھ گئے اور چپو زور زور سے چلاتے ہوئے کشتی کو سمندر کی طرف چلانے لگے۔ جب تک

کشتی سمندر میں کافی دور نہیں چلی گئی کجلی ناگن ساحل پر کھڑی اسے تکتی رہی۔ جب کشتی بہت دور نکل گئی تو کجلی ناگن نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "جانتے ہو ہم کہاں آ گئے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "یہ بھی لنکش دیپ کے جزیروں میں سے کوئی جزیرہ ہو گا۔"

کجلی ناگن بولی۔ "نہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس ملک کے چاروں طرف سمندر ہے۔ یہ سنہال دیپ ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ مجھے ساتھ لے کر ساحل پر سمندر کی ہواؤں میں لہراتے درختوں کی قطار کی طرف چل دی۔ تب میں نے کجلی ناگن سے پوچھا۔ "تم نے کہا تھا کہ ہم دونوں کی زندگیاں شدید خطرے میں ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟"

کجلی ناگن نے کہا۔ "یہ میں تمہیں اپنے پرانے قلعے میں چل کر بتاؤں گی۔"

میں خاموش رہا۔ سوچنے لگا یہاں اس کا کون سا قلعہ ہو سکتا ہے۔ کیا یہ اس ملک کے کسی قلعے میں رہتی ہے۔ طرح طرح کے سوال میرے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ میں نے تعویذ تو حاصل کر لیا تھا' اب مجھے کاہن جادوگر کی دشمنی اور اس کے انتقام کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ مجھ پر کاہن جادوگر کے طلسم کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اب میں یہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ میں تاریخ کے جس غیر مہذب اور وحشی لوگوں کے زمانے میں آ گیا ہوں۔ کسی طرح نکل کر واپس اپنے وطن پاکستان پہنچ جاؤں۔

سنہال دیپ جزیرہ نما ملک کے مشرقی کنارے کی طرف اندر کی جانب ایک چھوٹے سے ٹیلے پر عجیب و غریب قسم کے گھنے درختوں میں گھرا ہوا کسی پرانے قلعے کا کھنڈر تھا۔ کجلی ناگن اسی قلعے کے کھنڈر میں کسی زمانے میں رہا کرتی تھی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ سنہال دیپ کا یہ جزیرہ نما ملک آج کا سری لنکا کا ملک تھا۔ ٹوٹی پھوٹی پتھر کی کشادہ سیڑھیاں چڑھ کر ہم قلعے میں داخل ہو گئے۔ قلعے کے باہر چاندنی تھی مگر قلعے میں گھپ اندھیرا تھا۔ مجھ پر یہ انکشاف بھی ہو چکا تھا کہ کجلی ناگن کو اندھیرے میں بھی نظر آ

جاتا ہے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور مجھے سنبھل سنبھل کر اپنے ساتھ چلا رہی تھی۔ ہم قلعے کی دوسری منزل کی تاریک سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ کہنے لگی۔ "کبھی میں اس قلعے پر راج کیا کرتی تھی۔ میں اس قلعے کی مہارانی تھی پھر دشمن نے میرے قلعے پر چڑھائی کر دی اور میرے خاوند کو قتل کر ڈالا۔ تب میں نے مہا ناگنی کا دو ماہ کا خطرناک چلہ کیا اور مہارانی سے کجلی ناگن بن گئی۔ میں نے اپنے دشمنوں کو ایک ایک کر کے ڈس کر ہلاک کر ڈالا مگر اپنے خاوند کے بغیر میرا اس قلعے سے جی اچاٹ ہو گیا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر سراندیپ میں زندہ بدروح کے پاس چلی گئی۔ زندہ بدروح نے مجھے اپنے جزیرے کے ناگ اور ناگنوں کی مہارانی بنا دیا۔ میں کئی سو سال سے سراندیپ میں ناگ ناگنوں کی مہارانی بن کر رہ رہی ہوں' یہاں تک کہ اب مجھے اس جزیرے کو بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا پڑ گیا ہے۔"

زینے پر چڑھتے ہوئے میرا سانس پھول گیا تھا مگر کجلی ناگن پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ ایسے سانس لے رہی تھی جس طرح آدمی باغ میں چہل قدمی کرتے ہوئے سانس لے رہا ہوتا ہے۔ ہم پرانے قلعے کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں آ گئے جہاں دیوار کی لمبی کھڑکی میں سے چاندنی کمرے میں آ رہی تھی۔ کمرے کے فرش پر بوسیدہ قالین بچھا ہوا تھا۔ پرانی وضع کے تخت پر بھی قالین بچھا تھا اور لمبے لمبے گاؤ تکئے رکھے ہوئے تھے۔ کجلی ناگن نے مجھے اپنے پاس تخت پر بٹھا لیا اور کہنے لگی۔ "اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں زندہ بدروح کا جزیرہ چھوڑنے پر کیوں مجبور ہو گئی تھی۔ میں جناتری دیوداسی کے احسانوں کا بدلہ چکانا چاہتی تھی اور تمہیں ہر حالت میں تمہارا تعویذ واپس لا کر دینا چاہتی تھی۔ لیکن میں جانتی تھی کہ یہ بے حد خطرناک کام ہے جس میں میں ہاتھ ڈال رہی ہوں۔ مجھ سے اگر ذرا سی بھی بھول ہو گئی تو زندہ بدروح کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ میں اس کے پالتو سانپ کا تعویذ چرانے آئی تھی اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں یہ تعویذ تمہارے لئے چرا رہی تھی۔ اس کے بعد لازمی بات تھی کہ وہ مجھے اور تمہیں ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ میں نے بڑی احتیاط کی۔ بڑی چالاکی اور اپنے خاص ناگنی

طلسم سے کام بھی لیا لیکن جب میں سانپ کی گردن سے تعویذ اتار کر ناگن کے روپ میں
وہاں سے فرار ہو رہی تھی تو زندہ بدروح کو پتہ چل گیا۔ اس نے طلسم پھونک کر مجھے جلا
کر راکھ کرنے کی کوشش کی لیکن میں اس کے طلسم سے بچ کر نکل آئی۔ ناگن سے
عورت کی شکل بدلنے کے باعث میرے جسم کی بو زندہ بدروح تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔
بس میں نے فوراً تمہیں ساتھ لیا اور اپنے چار ناگ غلاموں کی مدد سے سمندر پار کر کے
یہاں پہنچ گئی۔"

میں نے کہا۔ "کیا یہاں ہم لوگ زندہ بدروح کے طلسم سے محفوظ ہو گئے ہیں؟ کیا
یہاں وہ مجھے یا تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی؟"

کجلی ناگن نے کہا۔ "نہیں! زندہ بدروح کا طلسم سمندر پار نہیں چلتا۔ ہم دونوں
یہاں بالکل محفوظ ہیں۔ یہاں وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس کے علاوہ اس ملک کے زمین
کے نیچے اور زمین کے اوپر رہنے والے تمام سانپ میرے غلام ہیں اور وہ میری حفاظت
کرتے ہیں۔"

پھر اس نے کہا۔ "اگر تم چاہو تو یہاں میرے ساتھ مجھ سے شادی کر کے باقی
زندگی آرام و آسائش سے بسر کر سکتے ہو۔ میرے پاس زمین کے اندر دفن کئے ہوئے
خزانوں کی ساری دولت موجود ہے۔ تم راجہ بن کر رہو گے۔"

میں نے کہا۔ "کجلی ناگن! میں مجبور ہوں۔ مجھے بہت آگے جانا ہے۔ میری منزل
بہت دور ہے۔"

کجلی ناگن بولی۔ "تم یہ فکر نہ کرنا کہ میں کوئی سانپ یا ناگن ہوں۔ میں انسان
ہوں' عورت ہوں۔ ناگن بننے کا چلہ میں نے اپنے خاوند کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے
لیے کاٹا تھا اور انسان سے کجلی ناگن بن گئی تھی۔ میں تمہارا بہت خیال رکھوں گی اور
تمہیں ہر قسم کا سکھ پہنچاؤں گی۔"

تب میں نے سوچا کہ کجلی ناگن کو کھول کر بتا دینا چاہیے کہ میں حقیقت میں کون
ہوں اور کن حالات میں کون سی دنیا سے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ جب میں اپنی ساری کہانی

کجلی ناگن کو سنائی تو اسے میری باتوں پر بالکل یقین نہ آیا۔ کہنے لگی۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے
کہ ساڑھے پانچ ہزار برس آگے کے زمانے سے کوئی واپس آ جائے۔ تمہارے پاس اس کا
کیا ثبوت ہے کہ تم ساڑھے پانچ ہزار برس آگے کے زمانے کے رہنے والے ہو؟"

میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "تم بھی جادو جانتی ہو۔ اپنے جادو
کے ذریعے کیوں نہیں معلوم کر لیتیں کہ میں سچ بول رہا ہوں یا جھوٹ بول رہا ہوں۔"

کجلی ناگن نے کچھ دیر غور کیا' پھر کہنے لگی۔ "میں تمہارا جادو کے ذریعے امتحان
لے سکتی ہوں مگر میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کھو دینا نہیں چاہتی کیونکہ اگر تمہاری کہانی
جھوٹی ہوئی تو میرے جادو کے اثر سے تم جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔"

میں نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔ "نہیں نہیں کجلی ناگن! تم میرا ضرور امتحان لو'
تاکہ تم پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ میں اس دنیا کا باشندہ نہیں ہوں اور مجھے اپنی دنیا میں
واپس جانا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ میں اس دنیا کا آدمی نہیں ہوں تو پھر اگر
تم مجھے میری دنیا میں واپس پہنچانے کی کوئی تدبیر کر سکتی ہو تو ضرور کرو۔ میں تمہارا یہ
احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

کجلی ناگن نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر اس امتحان کے لئے
تیار ہو جاؤ۔"

وہ مجھے ایک تہہ خانے میں لے گئی جہاں فرش کے درمیان ایک گڑھا بنا ہوا تھا۔
گڑھے میں راکھ پڑی ہوئی تھی۔ کجلی ناگن نے راکھ کے اوپر اپنی چادر اتار کر بچھا دی اور
مجھے گڑھے میں اتار کر بٹھا دیا۔ وہ گڑھے سے تین چار قدموں کے فاصلے پر ایک چوکی پر
بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ "میں ایک جادو کے منتر کا جاپ کروں گی۔ میں یہ جاپ تین مرتبہ
کروں گی۔ اس کے بعد اگر تمہاری کہانی سچی ہوئی تو تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ لیکن اگر
تمہاری کہانی جھوٹی ہوئی تو اس گڑھے میں اتنی زبردست آگ بھڑک اٹھے گی کہ تم جل کر
راکھ ہو جاؤ گے۔ ابھی وقت ہے' ایک بار پھر سوچ لو۔ اگر تم نے مجھے اپنی جھوٹی کہانی
سنائی ہے تو گڑھے میں سے باہر آ جاؤ۔ میں تمہارے جھوٹ بولنے پر تمہیں کچھ نہیں کہوں

گی۔"

میری کہانی سچی تھی، مجھے کوئی تشویش نہیں تھی۔ میں اس عورت پر اپنی سچائی ثابت کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ کیونکہ میرا دل کہتا تھا کہ اس عورت کے پاس ایسی طاقت ہے کہ یہ مجھے واپس میرے زمانے میں پہنچا دے۔ میں نے کہا۔ "کجلی! تم اپنا جاپ شروع کرو۔ اگر تمہارا جادوئی منتر سچا ہے تو یقین کرو میں نے بھی سچ بولا ہے اور مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"

کجلی ناگن نے منتروں کا جاپ شروع کر دیا۔ پہلا جاپ وہ دس پندرہ منٹ تک پڑھتی رہی۔ اس کے بعد اس نے دوسرا جاپ شروع کر دیا۔ دوسرا جاپ بھی دس پندرہ منٹ تک جاری رہا۔ تیسرا جاپ شروع کرنے سے پہلے اس نے کہا۔ "ابھی وقت ہے، تم چاہو تو گڑھے سے باہر نکل سکتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "تم تیسرا جاپ شروع کرو۔"

کجلی ناگن نے تیسری بار منتر کا جاپ شروع کر دیا۔ جاپ جب ختم ہونے کے قریب آیا تو وہ چوکی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کھڑے کھڑے جاپ کر رہی تھی۔ جب منتروں کے جاپ کا تیسرا دور بھی ختم ہو گیا تو کجلی ناگن نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور بلند آواز میں کہا۔ "مہا ناگنی! مہا ناگنی! میں نے تیرے منتروں کا جاپ کیا ہے۔ اگر اس شخص کی کہانی جھوٹی ہے تو اس پر اپنا سراپ نازل کر اور اسے جلا کر بھسم کر دے۔"

اس نے ہاتھ میری طرف کر کے انگلی کا اشارہ کیا۔ وہ تین چار سیکنڈ تک اسی طرح کھڑی رہی مگر گڑھے میں آگ نہ بھڑکی۔ اس نے ایک بار پھر بلند آواز میں وہی جملے دہرائے مگر گڑھے میں آگ نہ بھڑکی۔ تب کجلی ناگن نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ گڑھے میں میری طرف بڑھایا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم سچے ہو۔ تم نے سچ بولا ہے۔ تمہاری کہانی سچی ہے۔ آؤ گڑھے میں سے باہر نکل آؤ۔"

میں اس کا ہاتھ پکڑ کر گڑھے میں سے باہر نکل آیا۔ ہم تہہ خانے سے واپس بڑے کمرے میں آ گئے۔ یہاں کجلی ناگن نے ایک چراغ روشن کر دیا تھا۔ کیونکہ رات کافی

ڈھل گئی تھی اور لمبی کھڑکی میں سے چاند کی روشنی اندر نہیں آ رہی تھی۔ چاند غروب ہو چکا تھا۔ ہم دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔ میں نے کجلی ناگن سے کہا۔ "اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ میرا تمہارے زمانے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور میں آج سے ساڑھے پانچ ہزار برس پیچھے کے زمانے سے نکل کر تمہارے زمانے میں پہنچ گیا ہوں، تو تم میری مدد کرو۔ میں جانتا ہوں تمہارے پاس بڑی زبردست طلسمی طاقت ہے، کسی طرح مجھے واپس میرے زمانے میں پہنچا دو۔ وہاں میرے عزیز واقارب اور دوست احباب میری جدائی میں رو رہے ہوں گے۔"

کجلی ناگن کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ جب میں نے اپنی بات ختم کی تو اس نے لمبا سانس لے کر میری طرف دیکھا اور کہا۔ "میں ضرور تمہاری مدد کروں گی مگر تمہاری کامیابی میں تمہاری قسمت کا بھی ہاتھ ہو گا۔"

میں نے پوچھا۔ "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

کجلی ناگن نے کہا۔ "مطلب یہ ہے کہ تھوڑی دیر بعد میں تمہیں ایک کمرے میں لے جاؤں گی۔ وہاں تمہارے سامنے دو دروازے ہوں گے۔ ان دونوں دروازوں میں سے ایک دروازہ تمہیں واپس تمہاری دنیا میں لے جائے گا۔ دوسرے دروازے میں داخل ہو گے تو تم قدیم تاریخ کے کسی اور ہی دور میں داخل ہو جاؤ گے اور وہاں سے تمہارا میرے پاس آنا بھی ناممکن ہو گا اور تم اپنے زمانے میں بھی نہیں پہنچ پاؤ گے۔ یہ ایک خطرہ ہے۔ اگر تم یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو تو میں تمہاری مدد کے لیے حاضر ہوں۔"

میں نے کہا۔ "تم اتنی زبردست طلسمی طاقت رکھتی ہو۔ کیا تم یہ بھی معلوم نہیں کر سکتیں کہ وہ کون سا دروازہ ہے جو مجھے میرے گھر واپس لے جائے گا۔"

کجلی ناگن بولی۔ "ہماری طلسم کی دنیا میں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی شرط ضرور پوری کرنی پڑتی ہے۔ ان دونوں دروازوں کی شرط یہ ہے کہ آدمی از خود سوچ کر فیصلہ کرے کہ اسے کون سے دروازے میں داخل ہونا چاہئے۔"

میں نے کہا۔ "اس میں سوچ سمجھ سے کام لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو محض اتفاق ہو گا کہ میں اپنے گھر پہنچا دینے والے دروازے میں داخل ہو جاؤں۔ یہ اتفاق اور قسمت کا کھیل ہے۔ اس میں عقل اور دانشمندی کا کوئی کام نہیں۔"

بجلی ناگن کہنے لگی۔ "چاہے تم جو کچھ بھی سمجھو لیکن تمہیں زندگی کا شاید بہت بڑا خطرہ مول لے کر دونوں میں سے ایک دروازے کا انتخاب کرنا ہو گا۔"

میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "بجلی! میں تیار ہوں۔ تم مجھے دونوں دروازوں کے پاس لے چلو۔ میں اللہ کا نام لے کر کسی ایک دروازے میں داخل ہو جاؤں گا۔ آگے اللہ کرے، سو ہو۔"

بجلی ناگن مجھے قلعے کی چھت پر بنی ہوئی کوٹھڑی میں لے گئی۔ کوٹھڑی میں ایک دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں مجھے سامنے والی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے لکڑی کے دو تابوت دکھائی دیئے۔ دونوں کے درمیان بمشکل چار پانچ فٹ کا فاصلہ تھا۔ بجلی ناگن نے کہا۔ "کئی سو سال پہلے اس دیش میں بکرما نام کا ایک راجہ راج کرتا تھا۔ یہ قلعہ اسی راجہ نے بنوایا تھا۔ راجہ کی رانی کا نام راونی تھا۔ بکرما اور راونی ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ انہوں نے وصیت کر رکھی تھی کہ مرنے کے بعد دونوں کو الگ الگ تابوت میں بند کر کے اس کوٹھڑی میں کھڑا کر دیا جائے اور تین دن بعد تابوت کھول دیا جائے۔ بڑے پجاری نے ایسا ہی کیا۔ جب راجہ اور رانی دونوں مر گئے تو ان کی لاشوں کو الگ الگ تابوتوں میں بند کر کے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔ تین دن بعد جب تابوت کھول کر دیکھا گیا تو راجہ اور رانی کی لاشیں غائب تھیں۔ اسی رات راجہ اور رانی بڑے پجاری کے خواب میں آئے اور کہا کہ ہم سورگ میں پہنچ چکے ہیں۔ ہماری وصیت ہے کہ ان تابوتوں کو اسی جگہ رہنے دیا جائے۔ تب سے لے کر آج تک دونوں تابوت کوٹھڑی میں اسی طرح رکھے ہوئے ہیں۔ میرے بڑے گورو جی نے ان تابوتوں کے آگے بیٹھ کر ایک چلہ کاٹا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے کہا تھا کہ تابوتوں کو ہمیشہ بند رکھنا۔ ان تابوتوں میں سے ایک تابوت کا دروازہ آدمی کو خوشیوں کی وادی میں لے جائے گا اور دوسرا دروازہ اسے کسی

بڑی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ یہ میں تمہیں بھی نہیں بتاؤں گا کہ خوشیوں کا تابوت کون سا ہے اور مصیبتوں کا تابوت کون سا ہے۔ گورو جی دوسری دنیا میں چلے گئے۔ میں کبھی اس کوٹھڑی میں تابوتوں کے پاس نہیں آئی تھی لیکن اب جبکہ تم ایک عجیب و غریب قسم کی مصیبت میں ڈال دیئے گئے ہو تو میں تمہیں یہاں لے آئی ہوں۔"

بجلی ناگن نے آگے بڑھ کر دیوار کے ساتھ کھڑے دونوں تابوتوں کے ڈھکن ہٹا دیئے۔ چراغ کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ دونوں تابوتوں کے اندر دو دروازے بنے ہوئے ہیں جن میں سے دھندلی دھندلی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ بجلی ناگن بولی۔ "ایک بار پھر سوچ لو۔ ابھی وقت ہے۔ ہو سکتا ہے تم مصیبتوں کے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔"

میں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ مجھے یہ پانسہ پھینکنا ہی پڑے گا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے قسمت میرا ساتھ دے اور میں اپنی ماڈرن دنیا میں پہنچ جاؤں۔"

بجلی ناگن نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا۔ "میں تمہیں دیوتاؤں کے حوالے کرتی ہوں۔ وہ تمہاری حفاظت کریں گے۔"

میں دو قدم چل کر دونوں تابوتوں کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا اور غور سے تابوتوں کے اندر کھلے ہوئے دروازوں کو دیکھنے لگا۔ دونوں دروازوں میں سے ایک جیسی دھندلی دھندلی روشنی نکل رہی تھی۔ کبھی خیال آتا کہ بائیں طرف والے تابوت کا دروازہ ٹھیک رہے گا۔ کبھی خیال آتا کہ نہیں مجھے دائیں طرف والے تابوت کے دروازے میں داخل ہونا چاہیئے۔ دائیں طرف کے تابوت کا دروازہ مجھے میرے وطن پاکستان پہنچا دے گا۔ میں عجیب کشمکش کی حالت میں تھا۔ کبھی بائیں جانب والے تابوت کی طرف جانے کو دل کہتا، کبھی دل کہتا کہ نہیں دائیں جانب والے تابوت میں داخل ہو جاؤ۔ زندگی میں کبھی ایسی صورت حال سے پالا نہیں پڑا تھا۔ اتنے میں بجلی ناگن کی آواز آئی۔ "جتنا سوچو گے اتنا ہی پریشان ہو گے۔ قدم بڑھاؤ، ہو سکتا ہے قسمت تمہارا ساتھ دے رہی ہو۔"

میں نے سوچنا بند کر دیا اور بائیں طرف والے تابوت کے دروازے میں داخل ہو

گیا۔ مجھے روشنی اور دھوئیں کے غبار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دروازے کے آگے سیڑھیاں تھیں۔ میں سیڑھیاں اترتا چلا گیا لیکن دھوئیں کے غبار نے مجھ پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری کر دی پھر سیڑھیاں ایک دم ختم ہو گئیں اور میں جیسے ایک گڑھے میں گر پڑا۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو دنیا بدل چکی تھی۔ میں ایک بازار میں تھا۔ آسمان پر سیاہ کالے بادل تھے۔ یہ پرانے زمانے کا کوئی بازار تھا۔ دکانیں کھلی تھیں۔ یہ رات کا وقت نہیں تھا مگر دکانوں میں مشعلیں جل رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ قسمت نے میرا ساتھ نہیں دیا اور میں اپنی دنیا میں پہنچنے کی بجائے بدقسمتی سے کسی اور ہی زمانے میں آ گیا ہوں۔ بازار خالی پڑا تھا۔ دکانوں میں دکاندار ایسے بیٹھے تھے جیسے پتھر کے بت ہوں۔ کالے سیاہ بادلوں کی وجہ سے دن کے وقت بھی بازار میں اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ میں تابوت والے دروازے میں سے گزر کر اس آسیب زدہ بازار میں آ گیا تھا۔ میں نے ایک دکان کے پاس جا کر دکاندار کو غور سے دیکھا۔ دکاندار پتھر کا بت بن چکا تھا۔ میں نے تمام دکانداروں کو ایک ایک کر کے دیکھا' سارے کے سارے دکاندار پتھر بن چکے تھے۔ ہر دکان کے آگے ایک ایک مشعل روشن تھی۔ یا خدا یہ میں کس منحوس شہر میں آ گیا ہوں؟

اچانک ایک ڈراؤنی چیخ بلند ہوئی۔ میں ڈر کر ایک دکان کے دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ چیخ کی آواز کے ساتھ ہی تمام دکانوں کی روشن مشعلیں بجھ گئیں۔ اب بازار میں اتنی ہی دھندلی دھندلی روشنی تھی جتنی سیاہ بادلوں میں سے چھن کر آ رہی تھی۔ دوسری بار پھر وہی ڈراؤنی چیخ کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے جس طرف سے چیخ کی آواز آئی تھی اس طرف دیکھا۔ اچانک ایک ڈراؤنی شکل والی عورت نمودار ہوئی جس کے بال کھلے تھے اور چہرہ سیاہ تھا۔ میں دہشت زدہ ہو کر دکان کے دروازے کے پیچھے چھپ گیا کہ یہ بلا یہاں سے دفع ہو تو میں یہ معلوم کروں کہ میں کس زمانے میں آ گیا ہوں اور عورت کوئی چڑیل ہے ڈائن ہے یا کیا ہے۔ اچانک اس مکروہ شکل والی عورت نے میرا نام لے کر مجھے پکارا۔ اس چڑیل نما عورت کی زبان سے اپنا نام سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ ضرور کوئی چڑیل ہے کیونکہ میں نے سن رکھا تھا کہ چڑیلوں کو سب لوگوں کے نام معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان کے نام لے کر حملہ کرنے سے پہلے انہیں پکارتی ہیں۔ اب میرے لیے وہاں سے بھاگنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں دکان کے دروازے کی اوٹ سے نکلا اور جتنا تیز دوڑ سکتا تھا سڑک پر دوڑنا شروع کر دیا۔ چڑیل کی ڈراؤنی آواز میرا تعاقب کر رہی تھی۔ میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ چڑیل کی آواز بھی برابر میرے پیچھے آ رہی تھی۔ میں نے دوڑتے دوڑتے ایک بار پلٹ کر دیکھا۔ چڑیل میرے پیچھے دوڑتی آ رہی تھی۔ اس کی رفتار مجھ سے زیادہ تھی۔ وہ میرے سر پر پہنچ گئی۔ اس نے میری گردن کو پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ کے لمس نے میرے سارے بدن کو جیسے سن کر دیا ہو۔ میں وہیں گر پڑا۔ ڈراؤنی چڑیل نے مجھے ایک ہاتھ سے اٹھایا اور اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ مجھے صرف اتنا ہوش تھا کہ میں ایک ڈراؤنی عورت کے کندھے پر لٹکا ہوا ہوں۔ میرے اندر اتنی بھی سکت نہیں رہی کہ میں اپنے ہاتھ پیر ہلا سکوں۔ میں ایک مردہ جسم کی طرح اس چڑیل یا ڈائن کے کندھے پر لٹکا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے دوڑ رہی تھی اور دوڑتے دوڑتے فضا میں بلند ہو گئی اور اس نے ایک مردار خور گدھ کی طرح اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ میری آنکھیں کھلی تھیں۔ میں دیکھ رہا تھا' سن رہا تھا مگر نہ بول سکتا تھا' نہ کچھ محسوس کر سکتا تھا۔ جسم بے حس ہو چکا تھا۔

اس چڑیل عورت کے کندھے پر لٹکے لٹکے میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کھیتوں کے اوپر اڑتی جا رہی ہے۔ ہر طرف ویرانی تھی۔ کہیں کوئی دکان کوئی جھونپڑی تک نہیں تھی۔ کھیت بھی خشک اور سوکھے ہوئے تھے۔ خدا جانے میں تاریخ کے کس منحوس دور میں داخل ہو چکا تھا۔ چڑیل عورت نے گدھ کی طرح دونوں بازو پھیلائے ہوئے تھے۔ اس کے لمبے سرکنڈوں ایسے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس کے جسم سے تازہ دفن کئے ہوئے مردے کی بو آ رہی تھی۔ ہمارے نیچے ایک اور دریا آ گیا۔ وہ دریا کے اوپر سے گزر رہی تھی۔ دریا میں کہیں کسی جگہ کوئی کشتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ دریا کافی چوڑا تھا۔ وہ دریا کے اوپر پرواز کرتی ہوئی دوسرے کنارے پر آ گئی۔ یہاں نیچے کھیتوں کی جگہ عجیب شکل کی جھاڑیاں تھیں۔ چڑیل عورت نے پرواز کرتے کرتے ایک غوطہ لگایا اور میں نے سامنے

ایک کھنڈر دیکھا جس کی منڈیروں پر دیوہیکل گدھ پر کھولے بھوتوں کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ چڑیل عورت جیسے ہی کھنڈر کے اوپر پہنچی۔ گدھوں نے ڈراؤنی آواز نکالنی شروع کر دی۔ چڑیل عورت نے اڑتے ہوئے کھنڈر کا ایک چکر لگایا اور پھر اس کی چھت پر اتر گئی۔ مکروہ صورت مردار خور گدھ چڑیل کو دیکھ کر اور زیادہ چیخنے لگے۔ چڑیل نے کھڑکھڑاتی آواز میں کہا۔ "بیتال آ گیا ہے۔ فکر نہ کرو' بیتال آ گیا ہے۔"

وہ مجھے بیتال کے نام سے پکار رہی تھی۔ خدا جانے یہ منحوس بیتال کون تھا اور یہ چڑیل مجھے اٹھا کر آسیب زدہ کھنڈر میں کیوں لے آئی تھی۔ چھت کا زینہ اتر کر چڑیل عورت مجھے ایک کوٹھڑی میں لے آئی اور مجھے زمین پر لٹا دیا۔ میرا جسم بے حس تھا۔ میں ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتا تھا۔ صرف میرے حواس زندہ حالت میں تھے۔ چڑیل عورت نے جھک کر میری گردن کو دونوں ہاتھوں سے تھوڑا سا دبایا۔ جیسے ہی اس نے ہاتھ چھوڑے میرے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی اور دوسرے لمحے میرے جسم میں پہلے ایسی توانائی آ گئی۔ کوٹھڑی میں ابھی تک اندھیرا تھا۔ چڑیل عورت نے دیوار سے لگی ہوئی ایک مشعل جلا دی۔ کوٹھڑی میں روشنی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس کی دیواروں پر بے شمار انسانی کھوپڑیاں کیلوں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ میں فرش پر جس جگہ پڑا تھا' وہاں قریب ہی مٹی کی بڑی ہنڈیا پڑی تھی۔ چڑیل عورت نے مٹی کا ایک پیالہ ہنڈیا میں ڈال کر اس میں کوئی مشروب بھرا اور میرے جسم پر اسے انڈیل دیا۔ مجھے پہلے تو سردی محسوس ہوئی اس کے بعد ایسے لگا جیسے میرے جسم میں کسی نے آگ بھر دی ہو۔ میں تڑپنے لگا۔ چڑیل عورت میرے پاس کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی اور حلق سے عجیب و غریب خرخراہٹ کی آوازیں نکال رہی تھی۔ کسی کسی وقت وہ بلند آواز میں کہتی۔ "بیتال! بیتال! تو واپس آ گیا۔ تو میرا غلام ہے۔ تو میرا حکم پورا کرے گا۔"

میں فرش پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میرے جسم میں لگی ہوئی آگ ٹھنڈی پڑ گئی اور مجھے چین سا آ گیا۔ لیکن میں اسی طرح فرش پر پڑا تھا۔ چڑیل عورت نے مجھے حکم دیا۔ "بیتال! اٹھ کر قبرستان میں جا اور میرے لئے تازہ مردہ قبر میں سے نکال کر

لا۔"

میں اس طرح اُٹھ کھڑا ہو گیا جیسے میں اس چڑیل عورت کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ میں کوٹھڑی کے دروازے کی طرف چلتا باہر نکل گیا۔ باہر ایک دالان تھا' بدوضع قسم کی جھاڑیاں جگہ جگہ اُگی ہوئی تھیں۔ آسمان پر ویسے ہی سیاہ کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ مجھے کچھ احساس نہیں رہا تھا کہ یہ دن کا وقت ہے۔ شام کا وقت ہے یا رات کا وقت ہے۔ میرے ذہن میں سوائے اس کے اور کوئی خیال نہیں تھا کہ مجھے قبرستان میں جا کر چڑیل عورت کے لیے تازہ دفن کیا ہوا مردہ لانا ہے۔ میرے کانوں میں چڑیل عورت کا حکم بار بار گونج رہا تھا۔

"بیتال! اٹھ کر قبرستان میں جا اور میرے لئے تازہ مردہ قبر میں سے نکال کر لا۔"

میرا ضمیر اس طرح مطمئن تھا جیسے میں جب سے پیدا ہُوا ہوں چڑیل عورت کے واسطے قبرستان میں تازہ مردے نکال کر لا رہا ہوں۔ میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ مجھے اپنے وطن پاکستان بھی جانا ہے۔ اس چڑیل عورت نے میرے اوپر ہنڈیا میں جو مشروب نکال کر پھینکا تھا اس نے میری تمام نفسیات کو بدل دیا تھا۔ میں دالان عبور کر گیا۔ میں اس طرح چل رہا تھا جیسے کسی بہت بڑے کھلونے کو چابی دی گئی ہو اور وہ اپنے آپ چل رہا ہوں۔ دالان ختم ہو گیا۔ آگے ایک شکستہ دروازہ تھا جو کھلا تھا۔ دروازے کے پاس ہی ایک پھاوڑا رکھا ہُوا تھا۔ میں نے پھاوڑا اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ فضا میں اندھیرا سا چھایا ہُوا تھا۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ دن کا وقت ہے یا رات کا وقت ہے۔ میں چلا جا رہا تھا۔ آگے ایک تاریک گھاٹی آ گئی۔ میں گھاٹی اتر گیا۔ گھاٹی کے دونوں جانب دیواروں پر ایسی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں جن کی ٹہنیاں پھن کھولے ہوئے سانپوں کی طرح تھیں۔ میں خود اس طرح چل رہا تھا جیسے کسی قبر میں سے مردہ اُٹھ کر چلنے لگا ہو۔

آگے پھر ایک گھاٹی کی چڑھائی چڑھ کر میں کھلی جگہ پر آ گیا جہاں دور دور پہاڑی ٹیلے تھے۔ یہ سیاہ پہاڑیاں تھیں۔ ایک طرف درختوں کے جھنڈ تھے۔ میں اپنے آپ درختوں کے جھنڈ کی طرف جا رہا تھا۔ درخت بدشکل تھے اور ان کی ٹہنیوں پر کانٹے ہی

کانٹے تھے۔ کسی ٹہنی پر ایک بھی پتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہوا چل رہی تھی۔ ہوا میں مٹی کے تیل کی بدبو تھی مگر مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ مٹی کے تیل کی یہ بدبو مجھے بڑی اچھی لگ رہی تھی اور میرے جسم میں ایک نئی طاقت پیدا کر رہی تھی۔ درختوں کے جھنڈوں کے درمیان قبریں ہی قبریں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان میں ایک قبر کی مٹی ابھی تازہ تھی۔ خشک نہیں ہوئی تھی۔ کسی نے میرے دماغ کے اندر سے کہا کہ یہی تازہ قبر ہے۔ میں نے قبر کے پاس پہنچتے ہی پھاوڑا چلانا شروع کر دیا۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی یہ احساس نہیں ہو رہا تھا کہ کسی نے مجھے قبر کھودتے دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ میں ایسے تازہ قبر کھود رہا تھا جیسے آدمی کسی بھی جگہ پھاوڑا چلا کر زمین کھود رہا ہو۔ قبر کی مٹی تازہ اور بھربھری تھی۔ میں نے قبر کو ایک طرف سے کھودنا شروع کیا تھا۔ جب وہاں کافی گہرا شگاف پیدا ہو گیا تو میں نے پھاوڑا ایک طرف رکھ کر قبر کے شگاف میں سے جھانک کر دیکھا۔ مجھے کفن میں لپٹے ہوئے مردے کے پاؤں یا سر نظر آیا۔ میں نے دونوں ہاتھ اندر ڈال کر کفن کو ٹٹولا۔ یہ مردے کے پاؤں تھے۔ میں نے مردے کو کفن سمیت کھینچنا شروع کر دیا۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد مردہ کفن سمیت قبر سے باہر نکل آیا۔ میں نے اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور دوسرے ہاتھ میں پھاوڑا پکڑ کر چڑیل عورت کے آسیبی کھنڈر کی طرف چل پڑا۔ میرے قدم پورے ناپ تول کے ساتھ اٹھ رہے تھے۔ اس طرح میں زندگی میں کبھی نہیں چلا تھا۔ میرے ہر قدم کا فاصلہ ایک جیسا تھا۔ میں واقعی چابی دیا ہوا روبوٹ بن گیا تھا۔ میری انسانی حسیات بھی معطل ہو چکی تھیں۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ انسانیت کے خلاف کتنا بڑا جرم کر کے آ رہا ہوں اور اس جسم کی بے حرمتی کر رہا ہوں جس کی مرنے کے بعد ہر قوم ہر مذہب کے لوگ احترام کرتے ہیں۔ میں مردہ لے کر کھنڈر کے شکستہ دروازے کے پاس آیا تو کھنڈر کی منڈیروں پر بیٹھی ہوئی گدھیں شور مچاتی اڑتی ہوئی آئیں اور میرے سر کے اوپر منڈلانے لگیں۔ مگر کسی گدھ کو اتنی جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ میرے کندھے پر لٹکے ہوئے کفن پوش مردے کو ٹھونگا مارے۔ میں مردے کی لاش لے کر کوٹھڑی میں آ گیا۔ چڑیل ہنڈیا کے پاس

چھریاں اور چھوٹی کلہاڑیاں لے کر بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے کفن پوش مردہ اس کے آگے ڈال دیا۔ اس نے مردے کا کفن ایک ہی جھٹکے سے کھینچ کر الگ کر دیا۔ یہ کسی مرد کا مردہ تھا۔ چڑیل عورت نے میری طرف دیکھا کر کہا۔ "بیتال! تو نے میرا حکم مانا۔ جا اب سامنے والی دیوار کے ساتھ کھڑا ہو جا۔"

میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ چڑیل عورت نے مردے کے جسم پر چھریاں کلہاڑیاں چلانی شروع کر دیں۔ دیکھتے دیکھتے اس نے مردے کے کتنے ہی ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر ان کو کھانا شروع کر دیا۔ مجھے چڑیل عورت کے ہڈیاں چبانے کی آواز آ رہی تھی۔ مردے کے جسم کا سارا خون ابھی نہیں جما تھا۔ چڑیل عورت کے ہونٹ' منہ اور ہاتھ خون سے بھر گئے تھے۔ جب چڑیل عورت کا پیٹ مردے کے گوشت سے بھر گیا تو اس نے کھوپڑی کو دیوار میں کیل کے ساتھ ٹھونک دیا پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "بیتال! یہ باقی بچا ہوا گوشت اور ہڈیاں اٹھا کر اوپر چھت پر لے آ۔"

میں تو جیسے اس کے حکم کا غلام بن چکا تھا۔ جلدی سے کفن کی چادر میں خون آلود گوشت کے ٹکڑے اور ہڈیاں اکٹھی کر کے ڈالیں اور اس کی گٹھڑی بنا کر سر پر رکھی اور چھت پر لے آیا۔ چڑیل عورت میرے آگے آگے چل رہی تھی۔ مجھے اور چڑیل عورت کو دیکھتے ہی گدھیں شور مچاتیں' چیختی چلاتیں میرے سر کے اوپر گردش کرنے لگیں۔ چڑیل عورت نے کہا۔ "بیتال! میرے بچوں کو گوشت ڈال دے۔ انہیں بھوک لگی ہے۔"

میں نے کفن کھول کر مردے کی ساری بچی کھچی ہڈیاں اور گوشت گدھوں کو ڈال دیا۔ گدھیں ان پر جھپٹ پڑیں۔ چڑیل عورت نے کہا۔ "بیتال! میرے ساتھ آ۔"

وہ آگے آگے اور میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ مجھے کھنڈر کے دوسرے زینے میں سے اتار کر نیچے لے آئی۔ کھنڈر کے اس طرف ایک چھوٹا سا نسواری رنگ کا ٹیلہ تھا۔ وہ مجھے چلاتے ہوئے ٹیلے کے کے اوپر لے گئی۔ یہاں ایک جگہ پتھر کی بہت بڑی سل زمین پر پڑی تھی۔ اس نے مجھے حکم دیا۔ "بیتال! سل کو سرکا کر پرے کر دو۔"

میں نے سل کو ایک ہاتھ سے سرکا کر پرے کر دیا۔ سل کے نیچے ایک کنواں سا تھا۔ چڑیل عورت نے کہا۔ "بیتال! کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔"

میں تو حکم کا غلام بن گیا تھا۔ میں نے چڑیل عورت کا حکم سنتے ہی کنوئیں میں چھلانگ لگے دی۔ کنواں پندرہ بیس فٹ گہرا تھا۔

اس کی تہہ میں پانی نہیں تھا۔ گھاس پھوس اور جھاڑیاں پڑی تھیں۔ میں ان کے اوپر جا کر گرا۔ اوپر دیکھا۔ چڑیل عورت نے سل دوبارہ کنوئیں کے اوپر رکھ دی تھی۔ کنوئیں میں اندھیرا تھا۔ آج میں اس وقت کا تصور کرتا ہوں تو مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ میں اس وقت کوئی اور ہی آدمی تھا۔ مجھے نہ تو یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں اندھے کنوئیں میں بیٹھا ہوں اور نہ یہ خیال آتا تھا کہ میں ایک چڑیل عورت کا غلام ہو کر رہ گیا ہوں جو مجھ سے ایک گھناؤنا جرم کرا چکی ہے اور آگے نہ جانے کیا کچھ کرانے والی ہے۔

میں اسی طرح اطمینان کے ساتھ بند اندھے کنوئیں میں بیٹھا تھا جس طرح ایک کاکروچ یا سانپ اپنے بل میں سکون سے بیٹھا ہوتا ہے۔ جس طرح زمین کے نیچے بل میں گھس کر سوئے رہنے والے سانپ کو وقت کا احساس نہیں رہتا اسی طرح میرے ذہن سے بھی وقت کا احساس ختم ہو چکا تھا۔ پہلے تو مجھے یہ خیال بھی پریشان کرتا تھا کہ میں ناگن کے زمانے سے نکل کر اب کون سے زمانے میں آگیا ہوں۔ یہ کون سی صدی قبل از مسیحؑ ہے۔ اس وقت زمین کے اس حصے میں کس کی حکومت ہے اور یہاں سے میں واپس اپنے زمانے میں جانے کی کیا تدبیر کر سکتا ہوں' لیکن اب یہ احساس بھی ختم ہو چکا تھا۔ میں ایسے مطمئن تھا جیسے میں پیدا ہی چڑیل عورت کی خدمت گزاری کے لیے ہوا ہوں اور ایک عرصے سے اس کے لیے قبرستان سے مردے اکھاڑ کر لا رہا ہوں۔ میں کنوئیں میں بڑے ذہنی سکون کے ساتھ بیٹھا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ کنوئیں میں بھی موت ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی سی سنسناہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ یہ وقت کا احساس ہی ہے جو آدمی کو یہ بتاتا ہے کہ اب دن ہو گیا ہے۔ اب ایک دن گزر گیا ہے' اب دو دن گزر گئے ہیں۔ جب یہ احساس ہی ختم ہو جائے

تو آدمی کو بھی کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے اور اگر اسے کسی اندھے کنوئیں میں بند کر دیا جائے تو دن کے گزرنے اور رات کے گزرنے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن میرے ساتھ ایک یہ بات بھی ہو گئی تھی کہ تنہائی کا احساس بھی جاتا رہا تھا۔ اگر آدمی کو تنہائی کا احساس ہو تو اندھے کنوئیں میں شاید وہ دو دن بھی زندہ نہ رہ سکے۔ میں اندھے کنوئیں میں بھی اس طرح سکون کے ساتھ آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھا تھا جیسے اپنے گھر میں بیٹھا ہوں۔ میں بتا نہیں سکتا کہ مجھے اندھے کنوئیں میں کتنا وقت گزر چکا تھا کہ اوپر سے پتھر کی سل کے سرکنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھول کر اوپر دیکھا۔ کنوئیں کے کنارے وہی چڑیل عورت کھڑی تھی۔ اس نے نیچے رسہ لٹکایا اور حکم دیا۔ "بیتال! رسے کو مضبوطی سے پکڑ لو۔"

میں نے فوراً رسے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ چڑیل عورت رسا کھینچنے لگی۔ خدا جانے اس عورت میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی۔ وہ مجھے اس طرح کھینچ کر باہر لے آئی جس طرح آدمی کنوئیں میں ڈول ڈال کر کھینچ لیتا ہے۔ باہر کی فضا بالکل ویسی ہی تھی۔ آسمان پر کالے سیاہ بادل ہی بادل تھے۔ نہ دن تھا' نہ شام تھی' نہ رات تھی۔ خدا جانے یہ زمین کا کون سا خطہ تھا کہ جہاں ہر وقت بادل ہی چھائے رہتے تھے۔ نہ دن کی روشنی ہوتی تھی نہ رات کی تاریکی پھیلتی تھی۔ چڑیل عورت نے رسہ ایک طرف جھاڑیوں میں پھینک کر پتھر کنوئیں کے منہ کے اوپر دے دیا اور خرخراہٹ والی آواز میں بولی۔ "بیتال! میرے ساتھ چل۔"

میں اس کے غلام کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ مجھے دریا پر لے آئی۔ دریا میں کناوے کے ساتھ ایک کشتی کھڑی تھی۔ کشتی میں ایک کالا سیاہ آدمی جسم پر صرف ایک لنگوٹ باندھے چپو ہاتھوں میں تھامے بیٹھا تھا۔ چڑیل عورت نے کہا۔ "بیتال! میرا ماجھی تمہیں کشتی میں بٹھا کر دریا کے دوسرے کنارے ایک حویلی میں لے جائے گا۔ حویلی میں جا کر تمہیں کیا کرنا ہو گا یہ میرا ماجھی تمہیں بتا دے گا۔ جا! میرا حکم پورا کر اور واپس میرے پاس آ جا۔"

میں خاموشی سے کشتی میں بیٹھ گیا۔ کالے سیاہ فام مانجھی نے چپو چلانے شروع کر دیئے۔ کشتی دریا کے بہاؤ پر تیزی سے آگے کو چل پڑی۔ دریا کا پاٹ کافی چوڑا تھا۔ بہت آگے جا کر کالا بھجنگ مانجھی کشتی کو دریا کے دوسرے کنارے کی طرف لانے لگا۔ جہاں اس نے کنارے کے ساتھ کشتی لگائی' وہاں کسی بہت پرانی حویلی کی عقبی دیوار دریا کے اندر چلی گئی تھی۔ کالے مانجھی نے کہا۔ "بیتال! باہر آ جاؤ۔"

میں کشتی سے باہر آ گیا۔ اس نے پرانی حویلی کی دریا والی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تم اس حویلی کے اندر جاؤ گے۔ حویلی میں ایک دولت مند ہندو مر گیا ہے۔ اس کی لاش دالان میں پڑی ہو گی۔ اس کے رشتے دار اردگرد بیٹھے رو رہے ہوں گے۔ تم دالان میں سے گزر کر کونے والے کمرے میں جاؤ گے۔ اس کمرے میں مرے ہوئے ہندو کی نوجوان بیوی کو خاوند کی لاش کے ساتھ ستی ہو جانے کے لیے تیار کیا جا رہا ہو گا۔ تم اس کمرے میں ایک طرف کھڑے ہو کر انتظار کرو گے۔ ہندو کی نوجوان بیوی کو پجاری اور پجارنیں خاوند کے ساتھ چتا پر زندہ جلا دینے کی تیاریاں کر رہی ہوں گی۔ جب وہ عورت کو پوری طرح تیار کر لیں گی تو اس کے جسم پر سیندور اور زعفران چھڑک کر اسے اکیلے میں اشلوک پڑھنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا جائے گا۔ اس وقت تم اس عورت کی گردن کو بائیں ہاتھ سے چھوؤ گے۔ عورت بے ہوش ہو جائے گی۔ تم اسے اٹھا کر کندھے پر ڈال لو گے اور سیدھے یہاں آ جاؤ گے۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔ جاؤ بیتال جاؤ! اور مرگھٹ کی ماتا کا حکم پورا کرو۔"

میں نے کہا۔ "وہ لوگ مجھے دیکھ لیں گے۔ جب میں عورت کو کاندھے پر ڈال کر باہر نکلوں گا تو سب مجھے پکڑ لیں گے۔"

کالے مانجھی نے اپنی لنگوٹی میں سے ایک کالا موتی نکال کر مجھے دیا۔ بولا۔ "اس کالے موتی کو اپنے منہ میں رکھ لو۔ جب تک یہ موتی تمہارے منہ میں رہے گا تم سب کو دیکھو گے مگر تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

میں نے کالا موتی لے کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ کالا موتی منہ میں رکھتے ہی میں خود

اپنی نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں حویلی کی طرف چل پڑا۔ حویلی کے دروازے کے باہر بانس جوڑ کر ایک بہت بڑا بھوپان یعنی ہندو مردوں کو شمشان بھومی لے جانے والا جنازہ تیار کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ کچھ پجاری لوگ بھوپان کے گرد بیٹھے منتر پڑھ رہے تھے اور بھوپان پر زعفران کے چھینٹے مار رہے تھے۔ میں ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ میں نظر تو آ نہیں رہا تھا' مجھے کسی نے بھی نہ دیکھا۔ میں دالان میں آ گیا۔ یہاں دولت مند ہندو کی لاش فرش پر پڑی تھی۔ لاش کے سرہانے اور اردگرد عورتیں بیٹھی بین کر رہی تھیں۔ میں ان کے قریب سے بھی گزر گیا۔ کسی نے مجھے نہ دیکھا۔ کونے میں حویلی کا ایک کمرہ تھا۔ میں اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ وہاں چوکی پر ایک نوجوان عورت سر جھکائے بیٹھی تھی۔ پجاری اور پجارنیں اسے ستی ہونے کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ وہ شادی والا جوڑا پہنے ہوئے تھی۔ سر پر پھولوں کا تاج رکھا تھا۔ گلے میں بھی پھولوں کے ہار پڑے تھے۔ پجاری اور پجارنیں اونچی آواز میں منتر پڑھ رہی تھیں۔ میں کونے میں چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر کے بعد پجاری اور پجارنیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے عورت کے لباس پر زعفران اور سیندور کے چھینٹے ڈالے اور بڑے پجاری نے کہا۔ "اب تو سورگ میں اپنے پتی دیو کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی بسر کرے گی۔ میں تمہیں ایک منتر بتاتا ہوں۔ اس منتر کو ایک سو ایک بار پڑھتی جانا۔ یہ منتر تمہیں اکیلے میں پڑھنا ہو گا۔ اس وقت تمہارے پتی دیو کی آتما اس کمرے میں موجود ہو گی۔ جب تو منتر ختم کر لے گی تو ہم یہاں آ کر تمہیں ستی ہونے کے لیے لے جائیں گے۔"

بڑے پجاری نے عورت کو ایک منتر پڑھ کر یاد کرایا اور کہا۔ "اس کو ایک سو ایک بار پڑھنا۔ تمہارے پتی کی آتما تمہارے پاس آ جائے گی۔"

سارے پجاری اور پجارنیں کمرے سے باہر نکل گئیں۔ عورت پجاری کا بتایا ہوا منتر پڑھنے لگی۔ میں کونے میں خاموش کھڑا تھا اور پجارنیں اور پجاری وغیرہ کے باہر جانے کا انتظار کرنے لگا۔ جب سارے پجاری باہر نکل گئے۔ عورت اکیلی رہ گئی اور اس نے

پندرہ بیس مرتبہ منتر دہرایا تو میں اس کی طرف بڑھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھا لیا۔ عورت دبلی پتلی تھی۔ عورت خوف زدہ ہو کر کچھ بولنے لگی تھی کہ میں نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے پتی دیو کی آتما ہوں۔"

عورت ایک دم چپ ہو گئی۔ مگر اس کا جسم خوف سے لرز رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ عورت باہر نکلنے پر کہیں شور نہ مچا دے۔ ایک اچھی بات یہ ہوئی تھی کہ جیسے ہی میں نے عورت کو گود میں اٹھایا تھا وہ بھی میری طرح غائب ہو گئی تھی۔ پھر بھی خطرہ تھا کہ عورت خوف کے مارے چیخنے نہ لگے۔ میں نے اس کی گردن کو اپنے بائیں ہاتھ سے چھو دیا' عورت اسی وقت بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اسے کندھے پر ڈالا اور کمرے سے نکل کر دالان کی طرف بڑھا۔ وہاں سب پجاری پجارنیں بیٹھی اشلوک پڑھ رہی تھیں۔ میں ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ کسی نے مجھے نہ دیکھا۔ حویلی کے احاطے سے نکل کر میں دریا کی طرف چل پڑا۔

O=========☆=========O
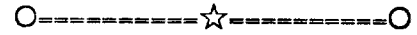
کشتی دریا کے کنارے کھڑی تھی۔

کشتی میں کالا بھجنگ مانجھی بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں چونکہ غائب تھا اس لئے وہ مجھے کشتی کی طرف آتا نہیں دیکھ رہا تھا۔ کشتی کے قریب پہنچ کر میں نے کالا موتی منہ سے نکال دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں اور میرے کندھے پر پڑی بے ہوش عورت دونوں ظاہر ہو گئے۔ مجھے دیکھ کر کالا مانجھی اٹھ کھڑا ہوا۔ سب سے پہلے اس نے کہا۔ "کالا موتی واپس کر دو بیتال!"

میں نے کالا موتی اسے دے دیا۔ اس نے کالے موتی کو اپنی لنگوٹی میں چھپا کر رکھ لیا اور بولا۔ "جلدی سے کشتی میں بیٹھ جاؤ۔ عورت کو درمیان میں لٹا دو۔"

میں نے ایسا ہی کیا۔ مانجھی چپو چلاتے ہوئے اسے دریا کے دوسرے کنارے کی طرف لے جانے لگا۔ میں بت کی طرح کشتی میں بیٹھا تھا۔ عورت کشتی کے فرش پر بے ہوش پڑی تھی۔ کشتی بڑی تیزی سے کنارے کو چھوڑ کر دریا کے دوسرے کنارے کی طرف جا رہی تھی۔ دریا کا دوسرا کنارہ اسی طرح ویران ویران سا تھا جیسا کہ ہم اسے چھوڑ کر آئے تھے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں بے ہوش عورت کو کاندھے پر اٹھائے چڑیل عورت کے کھنڈر کی طرف چل پڑا۔ کالا بھجنگ مانجھی وہیں سے کشتی موڑ کر واپس چلا گیا

تھا۔ میں بے ہوش عورت کو لے کر کھنڈر کے دالان میں آیا تو دالان خالی سنسان پڑا تھا۔ میں چڑیل عورت کی کوٹھڑی کی طرف بڑھا۔ اس عورت نما چڑیل یا چڑیل نما عورت نے میرے کندھے پر بے ہوش عورت کو دیکھا تو خوشی سے ایک قہقہہ لگایا اور بولی۔ "بیتال! اسے یہاں رکھ دے۔"

میں بے ہوش عورت کو اس کے آگے ڈال کر خود ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ چڑیل عورت نے پہلے ہی سے چھریاں کلہاڑے تیار کر رکھے تھے۔ میرے سامنے چند لمحوں میں اس نے بے ہوش عورت کے جسم کی بوٹی بوٹی الگ کر دی اور مزے لے لے کر کھانے لگی۔ میں چپ چاپ کھڑا یہ خونیں منظر دیکھتا رہا۔ میرے ذہن میں اس فعل کے خلاف کوئی ردعمل پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ میں یوں اطمینان سے یہ منظر دیکھ رہا تھا جیسے یہ کوئی معمول کے مطابق ہونے والی بات ہو۔ چڑیل عورت کا جب پیٹ بھر گیا تو اس نے عورت کی کھوپڑی دیوار میں کیل کے ساتھ ٹھونک دی پھر میری طرف دیکھا اور بولی۔ "بیتال جا اپنے کنوئیں میں جا کر آرام کر۔"

میں اسی وقت مشین کے پرزے کی طرح چل پڑا جس کا بٹن دبا دیا گیا ہو۔ میں اپنے آپ کنوئیں پر پہنچ گیا۔ وہاں سے اندر چھلانگ لگا دی۔ کسی نے پتھر کی سل کنوئیں کے اوپر سرکا دی۔ خدا جانے یہ چڑیل عورت خود تھی یا اس کا کوئی کالا بھجنگ مانجھی میرے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ کنوئیں کا منہ بند ہوتے ہی اندھیرا چھا گیا اور میں جیسے خلا میں معلق ہو گیا تھا۔ وقت کا احساس ایک بار پھر غائب ہو گیا۔ جانے ایک دن دو دن یا ایک ہفتہ گزر گیا تھا کہ کنوئیں کے اوپر پتھر کھسکانے کی آواز آئی۔ میں نے اوپر دیکھا۔ پتھر کی سل کنوئیں پر سے ہٹ رہی تھی۔ پھر اوپر سے ایک کالے سیاہ فام غلام نے کہا۔ "بیتال! تجھے رانی جی نے بلایا ہے۔ رسی پکڑ کر باہر نکل آیا۔"

اس نے رسی لٹکا دی۔ میں اسے پکڑ کر کنوئیں سے باہر آ گیا۔ سیاہ فام غلام مجھے اپنے ساتھ چڑیل عورت کی کوٹھڑی میں لے گیا۔ چڑیل عورت چھریاں کلہاڑے تیز کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر بولی۔ "بیتال قبرستان میں جا۔ وہاں رات کو ایک نیا مردہ دفن کیا گیا ہے۔ اسے میرے لئے نکال کر لے آ۔ جا دیر نہ کر۔"

میں الٹے پاؤں قبرستان کی طرف چل دیا۔ اس وقت بادل اور زیادہ گہرے سیاہ ہو رہے تھے۔ قبرستان میں ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میری وہ حس جو چڑیل عورت نے مجھ پر جادو کا پانی پھینک کر بیدار کر دی تھی' اس نے مجھے بتایا کہ جس تازہ دفن شدہ مردے کی تمہیں تلاش ہے وہ قبرستان کی دوسری جانب ہے۔ میں اسی طرف چلنے لگا۔ آخر ایک قبر دیکھی جس پر تازہ مٹی پڑی ہوئی تھی۔ یہ تازہ کھدی ہوئی ایک قبر تھی۔ میں نے ہاتھوں سے ہی قبر کی پائنتی کی طرف بیٹھ کر قبر کی مٹی ایک سوراخ کی شکل میں کھودنا شروع کر دی۔ مٹی نرم تھی۔ آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد قبر میں ایک کافی بڑا گول سوراخ بن گیا۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ اندھیرے میں مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔ میرا ہاتھ مردے کے کفن میں لپٹے ہوئے پیروں سے ٹکرایا۔ میں نے دوسرا ہاتھ بھی اندر ڈال دیا۔ مردے کے دونوں پاؤں مضبوطی سے پکڑے اور اسے آہستہ آہستہ کھینچنے لگا۔ جب کفن میں لپٹا ہوا مردہ قبر سے باہر نکال لیا تو مجھے محسوس ہوا کہ مردے کا پیٹ اوپر نیچے ہو رہا ہے۔ کیا مردہ سانس لے رہا ہے؟ کیا اسے زندہ دفن کر دیا گیا تھا؟ میں نے مردے کے پیٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔ مردہ سانس لے رہا تھا۔ میں نے جلدی سے مردے کے چہرے سے کفن ہٹا دیا۔ یہ ایک منڈے ہوئے سر والے ایک نوجوان اور خوبصورت آدمی کا چہرہ تھا۔ اس کا رنگ کالا نہیں تھا بلکہ کھلتا ہوا تھا۔ بند آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ ناک ستواں اور جبڑا چوڑا تھا۔ یہ کسی اعلیٰ خاندان کا نوجوان لگتا تھا۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ مرا ہوا نہیں تھا۔ چڑیل عورت نے مجھے تازہ قبر میں سے مردہ لانے کا حکم دیا تھا۔ یہ مردہ زندہ تھا۔ میں نے اس کفن پوش سانس لیتے مردے کو قبر سے باہر نکال لیا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھا اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

اچانک مردے نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کی آنکھوں میں بڑی رحم بھری جھلک تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی شفاف تھیں۔ میں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ مردے کے ہونٹ ہلے۔ اس نے کہا۔

"اگر تم مجھے قبر سے باہر نہ نکالتے تو میں کچھ دیر بعد مر گیا ہوتا۔ میں تمہارا یہ احسان ساری عمر نہیں بھولوں گا۔ اب ایک اور کام کرو۔ میرے سر کے پیچھے کھوپڑی اور گردن کے درمیان سونے کی ایک کیل ٹھکی ہوئی ہے۔ اسے کھینچ کر باہر نکال دو۔ جب تک یہ کیل باہر نہیں نکالو گے' میں کوئی حرکت نہیں کر سکوں گا۔"

میں اس کے سرہانے کی طرف آگیا۔ میں نے اس کا سر ذرا اوپر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے سر اور گردن کے درمیان ایک سنہری کیل دھنسی ہوئی تھی۔ میں نے کیل کو انگلیوں میں پکڑ کر زور سے باہر نکال دیا۔ کیل کے باہر نکلتے ہی مردہ زندہ ہو گیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب وہ مجھے غور سے دیکھنے لگا' بولا۔ "لگتا ہے تم پر کسی بدروح کا سایہ ہے۔ میرے قریب آؤ۔"

میں اس کے قریب ہو گیا۔ اس نے زمین پر سے چٹکی بھر مٹی اٹھائی۔ مٹی پر کچھ منتر پڑھ کر پھونکا اور مٹی میرے جسم پر چھڑک دی۔ میں اپنی اصلی انسانی حالت میں واپس آگیا۔ اب میں چڑیل عورت کا غلام بیتال نہیں تھا جس کا کام اس کے لیے قبروں میں سے تازہ مردے لا کر دینا تھا۔ مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ نوجوان نے کفن اپنے جسم کے گرد لپیٹا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ "تمہیں کس نے قبر کھود کر مردہ نکالنے کے لیے بھیجا تھا؟"
میں نے اسے ساری بات بیان کر دی۔ وہ بولا۔ "مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تم خود کوئی مردار خور بدروح نہیں ہو بلکہ کسی بدروح کے قبضے میں ہو اور اسی کے طلسم کے زیر اثر یہ کام کر رہے ہو۔"
میں نے کہا۔ "میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے مجھ پر کیا ہوا جادو اتار دیا۔"

نوجوان کہنے لگا۔ "ابھی تمہیں ایک اور کام کرنا ہے۔ سنو! پہلے میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں کون ہوں اور مجھے زندہ حالت میں کس نے دفن کروایا تھا۔ میرا نام شکتال ہے۔ ہم دھرتی کے نیچے جو دیوی دیوتا رہتے ہیں ان کے پجاری ہیں ۔ اسی لئے ہم اپنے مردوں کو جلانے کی بجائے دفن کر کے اپنا آپ دھرتی کو واپس کر دیتے ہیں ۔"

اس نے بتایا کہ وہ وہاں سے سینکڑوں کوس دور ایک چھوٹی سی ریاست کے راجہ کا شاہی پجاری ہے۔ ہمارے پجاریوں کے کئی قبیلے ہیں۔ "ان قبیلوں کی صدیوں سے آپس میں دشمنی چلی آ رہی ہے۔ ایک بڑا پجاری جو زبردست جادوگر بھی ہے اس نے مجھے اپنے قبضے میں کر لیا اور میری گردن میں طلسمی کیل ٹھونک کر مجھے بے حس کر دیا۔ اس کے بعد اس کے آدمی میری لاش کو کشتی کے ذریعے دریا میں سفر کرتے اس قبرستان میں لائے اور مجھے دفن کر دیا۔ میں زندہ تھا مگر طلسمی کیل کی وجہ سے کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھ پر بڑے پجاری نے جو منتر پھونکا تھا اس کے اثر سے قبر میں دفن ہونے کے چوبیں گھنٹے بعد مجھے خود بخود مر جانا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی کہ میرے مرنے میں جب صرف چند لحات باقی رہ گئے تو تم نے مجھے قبر سے باہر نکال دیا۔ میں تمہارے احسان کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔
میں نے کہا۔ "شکتال! پہلے مجھے یہ بتاؤ یہ کون سا زمانہ ہے' کون سی صدی ہے؟"
شکتال بولا۔ "یہ سب کچھ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے کہا تھا تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔"
"کون سا کام؟" میں نے پوچھا۔

شکتال نے کہا۔ "جس چڑیل کا تم پر سایہ تھا اور جس نے تمہیں اپنے قبضے میں کر رکھا تھا وہ ایک بدکار عورت تھی اور اپنے خاوند کو چھوڑ کر دوسرے آدمیوں کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرتی تھی۔ ایک سادھو نے اسے سراپ (بددعا) دی اور وہ عورت چڑیل بن گئی۔ پہلے وہ صرف مردے کھاتی تھی مگر اب معلوم ہوا ہے کہ اس نے زندہ عورتوں اور مردوں کو بھی کھانا شروع کر دیا ہے۔ پس میں سب سے پہلے اس چڑیل عورت کو ہلاک کر کے انسانوں کو اس عورت کے عذاب سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو مردہ ہی ظاہر کروں گا۔ تم مجھے اس چڑیل کے سامنے لے جاؤ۔ اس کے بعد میں سارا کچھ سنبھال لوں گا۔"
میں نے کہا۔ "اسے پتہ تو نہیں چل جائے گا کہ اس نے مجھ پر جو جادو پھونکا تھا وہ

ختم ہو چکا ہے؟"

"نہیں۔" شکتال بولا۔ "تم یہی ظاہر کرنا کہ تم اور تمہاری روح اس کے جادو کے زیر اثر ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا اسے تمہارا ابھی پتہ نہیں چلے گا کہ تم مردہ نہیں ہو' زندہ ہو؟"

شکتال نے کہا۔ "اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ میرے جسم کے اندر جھانک کر میری اصلیت معلوم کر سکے۔ تم بے فکر رہو اور مجھے صرف "مردہ" حالت میں اس چڑیل کے سامنے لے چلو۔"

میں نے کہا۔ "اب جبکہ میں ایک آسیب زدہ آدمی کے بجائے اپنی اصلی انسانی حالت میں آگیا ہوں تو میں اپنے اندر اتنی طاقت محسوس نہیں کر رہا کہ میں تمہیں کندھے پر اٹھا کر لے چلوں۔"

شکتال بولا۔ "میں چڑیل کے کھنڈر تک تمہارے ساتھ پیدل چلوں گا۔ وہاں سے تمہیں مجھے کندھے پر ڈال کر ہی چڑیل کے پاس لے جانا ہوگا' تاکہ وہ یہی سمجھے کہ تم اس کے لیے قبر کا تازہ مردہ لائے ہو اور فکر نہ کرو۔ جب کھنڈر میں جانے کے بعد تم مجھے اپنے کندھے پر ڈالو گے تو میں اپنے جسم کا آدھا وزن اپنے جادو کے ذریعے غائب کر دوں گا۔"

شکتال کو لے کر میں چڑیل عورت کے کھنڈر کی طرف چل پڑا۔ کھنڈر تک شکتال میرے ساتھ پیدل چلتا رہا۔ کھنڈر کے قریب آ کر اس نے کہا۔ "اب مجھے اپنے آپ کو مردہ ظاہر کرنا ہے۔ تم مجھے اپنے کندھے پر ڈال لو۔"

شکتال نے اپنے جسم کے گرد کفن اس طرح لپیٹ لیا جس طرح مردے کو لپیٹا جاتا ہے۔ وہ کچھ زیادہ بھاری تھا مگر جب میں نے اسے اٹھا کر کندھے پر رکھا تو مجھے ایسے لگا جیسے میں نے پرانے کپڑوں کی ایک گٹھڑی کاندھے پر رکھ لی ہو۔ یہ بھی کوئی بڑے کمال کا جادوگر تھا کہ اس نے اپنے جسم کا آدھے سے زیادہ وزن زمین پر سے اوپر اٹھا لیا تھا۔ میں نے بھی اپنا چہرہ اسی طرح بنا لیا جس طرح بیتال کا ہوتا تھا۔ یعنی چہرے پر کوئی تاثر نہیں

تھا۔ بالکل سپاٹ چہرہ تھا۔ میں شکتال کو اٹھائے کھنڈر کے دالان میں سے گزر کر چڑیل عورت کی کوٹھڑی میں آگیا۔ چڑیل عورت اسی طرح چوکی پر بڑے تھال میں چھریاں کلہاڑیاں لئے بیٹھی میری راہ دیکھ رہی تھی۔ میرے کندھے پر پڑا ہوا کفن پوش مردہ دیکھ کر اس کی سرخ سرخ آنکھیں خوشی سے دہکنے لگیں۔ بولی۔ "بیتال! تو نے آج بڑی دیر لگا دی۔ کیا بات تھی؟"

میں نے بیتال کے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مردہ بھاری ہے۔ آہستہ آہستہ چل کر آیا ہوں۔"

چڑیل عورت نے چھری اٹھا لی اور بولی۔ "لاؤ اسے میرے آگے ڈال دو۔ ابھی اس کا بوجھ ہلکا کرتی ہوں۔"

میں نے شکتال کو چڑیل کے آگے ڈال دیا۔ چڑیل بولی۔ "یہ بڑا صحت مند مردہ ہے۔ اس کا گوشت کھا کر مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

اب مجھے یہ ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شکتال کے کچھ کرنے سے پہلے چڑیل اس کی گردن پر چھریاں چلانی شروع کر دے۔ کیونکہ میں نے یہ دیکھا تھا کہ چڑیل مردے کی سب سے پہلے گردن الگ کرتی تھی۔ لیکن شکتال کوئی مردہ نہیں تھا۔ وہ زندہ تھا۔ جیسے ہی چڑیل نے اس کی گردن پر چھری چلانے کے لئے ہاتھ اٹھایا شکتال نے اس کا ہاتھ جھٹک کر چھری اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور آن کی آن میں وہی چھری چڑیل عورت کی گردن کے آر پار کر دی۔ چڑیل کی گردن سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے گردن پکڑے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب شکتال بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے تھال میں سے کلہاڑی اٹھائی اور پوری طاقت سے چڑیل کے سر پر وار کیا۔ کھوپڑی دو ٹکڑے ہو گئی۔ چڑیل چکرا کر فرش پر گر پڑی اور تڑپنے اور حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکالنے لگی۔ شکتال نے کہا۔ "چلو۔ یہاں سے نکل چلو۔ اس کا کام تمام ہو چکا ہے۔ اب یہ نہ کسی مردے کی بے حرمتی کر سکے گی اور نہ کسی زندہ انسان کو کھائے گی۔"

ہم کوٹھڑی سے نکل کر دالان میں سے دوڑتے ہوئے کھنڈر سے باہر آ گئے۔

شکتال بولا۔ "دریا کی طرف چلتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟"

میں دوڑنے لگا تو شکتال نے میرا بازو پکڑ لیا اور کہا۔ "دوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چڑیل کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اب وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کھنڈر میں اس کی لاش گل سڑ کر مٹی ہو جائے گی۔"

ہم عام رفتار سے چلتے ہوئے دریا کنارے پہنچ گئے۔ یہاں درختوں کے ایک جھنڈ میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا۔ ہم اس پر بیٹھ گئے۔ شکتال نے کفن اپنے جسم کے گرد چادر کی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔ "یہ عورت مردہ خور بھی تھی اور آدم خور بھی۔ جس روز تمہیں قبرستان سے تازہ دفن کیا ہوا مردہ نہ ملتا اس روز اس نے تجھے کھا جانا تھا۔"

میں نے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں شکتال کہ تم نے اس عورت کو ہلاک کر کے اور مجھے اس کے طلسم سے آزاد کر کے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔"

شکتال نے میرا ہاتھ بڑی محبت سے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "دوست! اصل احسان تم نے مجھ پر کیا ہے جو عین وقت پر آ کر مجھے قبر سے نکال لیا۔ اگر تم نہ آتے تو میری لاش کو اس وقت قبر کے اندر کیڑے مکوڑے کھا رہے ہوتے۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے احسان کا بدلہ کس طرح اتار سکتا ہوں؟"

مجھ پر اگر کوئی مہربانی کر سکتا تھا تو ایک ہی طرح سے کر سکتا تھا کہ کسی طرح مجھے میرے اپنے زمانے میں پہنچا دے۔ شکتال کے پاس بھی کافی طلسمی طاقت تھی۔ اس کا مظاہرہ میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کو اپنے دل کا راز بتا دینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔ "شکتال دوست! اگر تم واقعی میرے احسان' جس کو میں احسان نہیں سمجھتا' کا بدلہ اتارنا چاہتے ہو تو کسی طرح مجھے ساڑھے پانچ ہزار برس آگے کے زمانے میں پہنچا دو۔ کیونکہ میں اسی زمانے کا باشندہ ہوں۔ ایک طلسم کے ذریعے اس زمانے میں پہنچ گیا ہوں۔"

اور اس کے بعد میں نے اپنے دل کا حال اسے کھول کر بیان کر دیا۔ شکتال بڑے غور سے میری باتیں سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر کبھی ایسا تاثر آ جاتا جیسے حیران ہو رہا ہو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صدی سے نکل کر آدمی پچھلی صدیوں میں پہنچ جائے۔ کسی وقت اس کے چہرے پر ایسا تاثر آ جاتا جیسے اسے میری کسی بات کا یقین نہیں ہو رہا۔ جب میں نے اپنی کہانی ختم کی تو اس نے کہا۔ "مجھے وہ تعویذ دکھاؤ جو تمہیں عمارہ نام کی نجومی عورت نے دیا تھا۔" پہلے تو میں تعویذ شکتال کو دیتے ہوئے ہچکچایا۔ شکتال بولا۔ "مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں تمہارا دوست بن گیا ہوں اور جب تک ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔ مَیں تمہارا قابلِ اعتماد دوست ہی رہوں گا۔"

مَیں نے کپڑا ہٹا کر بازو پر سے تعویذ اتار کر شکتال کو دے دیا۔ شکتال نے تعویذ کا چمڑا اتار کر اسے کھولا نہیں۔ باہر ہی سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر تعویذ ہونٹوں کے قریب لے جا کر اسے سونگھا اور بولا۔ "تمہارا اصلی نام کیا ہے اور تم کس دیوتا کی پرستش کرتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میرا اصلی نام سلطان ہے۔" (یہاں میں نے اسے اپنا اصلی نام بتایا تھا مگر آپ یہی سمجھیں کہ میں نے سلطان ہی بتایا تھا۔)

شکتال بولا۔ "یہ کیسا نام ہے؟ تمہارے بڑے دیوتا کا کیا نام ہے؟"

مَیں نے کہا۔ "دوست! مَیں مسلمان ہوں۔ ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اسی کو اول و آخر کا خالق سمجھتے ہیں۔"

شکتال مجھے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "یہ فرعون کون تھے اور فرعون کی نیک روح کون تھی جس نے تمہارے حق میں دعا کی تھی؟"

مَیں نے اسے بتایا کہ مصر کے قدیم بادشاہوں کو فرعون کہا جاتا تھا' وہ لوگ اگلی زندگی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ آدمی مرنے کے بعد ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں اسے زندہ رہنے کے لیے ان تمام چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے جن کو وہ اپنی دنیاوی زندگی میں استعمال کرتا رہا ہے۔ چنانچہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنے عزیز و

اقارب کی حنوط شدہ لاشوں کے ساتھ کپڑے' نقدی' دو چار برتن اور تیر کمان تلوار ضرور رکھ دیتے تھے۔ فرعون چونکہ بادشاہ تھے اس لئے ان کے ساتھ ان کا سونے چاندی اور جواہرات کا خزانہ بھی دفن کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ڈاکو لٹیرے خزانے کے لالچ میں اہراموں میں سیندھ لگا کر خزانے میں سے جو کچھ بھی ہاتھ آتا تھا نکال کر لے جاتے تھے۔ ہمارے زمانے میں اہرام کھولے گئے تو لوگ خزانے میں سے کافی کچھ لوٹ کر لے گئے۔

"ایسے ہی ایک فرعون کا نام آمون تھا۔ اس کی قبر کا اہرام کھودا گیا تو اندر بے پناہ خزانہ موجود تھا۔ یوں سمجھ لو کہ میں نے فرعون کی میت کی بے حرمتی نہیں کی جس سے متاثر ہو کر فرعون کی رحم دل روح حاضر ہو گئی اور اس نے مجھے کہا کہ جب تک میں زمانہ قدیم میں رہوں گا' زندہ رہوں گا۔ خواہ ایک ہزار سال ہی کیوں نہ گزر جائیں۔ اس فرعون کی روح کو میں نے کاہن اعظم قابوس کے طلسم کی قید سے آزاد بھی کیا تھا۔ فرعون نے میرے تعویذ کے بارے میں بتایا کہ جب تک یہ تعویذ تمہارے بازو سے بندھا ہے تم پر کسی جادو کا اثر نہیں ہوگا۔"

شکنتال کے لبوں پر ہلکا ہلکا تبسم تھا۔ اس نے پوچھا۔ "اگر تم بہت آگے کی صدیوں سے نکل کر آئے ہو تو ہمارے زمانے کی زبان اتنی آسانی سے کیسے بول اور سمجھ لیتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "یہ طاقت بھی مجھے فرعون کی رحم دل روح نے دی تھی کہ میں جس زمانے میں' جس صدی میں جاؤں گا وہاں کی زبان بول اور سمجھ سکوں گا۔"

شکنتال خاموش ہو گیا۔ لگتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ تعویذ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے دو تین بار بڑے غور سے دیکھ چکا تھا اور اسے سونگھا بھی تھا۔ کہنے لگا۔ "اس تعویذ میں سے سات آسمانوں کی خوشبو آ رہی ہے۔"

اس نے مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ پھر میرے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھا۔ کہنے لگا۔

"تمہارے ہاتھ کی لکیریں بتا رہی ہیں کہ یہ ہماری صدی کے لوگوں کی لکیریں نہیں ہیں۔ پھر بھی اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو دنیا کا بہت بڑا طلسم تم پر کیا گیا ہے۔ لیکن تمہارے بیان کی سچائی کو پرکھنے کے لیے مجھے تمہارا چھوٹا سا امتحان لینا ہوگا۔"

"کس قسم کا امتحان؟" میں نے پوچھا۔

شکنتال بولا۔ "اگر تم اس امتحان کے لیے تیار ہو تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اگر تیار نہیں ہو تو پھر بتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

میں نے اس خیال سے کہہ دیا کہ میں امتحان دینے کو تیار ہوں کہ ہو سکتا ہے یہ شخص میرا مددگار ثابت ہو سکے اور مجھے واپس میرے وطن پاکستان پہنچا دے۔ جب میں نے امتحان کی حامی بھر لی تو شکنتال نے کہا۔ "دریا میں ایک رات کے سفر کے بعد میرے گورو جی کا گاؤں آتا ہے۔ میں واپس اپنی ریاست میں نہیں جا سکتا کیونکہ وہاں کے دشمن قبیلے کا پجاری مجھے زندہ دیکھ کر مجھے جان سے مارنے کی کوشش کرے گا۔ ہم جادو ضرور جانتے ہیں مگر اپنے جادو سے دوسرے جادوگر کا وار مشکل سے بچا پاتے ہیں۔ تم میرے ساتھ میرے گورو جی کے گاؤں چلو گے۔ وہاں گورو جی تمہارا امتحان لیں گے کیونکہ وہ زمین کے اوپر اور زمین کے اندر کا سارا حال جانتے ہیں۔"

میں نے سوچا کہ گورو جی کے پاس بھی چل کر دیکھ لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ گورو جی ہی مجھے میری واپسی کی کوئی تدبیر بتا دیں۔ ہم دریا کے کنارے کنارے چل پڑے۔ شکنتال بولا۔ "یہاں سے چھ کوس آگے بہاؤ کی طرف وشال گھاٹ ہے۔ وہاں سے بڑی کشتیاں ہمارے گاؤں کی طرف جاتی ہیں۔ جو ساری رات دریا میں سفر کرتی ہیں۔"

چھ کوس تک ہم پیدل سفر کرتے رہے۔ وشال گھاٹ سے ہم ایک بڑی بادبانی کشتی میں سوار ہو گئے اور گورو جی کے گاؤں کی طرف ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ دن ڈھل چکا ہے اور رات کا اندھیرا چھا رہا ہے۔ بادبانی کشتی ساری رات دریا میں سفر کرتی رہی۔ سورج طلوع ہونے کے کچھ ہی دیر بعد کشتی ایک گھاٹ پر جا کر لگ گئی۔ ہم بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ کشتی سے اتر گئے۔ شکنتال میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ایک جانب درختوں کے پیچھے گاؤں کے مکان نظر آ رہے تھے۔ شکنتال نے بتایا کہ یہی گورو جی کا گاؤں ہے۔ شکنتال کے گورو جی گاؤں کے باہر گنجان درخت کے

نیچے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے معبد میں ہمیں ملے۔ وہ ایک دالان میں تخت پر بیٹھے ایک عجیب شکل والی کالی مورتی کی پوجا پاٹھ کر رہے تھے۔ شکتال کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ بولے۔ "شکتال یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیا سچ مچ تم زندہ ہو۔ تمہیں تو ایک دن پہلے دفن کر دیا گیا تھا۔"

شکتال نے گورو کو ساری کہانی سنا ڈالی اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میری زندگی اس نوجوان نے بچائی ہے۔ اگر یہ وقت پر مجھے قبر سے نہ نکال لیتا تو گورو جی! آج میں آپ کے درشن کرنے کے لیے زندہ نہ ہوتا۔"

اس کے بعد شکتال نے اپنی زبانی میری زندگی کے عجیب و غریب انقلاب کی کہانی سنا دی۔ گورو جی مجھے حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ شکتال نے انہیں میرا تعویذ دکھایا۔ گورو جی تعویذ کو پہلے تو دیکھتے رہے پھر سونگھنے لگے۔ بولے۔ "اس تعویذ سے بہت آگے کے زمانے کی خوشبو آ رہی ہے۔ یہ خوشبو ہمارے زمانے کی خوشبو نہیں ہے۔ لیکن اس طلسم کی تصدیق کے کے لیے مجھے اس نوجوان کو پرکھنا ہو گا۔ کیا تم امتحان دینے کے لیے تیار ہو؟"

گورو جی نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے کہا۔ "میں بالکل تیار ہوں۔"

گورو جی نے میرا تعویذ مجھے واپس دیتے ہوئے کہا۔ "اسے اپنے بازو پر باندھ لو۔ اب اسے کبھی اپنے جسم سے الگ نہ کرنا۔ یہ تمہارا محافظ اور رکھوالا ہے۔"

میں نے تعویذ اپنے بازو پر باندھ لیا۔ گورو جی اپنی کوٹھڑی میں چلے گئے۔ اندر سے وہ ایک بید کی ٹوکری اٹھا لائے۔ ٹوکری میں کپڑے میں لپٹی ہوئی کچھ چیزیں تھیں۔ ان میں سفید پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ ایک نوکیلا نشتر تھا۔ میں گھبرا گیا کہ خدا جانے گورو میرے جسم پر نشتر چلانے والا ہے۔ گورو جی نے میرے دل کی بات پا لی تھی۔ مسکرا کر کہا۔ "فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔ مجھے تمہارے جسم میں سے خون کا صرف ایک قطرہ نکالنا ہو گا۔"

انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور میرے ہاتھ کے انگوٹھے کے نیچے نشتر چبھو کر خون کا ایک قطرہ پتھر کے سفید ٹکڑے پر ڈال دیا۔ پھر انہوں نے آگ جلا کر سفید پتھر کے ٹکڑے کو اس پر گرم کیا اور دیر تک بڑے غور سے خون کے قطرے کو دیکھتے رہے جو گرم ہو کر پتھر پر سکڑ گیا تھا۔ انہوں نے پتھر کا ٹکڑا اور نشتر صاف کر کے ٹوکری میں رکھ دیا۔ پھر اپنے شاگرد شکتال کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "شکتال! اس نوجوان نے جو کہانی تمہیں اپنے بارے میں سنائی ہے' وہ بالکل سچی کہانی ہے۔ یہ ہماری دنیا کا آدمی نہیں ہے۔"

مجھے یہ سن کر تھوڑا سا سکون ہوا کہ چلو ان لوگوں کو یہ تو یقین آیا کہ میں تاریخ کے ترقی یافتہ سائنسی دور سے نکل کر ان کے زمانے میں آ گیا ہوں۔ اب یہ لوگ ضرور میرے لئے کچھ کریں گے۔ شکتال بولا۔ "گورو جی! یہ اپنے زمانے میں واپس جانا چاہتا ہے۔ اس کے گھر والے دوست احباب نئے زمانے میں اس کی جدائی میں بے قرار ہوں گے۔ آپ کرپا کر کے کوئی ایسا منتر تلاش کریں جو اسے واپس اس دنیا سے نکال کر اس کے اپنے زمانے میں پہنچا دے۔"

گورو جی نے اب مجھ سے پوچھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا۔ "گورو جی! جو کچھ شکتال نے کہا ہے' میں بھی وہی چاہتا ہوں۔ اگر آپ مجھے میرے زمانے میں واپس پہنچا دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔"

گورو جی بولے۔ "یہ بہت مشکل کام ہے۔ مگر میں تمہاری خاطر کوشش ضرور کروں گا تاکہ تم واپس جا کر اپنے بھائیوں اور اپنی بہنوں سے مل سکو اور ان کے دل شاد ہوں۔"

جھونپڑی کے کونے میں ایک قد آدم مٹی کا مٹکا رکھا ہوا تھا۔ گورو جی نے مجھ سے اس مٹکے کے اندر بیٹھنے کو کہا۔ میں ذرا ہچکچایا تو گورو جی بولے۔ "بیٹا! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں منتر کا جاپ کر کے تمہیں تاریخ کے پچھلے زمانے کی طرف ضرور لے جاؤں گا۔ اب تم اپنے زمانے میں پہنچتے ہو یا نہیں' یہ تمہاری اپنی قسمت کا کھیل ہو گا۔"

میں نے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہیں میں اس کے پیچھے پتھر اور دھات کے زمانے میں نہ پہنچ جاؤں۔"

گورو نے کہا۔ "ایسا ناممکن ہے۔ میرا منتر تمہیں پیچھے کے زمانے میں ہی لے جائے گا۔ اگر تمہاری قسمت نے تمہارا ساتھ دیا تو میرا منتر بھی اس وقت تک تمہارا ساتھ دے گا' جب تک کہ تم اپنی دنیا میں نہیں پہنچ جاتے لیکن اگر تمہاری قسمت نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو پھر میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ تم کہاں پہنچ جاؤ گے۔ لیکن یہ اطمینان رکھو کہ تم آگے کے زمانے میں نہیں جاؤ گے۔"

کچھ نہ ہونے سے تھوڑا کچھ ہو جائے' یہ بھی غنیمت تھا۔ اور پھر کیا خبر قسمت میرا ساتھ دے اور میں اپنے وطن پاکستان پہنچ جاؤں۔ میں نے گورو جی سے کہا۔ "مجھے یقین ہے اس بار قسمت ضرور میرا ساتھ دے گی۔"

گورو جی بولے۔ "جاؤ مٹکے میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ دیوتا تمہاری حفاظت کریں گے۔ اور سنو' جب میں تمہیں کہوں کہ آنکھیں بند کر کے سانس روک لو تو تم اسی وقت آنکھیں بند کر کے سانس کو روک لینا۔"

میں نے کہا۔ "میں ایسا ہی کروں گا گورو جی۔"

میں شکتال کے گلے لگ کر اس سے رخصت ہوا اور مٹکے پر چڑھ گیا۔ مٹکا بالکل اس طرح بنا ہوا تھا جیسے کسی نے بہت بڑا تنور بنا کر باہر سکھانے کے لیے رکھا ہوا ہو۔ اس کے اوپر لکڑی کا ڈھکنا پڑا تھا۔ میں نے ڈھکنا ہٹا کر اندر جھانک کر دیکھا۔ اندر اندھیرا تھا۔ گورو جی کی آواز آئی۔ "ڈرو نہیں مٹکے میں اتر جاؤ۔"

اور میں مٹکے میں اتر گیا۔ اوپر سے ڈھکنا بند کر دیا گیا۔ مٹکے میں کالی رات چھا گئی۔ مٹکے کے اندر گیلی مٹی کی سیلی سیلی بو پھیلی ہوئی تھی۔ میں درمیان میں گھٹنے بازوؤں میں لے کر بیٹھ گیا اور خدا کو یاد کرنے لگا۔ باہر سے گورو کے منتر پڑھنے کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ مٹکے کے اندر کسی نہ کسی جگہ سے آکسیجن والی تازہ ہوا آ رہی تھی۔ مجھے سانس لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے بازو کو ٹٹولا۔ تعویذ کپڑے کے نیچے

میرے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ اس خیال سے میرے دل میں دہشت سی پیدا ہو رہی تھی کہ میں اس مٹکے کے اندر سے ساڑھے پانچ ہزار برس آگے کے زمانے میں کیسے پہنچ سکوں گا۔ یہ خیال بھی پریشان کر رہا تھا کہ اگر قسمت نے ساتھ چھوڑ دیا تو نہ جانے کہاں پہنچ جاؤں۔

گورو کے منتروں کے جاپ کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بڑے تیز تیز منتر پڑھ رہے تھے۔ پھر اچانک منتروں کی آواز رک گئی۔ مٹکے کے باہر اور اندر ہولناک سناٹا چھا گیا۔ مجھے اپنے دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔ اتنے میں گورو جی کی آواز آئی۔ "بیٹا آنکھیں بند کر کے سانس روک لے۔"

میں نے آنکھیں بند کر کے لمبا سانس اندر کو کھینچا اور سانس کو باہر جانے سے روک لیا۔ باہر سے گورو کے ایک نعرہ سا لگانے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے احساس ہونے لگا کہ میں پانی میں ڈوبا ہوا ہوں اور ہاتھ پاؤں چلا رہا ہوں۔ سانس میں نے پہلے ہی روکا ہوا تھا' آنکھیں بھی بند تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول دیں تو دیکھا کہ میں پانی کے اندر ہوں اور میرے اردگرد مچھلیاں بھی ہیں۔ جب میرا دم گھٹنے لگا تو میں اس طرح جلدی جلدی ہاتھ پاؤں چلانے لگا کہ پانی سے باہر نکل آؤں۔ دوسرے لمحے میرا سر پانی سے باہر نکل آیا۔ میں نے پہلے تو تین چار لمبے لمبے سانس لے کر اپنے آپ کو ٹھیک کیا کیونکہ میں کافی گہرائی سے پانی کی سطح پر آیا تھا۔

اب جو چاروں طرف نگاہ ڈال کر دیکھتا ہوں تو وہاں نہ کوئی کوٹھڑی ہے' نہ گورو جی ہیں' نہ شکتال ہے۔ اس کی بجائے اونچے اونچے سیاہ پہاڑ کھڑے ہیں۔ ان پہاڑوں کے درمیان وہ جھیل ہے جس میں سے میں نے ابھی ابھی سر باہر نکالا ہے۔ کنارے پر مخروطی سیاہ چٹانوں کے پاس دس بارہ قرمزی رنگ کی لمبی لمبی قباؤں والے سرمنڈے آدمی کھڑے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک نیزہ ہے۔ ان کے درمیان ایک چھوٹا سا تخت بچھا ہوا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ گورو جی کا منتر تو مجھے لے اڑا تھا مگر قسمت نے میرا ساتھ نہیں دیا اور میں بیسویں صدی عیسوی اور ساڑھے پانچ ہزار سال کے درمیان کسی

جگہ نکل آیا ہوں۔ مجھے افسوس بہت ہوا۔ اپنی قسمت پر رونا آگیا' مگر میں مجبور تھا' کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ مجھے اب صرف یہ دیکھنا تھا کہ کنارے پر لمبی لمبی قباؤں اور منڈے ہوئے سروں والے لوگ کون ہیں اور کون سی نئی آفت میرا انتظار کر رہی ہے اور میں کون سے زمانے میں آگیا ہوں۔ میں کنارے کی طرف تیرنے لگا۔

مجھے کنارے کی طرف آتا دیکھ کر ان آدمیوں میں سے دو آدمی میری طرف بڑھے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں تھال تھا جس میں زرق برق پوشاک تھی۔ میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے وگرنہ یہ اس طرح میری طرف نہ آتے جیسے میرا خیرمقدم کرنے آرہے ہوں۔ جیسے ہی میں جھیل سے نکل کر کنارے پر آیا۔ لمبی قرمزی قبا والے آدمی نے تھال میں سے گہرے سرخ رنگ کی زرق برق قبا کھول کر میری طرف بڑھا دی اور کہا۔ "مہاراج یوگراج! پوشاک پہن لیجئے۔ رانی کمپالینی آپ کے لیے پریشان ہو رہی ہوں گی۔ آپ نے نہانے میں آج بڑی دیر لگا دی۔"

میں نے سب سے پہلے اپنے جسم کو دیکھا۔ میرے جسم پر سوائے ایک لنگوٹی کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھے جو آدمی سمجھ رہے ہیں اگرچہ میں وہ نہیں ہوں لیکن اس کا حیرت ناک حد تک ہم شکل ضرور ہوں۔ یہ اطمینان ضرور ہو گیا کہ کم از کم میں کسی اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہونے سے بچ گیا ہوں۔

میں پوشاک پہننے لگا۔ انہیں یہ کہنے کا نہ تو کوئی فائدہ تھا اور نہ میں کوئی ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ جو وہ مجھے سمجھ بیٹھے ہیں میں وہ نہیں ہوں۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ جس نئے ماحول میں' میں پھنس گیا ہوں وہاں اطمینان سے بیٹھ کر ایک بار پھر بیسویں صدی کے پاکستان' اپنے وطن میں پہنچنے کی کوئی سبیل کروں۔ وہ لوگ کوئی نابینیں بھی نہیں تھے۔ ظاہر ہے انہوں نے اگر مجھے مہاراج یوگراج سمجھا تھا تو یونہی نہیں کہا تھا یا تو میں ان کے یوگراج مہاراج کا بالکل ہم شکل تھا یا پھر قسمت اصلی مہاراج یوگراج کو غائب کرکے اس کی جگہ مجھے یہاں لے آئی تھی۔

میں نے اپنے آپ کو ایک بار پھر قسمت کے حوالے کر دیا۔

میں مہاراج یوگراج ہی بن گیا۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ مجھ سے کسی کو پہچاننے یا کسی جگہ کا غلط نام لینے کی غلطی نہ ہو' اس سے ان لوگوں میں میرے بارے میں شک پیدا ہو سکتا ہے کہ میں کوئی جادوگر ہوں جو ان کے اصلی یوگراج کو غائب کر کے جادو کے ذریعے اس کی شکل میں ظاہر ہو گیا ہوں۔ مجھے بے حد احتیاط کی ضرورت تھی۔ ورنہ کسی ناقابل حل مصیبت میں گرفتار ہو سکتا ہوں۔ میں نے بڑے اطمینان سے پوشاک یعنی گہرے سرخ رنگ کی لمبی قبا پہن لی۔ اسی آدمی نے میرے سر پر تھال میں سے مور کے پنکھ والا چھوٹا سا تاج اٹھا کر رکھا اور بولا۔ "مہاراج! اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"

ان کی زبان کا پہلا جملہ کان میں پڑنے کے بعد میں ان کی زبان سمجھنے لگا تھا۔ میں نے ان کی زبان میں کہا۔ "اب طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ ہمیں رانی کمپالینی جی کے پاس لے چلو۔"

یہ بات واضح تھی کہ میں یہاں کی کسی چھوٹی سی شہری ریاست کا راجہ ہوں گا اور کمپالنی میری رانی ہوگی اور یہ لوگ محل کے خاص محافظ یا پجاری وغیرہ ہوں گے۔ تھال میں سے ہیرے جواہرات کے ہار اٹھا کر میرے گلے میں ڈال دیئے گئے۔ وہی آدمی تھال میں سے ہیرے موتیوں کا بازو بند اٹھا کر میرے بازو پر باندھنے لگا تو میرے بازو پر پہلے سے بندھا تعویذ دیکھ کر بولا۔ "مہاراج! یہ آپ نے کیا باندھ لیا ہے؟ پہلے تو آپ کے بازو خالی ہوتے تھے۔"

ابھی تک مجھے اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس کا نام یا درباری عہدہ معلوم کرنا ضروری تھا۔ میں نے کہا۔ "یہ راز میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔"
اس آدمی نے سر جھکا کر ادب سے کہا۔ "جو حکم مہاراج۔ سیناپتی آپ کا وفادار ہے۔"

اور میرے دونوں بازوؤں پر قیمتی جڑاؤ بند باندھ دیئے۔ وہ مجھے زمین پر رکھے تخت کی طرف لے گئے۔ میں تخت پر گاؤ تکئے کے سہارے بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی دو لمبی قباؤں والے سرمنڈے آدمیوں نے جو کافی ہٹے کٹے تھے' تخت کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور

پہاڑ کی طرف چل پڑے۔ جس شخص نے بڑھ کر میرا خیر مقدم کیا تھا اور مجھے سرخ رنگ کی قبا پہنائی تھی اس نے اپنے آپ کو سیناپتی کہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ دربار کا وزیر خاص ہو گا۔ سیناپتی میرے تخت کی ایک جانب برابر میں چل رہا تھا۔ دوسری طرف دوسرا لمبی قبا والا آدمی چل رہا تھا۔ آگے آگے چھ سات لمبی قباؤں والے آدمی ہاتھوں میں نیزے لئے چل رہے تھے۔ یہ عجیب و غریب جلوس پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو میں نے دن کی روشنی میں دیکھا کہ پہاڑ کی ڈھلان پر سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جو پہاڑ کے اوپر تک جاتی ہیں۔ یہاں مجھے پہلی بار اوپر ایک سیاہ رنگ کی دیوار کھڑی دکھائی دی۔ یہ راجہ کے قلعے یا محل کی دیوار ہو گی اور یہ سیڑھیاں محل تک جاتی تھیں۔

پہاڑ کی چڑھائی زیادہ سیدھی نہیں تھی۔ معمولی سی ڈھلان تھی۔ سیڑھیاں پتھر کی تھیں اور کافی کشادہ تھیں۔ جب یہ جلوس پہاڑ کی چوٹی پر قلعے کے سامنے پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قلعے کے بہت بڑے دروازے اور ہمارے درمیان کوئی ساٹھ ستر فٹ لمبا ایک پل بنا ہوا ہے۔ جس کے نیچے خندق میں پانی بھرا ہوا ہے اور پانی میں بڑے بڑے مگرمچھ تیر رہے ہیں۔ قلعے کے دروازے پر بھی لمبی قباؤں والے نیزہ بردار سپاہی کھڑے تھے۔ ان کے سروں پر پیتل کے خود پڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے سر جھکا دیئے۔ زینے پر سے سیناپتی کو ایک کرسی پر بٹھا کر اٹھا لیا گیا تھا۔ یہ جلوس قلعے میں داخل ہو گیا۔ میں سوچنے لگا کہ میں یہ کس دنیا میں آ گیا ہوں اور یہاں سے نکل کر کس طرف جاؤں گا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

قلعے کی ایک ڈیوڑھی تھی۔ ڈیوڑھی کے آگے ایک باغ تھا جس میں درخت اور پھول عجب بہار دے رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ باغ کے قطعوں میں نیم عریاں جوان اور خوبصورت عورتیں ایک دوسرے کو پیار کر رہی تھیں۔ میری سواری کو باغ میں سے گزرتا دیکھ کر تمام عورتیں ایک دوسری کے الگ ہو گئیں اور انہوں نے اپنے سر جھکا دیئے۔ باغ کے دوسرے قطعے میں شراب کے دور چل رہے تھے۔ یہاں نیم عریاں مرد ایک دوسرے سے پیار محبت کر رہے تھے۔ میری سواری کو دیکھ کر وہ بھی ایک

دوسرے سے الگ ہو کر ادب سے سر جھکائے کھڑے ہو گئے۔ آگے ایک بڑا حسین اور دیدہ زیب محل تھا جس کے دروازے میں صرف نیم عریاں عورتیں ادب سے کھڑی تھیں۔ جب ہماری سواری محل کے دروازے میں سے گزری تو ان عورتوں نے میرے تخت پر پھول برسائے اور مہاراج یوگراج کی جے' مہاراج سورگ راج کی جے' کے نعرے لگائے۔

یہ تو مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ یہاں دیوی دیوتاؤں اور مورتیوں کی پوجا کرنے والا مذہب رائج ہے یعنی وہی مذہب جو آگے چل کر ہندوؤں کا مذہب بن گیا۔ مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ زمانہ کون سی صدی عیسوی کا ہے۔ ان لوگوں کے لباس سے میں نے تھوڑا بہت یہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کی کوئی صدی ہے۔ محل کے دروازے کی دوسری طرف پھر ایک پرفضا باغ تھا جہاں فوارے چل رہے تھے۔ درختوں پر پھول کھلے تھے۔ روشوں پر نیم عریاں عورتیں اور مرد ہاتھوں میں ہاتھ دیئے ہنستے مسکراتے ایک دوسرے سے پیار محبت کرتے آزادانہ چل پھر رہے تھے۔ میری سواری دیکھ کر وہ ایک دم سے مودب ہو گئے اور سر جھکا دیئے اور جے سورگ راج کی جے کے نعرے لگائے۔ سورگ کے معنی مجھے معلوم تھے۔ میں سوچنے لگا سورگ راج کے نعرے کا مطلب ہے کہ یہاں بہشت کی حکومت ہے؟ کیونکہ سنسکرت میں سورگ بہشت کو کہتے ہیں۔ باغ کی دوسری طرف لمبے برآمدے کے چوکور ستونوں پر تازہ پھولوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔ برآمدے میں اندر کی جانب ریشمی پردے گرے ہوئے تھے۔ ان پردوں کا رنگ گہرا سرخ تھا۔ میرا تخت برآمدے کی سنگ مرمر کی سیڑھیوں کے پاس رکھ دیا گیا۔ سیناپتی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "مہاراج یوگ راج! اب اپنے محل میں رانی جی کے پاس تشریف لے جائیں گے۔"

میرے سامنے سیڑھیاں دو ستونوں تک جاتی تھیں۔ دونوں ستونوں کے درمیان مخمل کا سرخ پردہ گرا ہوا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ محل میں داخلے کا راستہ ان ستونوں کے درمیان ہی ہو سکتا ہے۔ میں بڑے وقار کے ساتھ تخت پر سے اتر کر سیڑھیاں چڑھتا

جب پردے کے قریب آیا تو اندر سے کسی نے پردہ ہٹا دیا۔ یہ دو کنیزیں تھیں جنہوں نے میری سواری کو آتا دیکھ لیا تھا اور عین جب میں پردے کے قریب آیا تو انہوں نے اپنی اپنی جانب سے پردے کو ہٹا دیا۔ میرے سامنے ایک راہ داری تھی جس پر قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر مرد عورتوں کے آپس میں پیار محبت کرنے کی عریاں رنگین تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ دونوں جانب کنیزیں مور چھل لئے ادب سے کھڑی تھیں۔ جیسے ہی میں راہداری میں داخل ہوا دو انتہائی نازک اندام کنیزیں میرے دائیں بائیں ذرا پیچھے ہٹ کر چل پڑیں۔ ایک کنیز آگے آگے چلنے لگی۔ ایک جگہ دیوار میں دروازہ تھا جس کے باہر دو کنیزیں ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے کھڑی تھیں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے یہ تلواریں نیچے کر لیں اور سروں کو ادب سے جھکا دیا۔ جو کنیز آگے آگے چل رہی تھی اس نے پردے کے قریب جا کر کہا۔ "سورگ راج کی مہارانی کے پاس سورگ کے یوگراج تشریف لا رہے ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ کمرے کے اندر سے ایک اور کنیز نے پردہ ہٹا دیا۔ میں کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرہ کیا تھا کسی حسین خواب کا محل لگتا تھا۔ دھیمی دھیمی روشنیاں ہو رہی تھیں۔ یہاں بھی دیواروں پر عریاں مردوں اور عورتوں کی بڑی بڑی رنگین تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ فرش پر قالین ہی قالین تھے۔ سامنے ایک جڑاؤ تخت پر ایک عورت سر پر جواہرات کا تاج رکھے بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی تخت سے اتر کر دونوں بازو پھیلا کر میری طرف بڑھی۔ یا خدا! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں اور یہ لوگ مجھ میں کیا دیکھ رہے ہیں۔ مگر حالات کا تقاضا یہی تھا کہ جب تک یہ لوگ کسی غلط فہمی میں رہتے ہیں انہیں غلط فہمی میں ہی رکھا جائے اور یہاں سے آگے اپنی صدی میں پہنچنے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو وہ نکالی جائے۔

یہ میری رانی کمپالینی تھی۔ اس نے صرف ایک ریشمی لہنگا اور انگیا پہن رکھی تھی۔ گلے، بازوؤں اور کمر میں ہیرے جواہرات کے ہار، جڑاؤ بازو بند اور لعل و گوہر کے کمربند دمک رہے تھے۔ کانوں میں نیلم کے بندے تھے۔ اس کی عمر پچیس اور تیس سال

کے درمیان ہوگی۔ اس کا نام مجھے معلوم ہو گیا ہوا تھا۔ میرا نام شاید یوگ راج ہی تھا۔ کیونکہ سیناپتی نے سب سے پہلے مجھے اسی نام سے یاد کیا تھا۔ رانی کمپالینی مجھ سے لپٹ گئی۔ کہنے لگی۔ "یوگ راج جی! تم نے اشنان میں اتنی دیر کیوں لگا دی؟"

میں نے اسی کی زبان میں کہا۔ "میری کنول کے پھولوں سے زیادہ حسین رانی! میں جھیل میں تیرتا دور نکل گیا تھا۔"

رانی نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو۔ میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے میری پیاری؟ تم اس طرح میری طرف کیوں دیکھ رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "مہاراج! تم نے مجھے کبھی کنول کے پھولوں سے زیادہ حسین رانی کہہ کر نہیں بلایا۔ میں اس لئے حیران ہو رہی ہوں۔ تم تو ہمیشہ مجھے میری موہنی کہا کرتے ہو۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آج مجھے تم پر زیادہ پیار آ رہا ہے۔"

اس نے اپنا سر میرے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ عورت ایک تو اتنی زیادہ خوبصورت نہیں تھی۔ دوسرے اس کے بال کھردرے تھے۔ تیسرے اس کا جسم اس کی عمر سے زیادہ ڈھل چکا تھا اور چوتھی بات یہ تھی کہ اس کے جسم سے ناگوار سی بو نکل رہی تھی۔ میں اسے لے کر تخت پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں کسی جڑی بوٹی کے تیل کے فانوس روشن تھے جن کی روشنی دھیمی اور مدہم تھی۔ اتنے میں دو کنیزیں شراب کے جام چاندی کی تھالی میں رکھ کر لے آئی۔ میں نے تھوڑا سا مشروب پیا۔ یہ کوئی شربت تھا۔ کنیزیں چلی گئیں تو رانی بولی۔ "یوگ راج جی! تمہیں تو معلوم ہی ہو گا آج رات دھرتی کا سب سے بڑا جادوگر گنگولی ہمارے سورگ منڈل میں آ رہا ہے۔ اس کی ہمیں بڑی خاطر تواضع کرنی ہوگی۔"

میں نے کہا۔ "وہ تو ہم ضرور کریں گے۔"

رانی بولی۔ "وہ بڑا خطرناک جادوگر ہے۔ اس کے پاس آکاش ناگن کا مہرہ ہے جسے منہ میں رکھ کر آدمی غائب ہو جاتا ہے۔ میں بھی جادوگرنی ہوں۔ تم بھی جادوگر ہو۔ ہمارا

سیناپتی بھی جادوگر ہے۔ مگر ہم میں سے کسی کے پاس آدمی کو غائب کر دینے کا جادوئی منتر نہیں ہے۔"

آہستہ آہستہ خودبخود مجھے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور ان میں کیا کیا طاقتیں ہیں۔ یہ عورت، جو میری رانی تھی، بھی جادوگرنی تھی مگر اس نے میرے بارے میں جو یہ کہا تھا کہ میں بھی جادوگر ہوں تو اس سے میں تھوڑا پریشان ضرور ہو گیا تھا۔ کیونکہ مجھے کسی قسم کا طلسم یا جادو نہیں آتا تھا۔ البتہ میرے بازو پر ایک تعویذ بندھا تھا جس کی وجہ سے مجھ پر کسی قسم کے طلسم یا جادو کا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے رانی سے پوچھا۔ "موہنی جی! پھر تم کیا چاہتی ہو کہ ہم گنگولی جادوگر سے آکاش ناگن کا مہرہ مانگیں؟"

وہ بولی۔ "گنگولی اس مہرے کی قیمت جانتا ہے۔ وہ اس مہرے کو اپنے سے کبھی جدا نہیں کرے گا۔ آج تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ گنگولی جادوگر آکاش ناگن کا مہرہ کہاں چھپا کر رکھتا ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

رانی کہنے لگی۔ "میں یہ مہرہ گنگولی جادوگر سے ضرور حاصل کرنا چاہتی ہوں اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ گنگولی جادوگر یہ مہرہ اپنے جسم میں کہاں چھپا کر رکھتا ہے۔ اس کے بعد اسے غافل پا کر یہ مہرہ چرا لیا جائے۔"

میں نے کہا۔ "ہم جادو کے ذریعے یہ معلوم کیوں نہیں کر لیتے کہ گنگولی یہ مہرہ کہاں چھپا کر رکھتا ہے؟"

رانی نے ایک بار پھر تعجب سے میری طرف دیکھا اور بولی۔ "یوگ راج جی! آج آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ گنگولی پر کسی کا کوئی طلسم نہیں چل سکتا۔ الٹا اگر اسے معلوم ہو گیا کہ ہم اس کا مہرہ اڑانا چاہتے ہیں تو وہ ہمارا دشمن بن جائے گا اور اس کی دشمنی ہمیں تباہ کر سکتی ہے۔"

میں اس کی باتوں سے بور ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "تو پھر تم ہی بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

رانی بولی۔ "میرا خیال ہے کہ سورگ کی رقاصہ کنچن اس کام میں ہماری مدد کر سکتی ہے۔ آج رات گنگولی کی آمد پر ہم سورگ میں ایک شاندار دعوت بھی دے رہے ہیں۔ آج رات کو ہی کنچن اسے خوب مدہوش کر کے اس سے آکاش ناگن کے مہرے کا راز معلوم کر سکتی ہے کہ وہ اسے کہاں چھپا کر رکھتا ہے۔ کنچن کو ویسے بھی گنگولی جادوگر بہت پسند کرتا ہے۔ جب بھی ہمارے سورگ میں آتا ہے کنچن ہی کا رقص دیکھتا ہے اور کنچن ہی کے ہاتھ سے جام پیتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "پھر ٹھیک ہے تم کنچن سے بات کرو۔"

رانی بولی۔ "میں آج ہی اس سے بات کرتی ہوں۔ اس کو مجھ سے ایک غرض بھی ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے، بلکہ میں اسے کہوں گی کہ تم مجھے آکاش ناگن کا مہرہ گنگولی سے کسی طرح چرا کر دے دو۔ میں تمہاری غرض اسی وقت پوری کر دوں گی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا وہ مان جائے گی اور اتنا بڑا خطرہ مول لے لے گی؟"

رانی کہنے لگی۔ "کنچن کو مجھ سے بہت بڑا کام ہے اور یہ کام سوائے میرے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھ لو اس کام پر کنچن کی زندگی اور موت کا انحصار ہے۔ اس کے لیے وہ اپنی جان کی بازی بھی لگانے کو تیار ہو جائے گی۔ میں ابھی اسے بلا کر اس سے بات کرتی ہوں۔ تم سورگ منڈل والے اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔"

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میرا سورگ منڈل والا کمرہ کہاں ہے۔ مگر میں رانی سے یہ سوال نہیں کر سکتا تھا کہ میرا سورگ منڈل والا کمرہ کہاں ہے۔ میں اس سے رخصت ہونے لگا تو اس نے بڑی محبت سے کہا۔ "تم تو ہمیشہ میرا منہ چوم کر مجھ سے رخصت ہوتے ہو۔ آج کیا بھول گئے؟"

میں نے کہا۔ "معاف کر دینا موہنی جی! آج بھول گیا تھا۔"

اس نے اپنا منہ آگے کیا۔ میں نے اس کے منہ پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ یقین

کریں مجھے ایسے لگا جیسے میں کسی گھوڑے کا منہ چوم رہا ہوں۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنا منہ رانی کے ہونٹوں سے الگ کیا اور کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ میں پردہ ہٹا کر راہ داری میں آیا تو باہر کھڑی دو محافظ کنیزوں میں سے ایک کنیز نے جھک کر کہا۔ "آقا! آپ اپنے بھون میں جا رہے ہیں تو میں آپ کی حفاظت کے لیے ساتھ چلوں گی۔"

میں نے دل میں کہا کہ چلو یہ بھی اچھا ہوا' راستے کی ایک اور رکاوٹ دور ہو گئی۔ میں نے کہا۔ "ہاں۔ چلو۔"

وہ میرے پیچھے چلنے لگی تو میں نے کہا۔ "نہیں۔ میرے آگے آگے چلو۔"

کنیز نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "جو حکم مہاراج!"

اور وہ میرے آگے آگے چل پڑی۔

یہ ایک چھوٹا کمرہ تھا مگر اس زمانے کے مطابق ہر قسم کی سہولیات سے آراستہ تھا۔ کنیز مجھے دروازے تک چھوڑ کر واپس چلی گئی تھی۔ میں پلنگ پر گاؤ تکئے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ میں اسی لائن پر سوچنے لگا کہ اگر آکاش ناگن کا مہرہ جو گنگولی جادوگر کے قبضے میں ہے کسی طرح میرے ہاتھ آ جائے تو میں غائب ہو کر یہاں سے بڑی آسانی سے نکل سکتا ہوں۔ پھر خیال آیا کہ یہاں سے نکل کر کیا کروں گا۔ یہاں بھی مجھے واپس اپنی دنیا میں جانے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ کسی دوسری جگہ چلا گیا تو وہاں بھی یہی صورت حال ہو گی۔ یہاں میرے وجود کو کوئی فوری خطرہ بھی نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آگے جا کر اجنبی زمینوں پر دربدری کرنے کی بجائے میں اسی سورگ منڈل میں بیٹھ کر یہ سراغ لگاؤں کہ یہاں سے اپنی دنیا میں جانے کی کوئی سبیل پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہوں کہ مجھے یہاں سے کس طرف کو نکل جانا چاہیے۔

پھر میرا خیال کنچن رقاصہ کی طرف چلا گیا۔ یہ کوئی بڑی ہوشیار اور چالاک قسم کی لڑکی ہو سکتی تھی جس کو رانی کمپالنی نے اپنے اعتماد میں لے رکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ کنچن شاید میری کوئی مدد کر سکے' مگر اس کا بھی مجھے پوری طرح یقین نہیں تھا۔ مجھے

یوگراج کے کمرے میں بیٹھے جب ایک گھنٹہ گزر گیا۔ (یہ میرا اندازہ تھا) تو کنیز نے آ کر کہا کہ مہارانی جی آپ کو بلا رہی ہیں۔ میں رانی کے کمرے میں گیا تو وہ قالین پر ٹہل رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو میری طرف بڑھی۔ میرا ہاتھ تھام لیا۔ بولی۔ "کنچن پہلے ڈر رہی تھی۔ پھر میرے یقین دلانے پر کہ میں اسے ایک ایسا اگنی منتر بتاؤں گی جس کو یاد کر لینے کے بعد اس پر گنگولی تو کیا دنیا کے کسی بڑے سے بڑے جادوگر کے طلسم کا اثر نہیں ہو گا' پھر وہ راضی ہو گئی۔"

میں نے پوچھا۔ "رانی! کیا تمہارے پاس ایسا کوئی طلسم ہے؟"

رانی کے چہرے پر مکارانہ تبسم نمودار ہوا کہنے لگی۔ "اس سے آکاش ناگن کا مہرہ اڑانے کے لیے یہ جھوٹ بولنا بہت ضروری تھا۔"

میں نے کہا۔ "اور اگر گنگولی جادوگر نے اسے موقع پر پکڑ لیا اور اسے اپنے جادو کی طاقت سے جلا کر بھسم کر دیا تو؟"

رانی مسکرائی۔ "تو ہم دونوں پھر کوئی اور ترکیب سوچیں گے۔ میں کنچن کو ڈھال بنا کر دشمن پر وار کر رہی ہوں۔"

میں خاموش رہا۔ رات کو گنگولی جادوگر کی سورگ بھون میں بڑی زبردست دعوت ہوئی۔ محل اور قلعے کی تمام دوشیزائیں نیم عریاں لباس میں موجود تھیں۔ رات گئے تک دعوت جاری رہی۔ گنگولی جادوگر نے ایک دوبار میری طرف بڑے غور سے دیکھا تھا۔ مجھے اس سے یہی خطرہ لگا رہا کہ کہیں اپنے طلسم کے زور سے وہ یہ معلوم نہ کر لے کہ میں اصلی یوگراج نہیں ہوں بلکہ اس کی جگہ پر کوئی آوارہ گرد اس کا ہم شکل ہوں لیکن گنگولی بہت شراب پی رہا تھا۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی پسندیدہ عورت یعنی کنچن اسے شراب پلا رہی تھی اور کنچن کو چونکہ جادوگر کا مہرہ چرانا تھا اس لئے وہ اسے اتنا بے ہوش کر دینا چاہتی تھی کہ جب وہ اسے خواب گاہ میں لے جائے اور اس کی تلاشی لے تو جادوگر کو کچھ پتہ نہ چل سکے۔ میں اور رانی ہال میں ایک تخت پر بیٹھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ جب جادوگر گنگولی کی حالت بے ہوش

ہونے کے کنارے تک پہنچ گئی تو کنیزوں نے اسے اٹھایا اور اس کی خواب گاہ کی طرف لے گئیں۔ کنچن ان کے ساتھ گئی۔

رانی نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "کنچن آج رات کامیاب لوٹے گی؟"

اور ایسا ہی ہوا۔ ہم ابھی اپنی خواب گاہ میں سونے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ کنچن آ گئی۔ رانی نے بے تابی سے پوچھا۔ "کیا مہرہ مل گیا؟"

کنچن نے مٹھی میں سے مہرہ نکال کر رانی کو دیا اور بولی۔ "کنچن کبھی ناکام نہیں ہوتی۔"

رانی آکاش ناگن کے مہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ میں بھی قریب ہی بیٹھا تھا۔ میں بھی مہرے کو بڑے اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔ ایک طرح سے کنیز کنچن نے رانی کا نہیں میرا کام کر دیا تھا۔ ہنگامی صورت حال یا یہ معلوم کرنے کے بعد کہ میرے واپس اپنی دنیا میں جانے کی سبیل کہاں پیدا ہو سکتی ہے' مجھے اس مہرے کی مدد سے غائب ہو کر وہاں سے فرار ہونا تھا۔ رانی نے کنچن کو واپس بھیج دیا۔ کنیز کے جانے کے بعد رانی نے کہا۔ "ہمیں اسے آزما چاہیے۔ کہیں یہ نقلی مہرہ ہی نہ ہو۔"

اور رانی نے مہرہ منہ میں رکھ لیا۔ منہ میں رکھتے ہی رانی غائب ہو گئی۔ دوسرے لمحے وہ ظاہر ہو گئی۔ اس وقت مہرہ اس نے منہ سے نکال کر مٹھی میں پکڑ رکھا تھا۔ رانی خوش ہو کر بولی۔ "بالکل اصل مہرہ ہے یوگراج' بالکل اصلی ہے۔ اب میں دیکھتی ہوں گنگولی کیسے کہتا ہے کہ میں دنیا کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔"

میں نے کہا۔ "اسے سنبھال کر رکھنا۔ صبح ہوش میں آنے کے بعد جب گنگولی مہرہ غائب پائے گا تو وہ طوفان کھڑا کر دے گا۔"

رانی نے کہا۔ "اس کی طاقت اب آدھی رہ گئی ہے۔ اب وہ سوچ سمجھ کر کوئی طوفان کھڑا کرے گا۔"

میں نے اسے ہدایت کرنے کے انداز میں کہا۔ "پھر بھی اس کو کسی ایسی جگہ رکھنا جہاں کوئی جادوگر بھی معلوم نہ کر سکے کہ مہرہ یہاں بھی ہو سکتا ہے۔"

رانی کپالینی نے میرے دیکھتے ہوئے تخت کے پیچھے چاندی کے صندوق کو کھول کر اس میں سے پتھر کی ایک صندوقچی باہر نکالی۔ صندوقچی پر طلسم کے حروف لکھے ہوئے تھے۔ صندوقچی کھول کر اس نے مہرہ اس کے اندر رکھ دیا اور میری طرف دیکھ کر بولی۔

"اس صندوقچی پر میں نے اگنی طلسم کیا ہوا ہے۔ اگر کوئی چور مہرہ اڑانے کے لیے اس کو ہاتھ لگائے گا تو اگنی طلسم کے اثر سے وہیں جل کر راکھ ہو جائے گا۔"

میں سوچنے لگا کہ اگر فرض کر لیا مجھے اس مہرے کی شدید ضرورت پڑ جائے اور میں صندوقچی کو کھولوں گا تو کیا میں بھی جل کر راکھ ہو جاؤں گا؟

O----------☆----------O

یہ بڑی سوچنے والی اور اہم بات تھی۔

خیال آیا کہ میں نے عمارہ کا تعویذ باندھ رکھا ہے۔ میرا تعویذ مجھے صندوقچی کے اگنی طلسم سے ضرور بچالے گا۔ لیکن مجھے پورا یقین نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال ابھی مجھے اس مہرے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مہرے والی صندوقچی چاندی کے صندوق میں بند کر کے رانی بولی۔ "تم دیکھ لینا۔ بہت جلد پوری دھرتی پر رانی کمپالینی جادوگرنی کا راج ہوگا۔"

دوسرے دن گنگولی جادوگر نے کوئی طوفان نہ اٹھایا۔ یا تو یہ بات تھی کہ اسے ابھی معلوم نہیں ہوا تھا کہ کسی نے اس کا قیمتی مہرہ اس کے جسم کے کسی چھپے ہوئے حصے سے نکال لیا ہے اور یا پھر اگر اسے مہرے کی گمشدگی کا پتہ چل بھی گیا تھا تو اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اس راز کو افشا نہیں کیا تھا اور یوں ظاہر کیا جیسے اس کی کوئی چیز گم نہیں ہوئی۔ لیکن جب کھانے کی میز پر میں نے اس کی شکل غور سے دیکھی تو اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ اندر سے پریشان ہے۔ رات ہونے سے پہلے گنگولی جادوگر رانی کمپالینی اور میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنے دیس کو روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد رانی نے مجھ سے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے، گنگولی نے ظاہر کیوں نہیں کیا کہ اس کی نہایت قیمتی شے چوری ہو گئی ہے؟"

میں نے جواب میں کہا۔ "اس کی وجہ میرے نزدیک تو یہی ہے کہ گنگولی نہیں چاہتا کہ یہ راز فاش ہو جائے اور اس کے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس جو آکاش ناگن کا مہرہ تھا وہ گم ہو گیا ہے۔"

رانی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ کہنے لگی۔ "تم نے بالکل صحیح سوچا ہے یوگ راج۔ مگر مجھے تو معلوم ہو گیا ہے۔ بلکہ اس کا مہرہ میرے قبضے میں ہے اور میں اس کی دشمن ہوں۔"

میں نے رانی سے کہا۔ "بغیر سوچے سمجھے کوئی قدم مت اٹھانا رانی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی الٹی مصیبت ہم پر پڑ جائے۔"

رانی مہرہ حاصل کر لینے کے بعد نشے میں سرشار تھی۔ کہنے لگی۔ "میں تو اس گنگولی کو ایسا سبق سکھاؤں گی کہ اگر زندہ رہا تو ساری عمر یاد رکھے گا۔ کیا تم نہیں جانتے اس نے ہمارے خاندان کے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا تھا؟"

مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ گنگولی جادوگر نے کب اور کہاں رانی کمپالینی کے خاندان والوں کے ساتھ ظلم کیا تھا لیکن میں نے رانی کی فضول جھک جھک سننے کی بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "مجھے سب معلوم ہے رانی، پھر بھی دشمن خطرناک ہے۔ اس پر وار کرنے سے پہلے اچھی طرح غور کر لینا چاہئے کہ اگر وہ وار سے بچ گیا تو وہ تمہارے ساتھ کس قدر وحشیانہ سلوک کرے گا۔"

"مجھے اس کی بالکل پروا نہیں۔" رانی نے نفرت سے کہا اور خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔ گنگولی جادوگر کو رانی کے محل سے گئے دو ہی دن ہوئے تھے کہ معلوم ہوا کنچن کنیز غائب ہو گئی ہے۔ رانی نے یہ خبر سنی تو کہنے لگی۔ "وہ کہیں غائب نہیں ہوئی۔ اسے گنگولی نے اغوا کر لیا ہے اور اب اس کو اذیتیں دے کر پوچھ رہا ہوگا کہ اس نے آکاش ناگن کا مہرہ چرانے کے بعد کہاں رکھا ہے؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "گنگولی اتنا بڑا جادوگر ہے۔ وہ اپنے جادو ٹونے کے ذریعے یہ بھی معلوم نہیں کر سکا کہ اس کا مہرہ کس کے پاس ہے، کس جگہ پر ہے؟"

رانی نے کہا۔ "یوگ راج! تم اناڑیوں ایسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بڑے سے بڑا جادوگر بھی ایک مقام پر آ کر بے بس ہو جاتا ہے؟ آکاش ناگن کے مہرے کا اپنا ایک طلسم ہے۔ اس کے طلسم کی اپنی ایک طاقت اور اپنا ایک اثر ہے۔ کوئی بھی جادوگر خواہ وہ کتنا ہی طاقتور جادوگر کیوں نہ ہو طلسم بنا کر یا اپنے جادو کے زور سے یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ مہرہ کہاں ہے۔ ہاں اگر مہرے کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کے پاس چلا گیا ہے تو اس شخص پر جادو کر کے اسے مہرے سمیت قبضے میں کیا جا سکتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہ تو میں سمجھ گیا رانی لیکن اب کنچن کا کیا ہوگا؟ اس بیچاری کا تو کوئی قصور نہیں۔ یہ تو ناحق ماری جائے گی۔ گنگولی اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

رانی نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "ماری جائے گی تو اس کی جگہ ایک اور کنیز آ جائے گی۔ ہمیں اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیشہ اپنا مقصد سامنے رکھنا چاہئے۔ راجہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا ہے۔"

میں نے ذرا طنز کے ساتھ کہا۔ "اور اگر اس نے مرنے سے پہلے یا اپنی زندگی کی شرط پر گنگولی کو بتا دیا کہ اس نے مہرہ چرا کر رانی کپالنی کو دے دیا تو پھر کیا ہوگا؟"

"پھر کیا ہوگا؟" رانی نے نفرت سے کہا۔ "گنگولی کا باپ بھی جادو کر کے مجھے اپنے قبضے میں نہیں کر سکتا۔ وہ میری طاقت کو خوب جانتا ہے۔"

بات یہیں ختم ہو گئی۔ میں دوسرے تیسرے روز بھیس بدل کر شہر کی سیرگاہوں اور کاررواں سرائے کی طرف نکل جایا کرتا تھا۔ رانی کے آگے میں نے یہ بہانہ بنایا تھا کہ میں یہ جاسوسی کرنے کے لیے لوگوں میں جا کر گھل مل جاتا ہوں کہ رعایا کا کوئی گروہ ہمارے خلاف یا ہمارے کسی دشمن کی حمایت میں بغاوت کی تیاریاں تو نہیں کر رہا؟ لیکن میرا اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ شاید اسی طریقے سے کہیں کسی سیرگاہ میں، کسی کاررواں سرائے میں کوئی ایسا انسان نظر آ جائے جو میری اس مصیبت کو حل کر سکے جس میں، گرفتار ہو چکا ہوں۔

رانی کے ساتھ اس بحث مباحثے کے بعد تیسرے دن میں حسب عادت لمبی داڑھی والے سادھو کے بھیس میں گھوڑے پر بیٹھ کر محل کے خفیہ دروازے سے نکلا۔ اس وقت سورج ڈوب چکا تھا اور شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ کچھ دیر تک شہر کے بازاروں میں گھومتا پھرتا رہا۔ پھر شہر کے دروازے سے باہر نکل کر اس طرف چل پڑا جس طرف پہاڑ کی سیڑھیاں نیچے جھیل تک جاتی تھیں۔ یہ وہی جھیل تھی جہاں میں نے پانی میں سے سر باہر نکالا تو میں یوگ راج کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ میں چونکہ گھوڑے پر سوار تھا اس لئے سیڑھیوں کی بجائے پہاڑ کے اردگرد بنی ہوئی خفیہ سڑک پر سے گزر کر نیچے آیا تھا۔ جیسے ہی میں وہاں پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ جھیل کی طرف سے ایک جلوس چلا آ رہا ہے۔ لمبی عباؤں والے پجاری اور نیزہ بردار محافظ اس تخت کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں جس پر ایک آدمی سر پر تاج جمائے گہرے سرخ رنگ کی عبا پہنے بیٹھا ہوا ہے۔ میں گھوڑے سے اتر کر ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ شاہی سواری کس کی ہے۔

جب یہ جلوس میرے سامنے سے گزرا تو یہ دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے کہ جس تخت کو غلاموں نے کندھے پر اٹھا رکھا تھا اس پر بالکل میری شکل کا' بلکہ ہوبہو میری شکل کا ایک نوجوان بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ سیناپتی اس کے دائیں جانب چل رہا تھا۔ یا خدا! یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ جب گزر گئے اور سیڑھیوں کے پاس پہنچ کر پہاڑ کا زینہ چڑھنے لگے تو میں نے ایک آدمی سے پوچھا۔ "کیوں بھائی! یہ کس کی سواری تھی؟"

میں نے چونکہ بھیس بدل رکھا تھا اور لمبی داڑھی لگائی ہوئی تھی اس لئے وہ شخص مجھے نہ پہچان سکا کہ میں کون ہوں۔ میرے سوال کے جواب میں کہنے لگا۔ "بھائی! کیا تم نے نہیں دیکھا؟ یہ ہمارے راجہ یوگ راج جی کی سواری تھی جو محل کی طرف جا رہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "لیکن راجہ یوگ راج تو محل کے اندر رانی کے پاس اس وقت بیٹھا

ہوا ہے۔ پھر یہ کہاں سے آگیا؟"

وہ آدمی غصے میں کہنے لگا۔ "اصلی راجہ یوگ راج یہی ہے جو گم ہو گیا تھا اور اب ایک جنگل میں مل گیا ہے۔ اوپر جو یوگ راج راجہ بن کر بیٹھا ہے وہ نقلی ہے۔ کوئی دھوکے باز ہے۔ اصلی راجہ نے اسی لئے تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھی ہے اور اپنے ہاتھ سے نقلی راجہ کی گردن اڑائے گا۔"

میں نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو بھائی۔ اصلی راجہ کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔ کیا اندھیر نگری ہے!"

اس کے ساتھ ہی میں چھلانگ لگا کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا اور اسے جتنی تیز دوڑا سکتا تھا پہاڑی سڑک پر دوڑانے لگا۔ ابھی اصلی یوگ راج کی پیدل سواری پہاڑ کے زینے سے کافی نیچے تھی کہ میں محل میں پہنچ گیا۔ میں خفیہ سرنگ میں سے گھوڑا دوڑاتا آیا تھا۔ میں نے اپنا سادھوؤں والا حلیہ ہی رہنے دیا۔ رانی کمپالینی نے مجھے اس حلئے میں دیکھ رکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خواب گاہ میں موجود ہوگی مگر جب میں اس خفیہ راستے سے خواب گاہ میں داخل ہوا جو خواب گاہ کی دیوار میں مخملیں پردوں کے پیچھے بنایا گیا تھا تو اس وقت رانی وہاں پر نہیں تھی۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔ میں نے لپک کر چاندی کے صندوق کا ڈھکنا اٹھایا۔ اس میں سے پتھر کی چھوٹی صندوقچی نکالی۔ صندوقچی کا طلسم مجھ پر اپنا مہلک اثر نہ ڈال سکا۔ کیونکہ میرے بازو پر تعویذ بندھا ہوا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ صندوقچی کھولی تو اندر آکاش ناگن کا مہرہ موجود تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور مہرے کو آزمانے کی خاطر مہرہ اپنے منہ میں ڈال لیا۔

مہرہ منہ میں ڈالتے ہی میں غائب ہو گیا۔ بالکل اصلی مہرہ تھا اور رانی نے چور کو دھوکہ دینے کے لیے اس کی جگہ کوئی نقلی مہرہ نہیں رکھا تھا حالانکہ میرے خیال میں اسے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ لیکن کہتے ہیں کہ بہت عقلمند آدمی بھی بعض اوقات اپنی کسی نہ کسی بیوقوفی سے مات کھا جاتا ہے۔ میں مہرہ منہ سے نکال کر جیب میں رکھنے ہی والا تھا کہ رانی غصے کی حالت میں کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ بڑی کنیز تھی۔ رانی کہہ رہی

تھی۔ "یہ میں کیا سن رہی ہوں کہ جو یوگ راج میری خواب گاہ میں سوتا ہے وہ نقلی یوگ راج ہے اور اصلی یوگ راج کا سراغ مل گیا ہے اور وہ چند لمحوں بعد محل میں داخل ہونے والا ہے۔"

بڑی کنیز نے کہا۔ "مہارانی جی! سب یہی کہتے ہیں کہ اصلی یوگ راج وہی ہے جو محل میں پہنچنے والا ہے۔ یہ یوگ راج کوئی بہروپیا یا جادوگر ہے جس نے یوگ راج کا روپ دھار رکھا ہے۔"

رانی سر پکڑ کر تخت پر بیٹھ گئی۔ بولی۔ "آکاش کے دیوتاؤ! یہ میرے ساتھ کیسا مذاق کھیلا جا رہا ہے۔"

اچانک رانی کی نگاہ چاندی کے صندوق پر پڑ گئی۔ میں جلدی میں چاندی کے صندوق کو بند کرنا بھول گیا تھا۔ اب مجھے صندوق بند کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آکاش ناگن کا مہرہ میرے منہ میں تھا اور میں کسی کو بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

اتنی دیر میں رانی دوڑ کر صندوق کے پاس گئی اور اندر سے پتھر کی صندوقچی کھول کر دیکھی تو چیخ مار کر پیچھے کو گر پڑی۔ کنیز نے جلدی سے اسے سنبھالا اور پوچھا۔ "مہارانی جی! کیا بات ہے؟ میں ابھی شاہی وید جی کو بلا کر لاتی ہوں۔"

میرا اب وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ اس سورگ منڈل یا عیاشیوں کے محل میں مجھے اپنی منزل کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اور کوئی منزل میرے سامنے نہیں تھی۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں کس طرف کو جاؤں اور کس طرف کو نہ جاؤں۔ مہرہ میرے منہ میں تھا۔ میں غائب حالت میں تھا۔ مجھے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں بڑی آسانی سے اور بڑے آرام آرام سے ذہن میں بہت کچھ سوچتا ہوا خواب گاہ کے خفیہ راستے سے نیچے سرنگ میں اتر گیا۔ سرنگ میں میرا گھوڑا اسی جگہ کھڑا تھا جہاں میں اسے چھوڑ گیا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا۔ سرنگ میں سے گزر کر خفیہ جگہ سے باہر نکلا اور گھوڑے کو آہستہ آہستہ چلاتا ہوا ایک طرف روانہ ہو گیا۔ میں سادھو کے حلئے میں تھا۔ میری کمر کے ساتھ تین چار ہیرے اور دو نیلم کپڑے میں لپٹے بندھے تھے۔ یہ میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ یہ وہ

زرمبادلہ تھا کہ تاریخ کے قدیم دور میں ہر شہر' ہر ملک میں کام آ سکتا تھا۔

شاید رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ آسمان پر تارے نکلے ہوئے تھے۔ یہ ایک بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ جس گھوڑے پر میں سوار تھا میرے بیٹھنے کے بعد میری طرح وہ بھی غائب ہو گیا تھا اور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ صرف اس کے ٹاپوں کی آواز آ رہی تھی۔ میں جس سڑک پر جا رہا تھا یا گھوڑا خود بخود مجھے اس سڑک پر لے آیا تھا۔ اس کے بارے میں بھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ کس شہر کو یا کس ملک کو جاتی ہے۔ رات گرم تھی۔ معمولی سی خنکی تھی۔ اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ زمین کے جنوب کا کوئی علاقہ ہے۔ پہلے مجھے کسی کسی وقت بھوک اور پیاس کا احساس ہو جاتا تھا اب بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود میری صحت اچھی تھی اور مجھے کسی قسم کی کمزوری کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ پانی کہیں نظر آ جاتا تو پی لیتا تھا۔ کھانے کو کہیں مل جاتا یا جنگل میں کوئی پھل دار درخت دیکھتا تو دو تین پھل کھا لیتا تھا۔ میرے دونوں جانب اونچی اونچی پہاڑیاں رات کی تاریکی اور ستاروں سے روشن آسمان کے پس منظر میں بڑی ڈراؤنی لگ رہی تھیں۔ گھوڑا پہلے قدم قدم چل رہا تھا۔ اب میں نے اسے دلکی چال پر ڈال دیا تھا۔ وہ ایسے چل رہا تھا جیسے اسے معلوم ہے کہ یہ راستہ کس طرف کو جاتا ہے۔

اس طرح چلتے چلتے ایک جگہ پانی کے جھرنے کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ گھوڑا اپنے آپ اس طرف مڑ گیا۔ اسے شاید پیاس لگی تھی۔ جانور فضا میں پانی کی خوشبو بڑی دور سے محسوس کر لیتے ہیں۔ میں گھوڑے کو چلا نہیں رہا تھا' وہ اپنے آپ چل رہا تھا۔ وہ ایک گھاٹی اتر کر ایک طرف مڑا تو مجھے اندھیرے میں ایک پہاڑی پر سے پانی کی سفید چادر نیچے گرتی نظر آئی۔ یہ چھوٹی سی آبشار تھی۔ نیچے پانی کا ایک تالاب بن گیا تھا۔ میں گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر کی سل پر بیٹھ گیا۔ گھوڑا ذرا آگے جا کر پانی پینے لگا۔ میں نے بھی منہ ہاتھ دھو کر تھوڑا بہت پانی پیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ میں آپ کو بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ چونکہ یہاں مجھے غائب رہنے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے میں نے آکاش ناگن کا مہرہ منہ سے نکال کر اپنے لمبے کرتے کی بغل والی چھوٹی

جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس وقت میں بھی ظاہری حالت میں تھا اور میرا گھوڑا بھی۔

میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑا گھاٹی کی چڑھائی چڑھ کر دوسری جانب سے باہر نکل آیا اور آگے چل پڑا۔ آگے جنگل ہی جنگل تھا۔ درخت ہی درخت تھے۔ پہاڑیاں دونوں جانب سے پیچھے کو ہٹ رہی تھیں۔ ذرا سی دیر کے لیے کھلی جگہ آتی اور اس کے بعد پھر اونچے اونچے درختوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ میں نے سوچا کہ اس طرح کب تک چلتا رہوں گا۔ گھوڑا بھی خواہ مخواہ تھک جائے گا۔ بہتر ہے کہ کسی جگہ بیٹھ کر رات گزار دی جائے۔ دن کا اجالا پھیلے۔ چاروں طرف روشنی ہو۔ راستے نظر آئیں تو آگے چلوں چنانچہ میں گھوڑے سے اتر پڑا۔ ایک موزوں جگہ دیکھ کر گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور خود وہیں درخت کی ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ذہن میں کئی قسم کے خیالات آ رہے تھے۔ کئی قسم کے سوالات پیدا ہو رہے تھے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ کسی وقت غنودگی طاری ہوتی تو سو جاتا۔ کچھ دیر کے بعد اپنے آپ آنکھ کھل جاتی۔ اسی طرح رات گزر گئی۔ دن کی روشنی میں دیکھا کہ چاروں طرف درخت جنگل اور جھاڑیاں اور پہاڑیاں ہیں۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا۔

رات کو تارے نکلے ہوئے تھے۔ دن کے وقت کسی طرف سے کالے بادل آ کر چھا گئے تھے۔ کبھی جنگل کی اترائی آ جاتی۔ کبھی چڑھائی شروع ہو جاتی۔ اس طرح چلتے چلتے میں ایک جگہ آ گیا جہاں ایک جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ ضرور یہ کوئی گاؤں وغیرہ ہو گا۔ میں نے اس طرف گھوڑا ڈال دیا۔ جہاں سے دھوئیں کی لکیر سی اٹھ رہی تھی۔ وہاں بھاری تنوں والے درخت تھے۔ دھواں ان کے درمیان کسی جگہ سے بلند ہو رہا تھا۔ میں نے گھوڑے سے اتر کر اسے ایک درخت کے ساتھ باندھا اور پیدل چل کر درختوں کے پاس آیا۔ یہاں مجھے کسی مرد کی آواز آئی۔ وہ سخت غصے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ میں جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ پھر درختوں کی اوٹ لیتا قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔ میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا کہ میرے قدموں کی آہٹ پیدا نہ ہو۔ آدمی کی آواز دوبارہ بلند ہوئی۔ اب مجھے الفاظ سمجھ میں آ رہے تھے۔ کوئی مرد پوچھ رہا تھا۔ "تم جھوٹ

بول رہی ہو۔ تمہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ میں اسی وقت زمین میں غرق کر سکتا ہوں۔"

میں ایک موٹے تنے والے درخت کی اوٹ میں ہو گیا اور سر ذرا سا نکال کر آگے دیکھا۔ جو کچھ مجھے وہاں نظر آیا میری آنکھیں اس پر یقین نہیں کر رہی تھیں۔ درختوں کے درمیان مجھ سے کوئی تیس چالیس فٹ کے فاصلے پر لکڑیوں کے ایک ڈھیر میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ سامنے والے درخت کے ساتھ ایک لڑکی رسیوں سے بندھی ہوئی تھی۔ ایک آدمی ہاتھ میں خنجر لئے اس کے سامنے کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کو پہچان لیا تھا۔ یہ آدمی جادوگر گنگولی تھا اور درخت کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی رانی کمپالینی کی چہیتی اور باوفا کنیز کنچن تھی۔ گنگولی خنجر کی نوک کنچن کی آنکھوں کے قریب لے جا کر غصے میں بولا۔ "اگر اب بھی تم نے نہ بتایا کہ میرا طلسمی مہرہ تم نے چرا کر کہاں رکھا ہے تو میں اس خنجر سے تمہاری دونوں آنکھیں باہر نکال دوں گا۔"

کنچن نے نڈھال آواز میں کہا۔ "میں نے بتا دیا ہے کہ جو کچھ میں نے کیا رانی جی کے کہنے پر کیا۔ میں نے رات کو تمہارے جسم کی خفیہ جگہ سے مہرا نکال کر رانی جی کو جا کر دے دیا تھا۔ اس کے بعد مجھے نہیں پتہ رانی نے مہرہ کہاں چھپا دیا تھا۔ میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں سچ بول رہی ہوں۔"

گنگولی نے خنجر والا ہاتھ نیچے کر لیا۔ کہنے لگا۔ "میں تمہیں تھوڑی مہلت اور دیتا ہوں۔ ایک بار پھر غور کر لو کہ تمہیں ہر حالت میں بتانا ہو گا کہ طلسمی مہرہ تم نے کہاں چھپایا ہوا ہے۔ میں نے رانی کا سارا محل چھان مارا ہے۔ وہاں مہرہ کہیں نہیں ہے' وہ یقیناً تمہارے پاس ہے۔ میں کچھ دیر کے بعد آؤں گا۔ اگر پھر بھی تم نے جھوٹ بولا تو میں تمہارے خوبصورت جسم کے ٹکڑے کر کے انہیں جنگلی جانوروں کے آگے ڈال دوں گا۔"

یہ کہہ کر گنگولی جادوگر نے کسی کو آواز دی۔ سامنے والے درختوں کے پیچھے سے چار سیاہ فام آدمی ایک تخت اٹھائے نمودار ہوئے۔ گنگولی تخت پر بیٹھ گیا۔ سیاہ فام آدمیوں نے تخت اٹھایا اور اسے لے کر ایک طرف کو چلے گئے۔ سامنے والے درختوں میں سے

ایک راستہ بنا ہوا تھا جو پہاڑیوں کی طرف جاتا تھا' سیاہ فام غلام اسی راستے پر چلے جا رہے تھے۔ جب وہ کافی آگے جا کر ایک طرف کو مڑ گئے تو میں درخت کی اوٹ سے نکل کر کنچن کے سامنے آ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔ میں نے کہا۔ "حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ گنگولی جادوگر نے تم سے جو باتیں کی ہیں وہ میں نے ساری سن لی ہیں۔ میں جانتا ہوں تم بے گناہ ہو' بے قصور ہو۔ تم نے مہرہ میرے سامنے لا کر رانی جی کو دیا تھا۔"

کنچن کی حیرانی ابھی تک دور نہیں ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "مہاراج! آپ کون ہیں؟"

اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں سادھو کے بھیس میں تھا۔ میری گھنی داڑھی مونچھیں تھیں اور میں نے سادھوؤں والا لمبا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ اس حلئے میں کنچن نے مجھے بالکل نہیں پہچانا تھا۔ میں نے اسی وقت اپنی داڑھی مونچھیں اتار کر پھینک دیں۔ کنچن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بولی۔ "مہاراج یوگ راج! آپ یہاں کیسے آ گئے؟"

میں نے کہا۔ "یہ ایک الگ کہانی ہے جو میں تمہیں بعد میں سناؤں گا۔ اس وقت تمہیں یہاں سے نکالنا بہت ضروری ہے۔"

میں جلدی جلدی رسیاں کھولنے لگا۔ جب رسیاں کھل گئیں تو میں نے کنچن کو بازو سے پکڑا اور اسے لے کر اس طرف درختوں میں چل پڑا' جہاں میرا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ کنچن بولی۔ "مہاراج! میرے ساتھ آپ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالیں۔ گنگولی بڑا خوفناک جادوگر ہے۔ اسے فوراً پتہ چل جائے گا کہ آپ مجھے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ وہ میرے ساتھ آپ کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔"

میں نے کہا۔ "جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اس وقت تو تم یہاں سے نکلو۔"

میں نے لڑکی کو گھوڑے پر بٹھایا اور خود اس کے پیچھے بیٹھ گیا اور گھوڑے کی باگ پکڑی ہی تھی کہ پیچھے سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "خبردار! یہیں رک جاؤ۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ درختوں میں سے دو سیاہ فام تلواریں لئے ہماری طرف آ

رہے تھے۔ کنچن کی چیخ نکل گئی۔ یہ شاید گنگولی جادوگر کے دو محافظ غلام تھے جنہیں وہ کنچن کی نگرانی کے لیے وہاں چھوڑ گیا تھا۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ کم بخت گھوڑا چار قدم چل کر رک گیا۔ کنچن نے روتے ہوئے کہا۔ "مہاراج! آپ اپنی جان بچائیں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

اتنے میں پیچھے کی طرف سے ایک نیزہ ہمارے سروں کے اوپر سے شائیں کی آواز سے گزر گیا۔ اب آکاش ناگن کے مہرے سے کام لینے کا موقع آگیا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے اندر اندر کرتے کی جیب میں سے مہرہ نکال کر منہ میں رکھ لیا۔ اس کے ساتھ میں' کنچن اور گھوڑا غائب ہوگئے۔ کنچن نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یوگ راج جی! گنگولی کے طلسم نے ہمیں غائب کر دیا ہے۔"

میں نے گھوڑے کی باگ دائیں جانب کو موڑ کر کہا۔ "ہم گنگولی کے جادو سے نہیں آکاش ناگن کے مہرے کے جادو سے غائب ہوئے ہیں۔ یہ مہرہ میں نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔"

دن کا وقت تھا۔ سامنے جنگل میں ایک راستہ برابر نظر آ رہا تھا۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی۔ گھوڑا شاہی اصطبل کا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

ہم اس جنگل اور اس کی پہاڑیوں سے نکل آئے۔ سامنے ایک دریا آگیا۔ کافی زور و شور والا دریا تھا۔ میں نے کنچن سے کہا۔ "کیا یہاں کوئی گھاٹ ہوگا۔ جہاں سے ہم دریا پار کر سکیں؟"

کنچن نے کہا۔ "یوگ راج جی! گھوڑا دریا میں ڈال دیں۔ ہم پار اتر جائیں گے۔"

گھوڑے دریا میں تیرنے لگتے ہیں۔ مگر میں اسے دریا میں ڈالتے ہوئے گھبرا رہا تھا کہ کہیں ہمیں ساتھ لے کر نہ ڈوب جائے۔ گھوڑا خوب دوڑتا ہوا آیا تھا۔ کافی گرم تھا۔ سامنے دریا آیا تو میرا اشارہ پائے بغیر دریا میں اتر گیا۔ ہم کمر تک پانی میں ڈوب گئے۔ گھوڑا

واقعی اصیل تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دریا پار کر گیا۔

دوسرے کنارے پر آکر میں نے گھوڑے کو روکا نہیں بلکہ سفر جاری رکھا۔ مجھے گنگولی سے خطرہ لگا ہوا تھا کہ وہ جادوگر ہے اور بڑا خطرناک جادوگر ہے۔ کہیں ہم پر دور سے کوئی منتر نہ پھونک دے۔ مگر لگتا تھا کہ ہم اس کی سرحد سے بہت آگے نکل چکے تھے۔

دریا کے دوسری طرف جنگل اتنا گھنا نہیں تھا۔ زمین کھلی تھی اور پہاڑیاں بھی اتنی زیادہ نہیں تھیں۔ کنچن نے کہا۔ "مہاراج میں تھک گئی ہوں۔"

میں نے اسی وقت مہرہ اپنے منہ سے نکال کر جیب میں رکھا اور گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اس وقت ہم تینوں یعنی میں' گھوڑا اور کنچن نظر آ رہے تھے۔ میں نے کنچن سے کہا۔ "تم یہاں آرام کرو۔ میں کوئی جنگلی پھل تلاش کر کے لاتا ہوں۔"

کنچن بولی۔ "مہاراج یہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہاں سے جنوب کی طرف مچھیروں کی ایک بستی ہے۔ وہاں ہمیں سب کچھ مل جائے گا۔"

میں نے کہا۔ "تو پھر وہیں چلتے ہیں۔ وہیں آرام بھی کر لیں گے۔"

ہم نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔

کوئی ایک پہر چلنے کے بعد مچھیروں کی ایک بستی آگئی۔ کچھ جھونپڑے تھے۔ مچھیرے ہمیں دیکھ کر ہمارے پاس آگئے۔ کنچن نے انہیں کہا کہ یہ مہاراج یوگ راج جی ہیں۔ ہمیں بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کو ہو تو دو۔ مچھیروں نے ہمیں چاول اور مچھلی کھانے کو دی۔ ہم نے سیر ہو کر کھائی۔ مجھے بھوک تو نہیں تھی مگر گرم گرم چاول اور بھنی ہوئی مچھلیاں دیکھ کر بھوک لگ گئی۔ وہاں زمین ریتلی تھی۔ میں نے کنچن سے پوچھا۔ "یہاں کوئی دریا تو دکھائی نہیں دیتا' پھر یہ مچھیرے یہاں کیوں رہ رہے ہیں اور مچھلیاں کہاں سے پکڑتے ہیں؟"

کنچن نے مجھے دور ناریل اور تاڑ کے درختوں کے چند ایک جھنڈ دکھائے اور کہا۔ "مہاراج! وہ سامنے درختوں کو دیکھ رہے ہیں نا؟"

میں نے کہا۔ "ہاں دیکھ رہا ہوں۔"

کنچن بولی۔ "ان درختوں کے پیچھے سمندر شروع ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارا ملک چاروں طرف سے سمندر میں گھرا ہوا ہے۔"

تب مجھے یاد آگیا کہ ملک سری لنکا کے چاروں طرف سمندر ہے۔ میں نے کہا۔

"معاف کرنا کنچن جی! میں بھول گیا تھا۔"

اس وقت مجھے خیال آیا کہ آگے تو سمندر آگیا ہے۔ اب سمندر پار کیسے جائیں گے۔ میں نے کنچن سے پوچھا۔ "کنچن تم کہاں جانا چاہتی ہو تاکہ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں۔"

کنچن بولی۔ "مہاراج! میں تو ابھی تک اس بات پر حیران ہوں کہ آپ کو رانی جی سے مہرہ لے کر اپنے پاس رکھنے کی کیا ضرورت تھی اور دوسری حیرانی اس بات پر ہے کہ آپ اپنے محل سے اتنی دور کیوں آ گئے ہیں۔ میرے پیچھے تو دشمن جادوگر لگا ہوا ہے۔ لیکن آپ میرے ساتھ دربدری کیوں کر رہے ہیں۔ میں آپ سے یہی کہوں گی کہ مجھے اب جادوگر سے کوئی خطرہ نہیں۔ میں اس کی دنیا سے کافی دور نکل چکی ہوں۔ آپ واپس شاہی محل تشریف لے جائیں۔ مہارانی جی آپ کے چلے آنے سے بہت پریشان ہوں گی۔"

میں نے کہا۔ "دراصل میرے پیچھے بھی دشمن لگے ہوئے ہیں۔ مجھے بھی وہ کسی جگہ چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔"

"آپ کے کون دشمن ہیں یوگ راج مہاراج؟"

کنچن کے اس سوال پر میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب وقت آن پہنچا ہے کہ میں تمہیں اصلی کہانی سنا ڈالوں۔ کیا تم میری داستان حسرت سننے کے لیے تیار ہو؟"

اس کے ہونٹ ذرا سے ہلے۔ بولی۔ "داستان حسرت! مہاراج میں کچھ سمجھی نہیں۔"

میں نے کہا۔ "سنو! کنچن! سنو!"

اور میں نے الف سے لے ی تک اسے اپنی ساری داستان سنا ڈالی۔ میری داستان سن کر کنچن کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ رانی کمپالینی نے جان بوجھ کر اسے مہرہ چرانے کے لیے کہا تھا اور اس نے اسے جو منتر یاد رکھنے کو کہا تھا وہ بالکل بے اثر تھا۔ میں نے کہا۔ "کنچن! رانی چاہتی تھی کہ اگر تم مہرہ نہیں لا سکتیں تو گنگولی کے جادو سے بھسم ہو جاؤ گی۔"

کنچن رو پڑی۔ کہنے لگی۔ "مہاراج! میں نے رانی جی کا کیا بگاڑا تھا؟ میں نے تو ہمیشہ ان کی خدمت کی تھی۔"

میں نے کہا۔ "ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اب تم کہاں جانا چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔ "میں اگر کہیں جاتی تو واپس مہارانی جی کے محل میں ہی جا سکتی تھی۔ مگر محل کے دروازے تو میرے لیے ہمیشہ کے واسطے بند ہو گئے ہیں۔ اب میرا کوئی نہیں جس کے پاس میں جاؤں۔"

میں نے کہا۔ "تو پھر میرے ساتھ ہی چلو۔ میرا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ مل کر سفر کریں گے۔ ایک سے دو بہتر ہوتے ہیں۔"

اپنی داستان سناتے ہوئے جب میں نے کنچن کو یہ بتایا تھا کہ میرا تعلق بہت آگے سائنس کے جدید ترین زمانے سے ہے تو اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ میں نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کہنے لگی۔ "تم تو سمندر پار کر کے اپنی دنیا میں چلے جاؤ گے' میں کہاں جاؤں گی۔ میں تو پھر اکیلی رہ جاؤں گی۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "نہیں کنچن! میں اتنی جلدی اپنی دنیا میں نہیں پہنچ جاؤں گا۔ فکر نہ کرو۔ ہاں اگر تمہارا کہیں' سفر میں کسی مقام پر مجھ سے الگ ہو جانے کو جی چاہا تو بے شک ہو جانا۔"

کنچن بولی۔ "تم سے الگ ہو گئی تو میرا کون ہوگا؟"

اور پھر وہ خود ہی شرما گئی۔ کنچن نے میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ اس کی مجبوری بھی تھی اور میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ مجھے پسند بھی کرنے لگی تھی۔ مگر

ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے یوگراج جی کہ ایک آدمی ایک شہر میں تالاب میں ڈبکی لگائے اور جب سر پانی سے باہر نکالے تو کسی دوسرے شہر میں پہنچ چکا ہو؟"

میں نے اس کے جواب میں کہا۔ "مجھے خود یقین نہیں آتا' میں خود حیران ہوں۔ مگر تم یقین کرو کہ میرے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔"

مچھیروں کی بستی میں ہی ہم نے وہ رات بسر کی۔ وہیں سے ہمیں معلوم ہوا کہ جنوب کی بندرگاہ پر دور دور کے ملکوں کے جہاز آ کر ٹھہرتے ہیں اور دوسرے ملکوں کو بھی جاتے ہیں۔ میرے پاس جو چند ایک ہیرے نیلم تھے وہ میں نے کنچن کو دکھا دیئے تھے۔ کہنے لگی۔ "ہمیں ان کے بدلے سونے کے سکے حاصل کر لینے چاہئیں۔"

میں نے کہا۔ "بندرگاہ پر چل کر دیکھیں گے۔ وہاں شاید جوہری بھی مل جائیں۔"

ہم گھوڑے پر سوار ہو کر جنوب کی بندرگاہ پر آ گئے۔ یہاں ہم ایک سرائے میں ٹھہر گئے۔ کیونکہ ایک جہاز موصل کی جانب ایک ہفتے بعد روانہ ہونے والا تھا۔ میں نے ایک نیلم یہاں ایک تاجر کو دے کر اس کے عوض سونے کے سکوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی حاصل کر کے اپنی کمر کے گرد باندھ لی۔ ہفتے کے بعد ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر ہم اس زمانے کے عراق کے شہر موصل کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس شہر کا انتخاب میں نے اس لئے کیا تھا اس طرف کا سارا علاقہ میرا دشمن بن چکا تھا اور میں اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ دجلہ و فرات کی وادی میں تاریخ کتنی بدل چکی ہے اور عراق اب کس بادشاہ کے زیر سلطنت ہے؛ کیونکہ وہ اخبار' ریڈیو' ٹیلی ویژن کا زمانہ نہیں تھا کہ مجھے خبر ہو جاتی کہ عراق پر کون سا بادشاہ حکمران ہے۔ یہ سمندری سفر بھی بڑا تھکا دینے والا تھا۔ کنچن سے میں نے کہہ دیا تھا۔ "آگے سمندر کا بڑا لمبا سفر ہے۔ اس کے بعد دجلہ فرات کی وادی تمہارے لئے بالکل اجنبی ہوگی۔ وہاں کی آب و ہوا بڑی خشک ہوتی ہے۔ معلوم نہیں تم وہاں رہ بھی سکو گی یا نہیں۔ اس لئے اگر تم چاہو تو مجھ سے یہیں جدا ہو کر واپس جا سکتی ہو۔"

جس کے جواب میں کنچن نے کہا تھا۔ "یوگ راج جی! اب میرا جینا مرنا سب تمہارے ساتھ ہی ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔"

O==========☆==========O

اس زمانے میں بادبانی جہاز ہوتے تھے جو سمندری موجوں کے رحم و کرم پر چلتے تھے۔ ان کی رفتار بہت کم ہوتی تھی۔ موصل میں یہ جہاز شاید دو مہینوں میں پہنچا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد نہیں کہ اس شہر یا بندرگاہ کا نام موصول ہی تھا یا کچھ اور تھا۔ بندرگاہ ایک عجیب بے سرو سامانی کا منظر پیش کر رہی تھی۔ میں جنوب کے گرم مرطوب علاقے سے نکل کر مشرق وسطیٰ کے گرم خشک علاقے میں پہنچ گیا تھا۔ چونکہ مجھ پر طلسم کرنے والے اور اس طلسم کا توڑ بتانے والے' دونوں کا تعلق اسی سرزمین سے تھا اس لئے میں یہاں آگیا تھا کہ ممکن ہے اسی سرزمین سے میرے واپس اپنی دنیا میں جانے کی کوئی صورت نکل آئے۔ کاہن جادوگر کے طلسم سے مجھے میرے بازو پر بندھے ہوئے تعویذ نے محفوظ کر رکھا تھا۔ مجھے صرف اس تعویذ کی خبر گیری اور حفاظت کرنی تھی۔ دوسرے رحمدل فرعون آمون کی دعا بھی میرے ساتھ تھی۔ آکاش ناگن کا مہرہ بھی میری جیب میں تھا جس کو منہ میں رکھ کر میں غائب ہو سکتا تھا۔ اس اعتبار سے میں اپنے دشمن جادوگر کے حملوں سے بہت حد تک محفوظ ہو گیا ہوا تھا۔ بازو پر بندھے ہوئے اپنے تعویذ کے بارے میں بھی میں نے کنچن کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

وہاں پہنچ کر ہمیں یہ خبر ملی کہ دجلہ و فرات کی ساری وادی پر شام سے

لے کر عراق اور نینوا تک ایران کا قبضہ ہے۔ نمرود اور بخت نصر کی حکومتیں ختم ہو چکی تھیں۔ تاریخی اعتبار سے گویا مصر اور بابل و نینوا کی تہذیب کا عہد ختم ہو گیا تھا اور اب یونانیوں کا دور شروع ہونے والا تھا۔ بندرگاہ کے شہر میں ہم نے ایک سرائے میں قیام کیا۔ ہمارے پاس سونے کے کافی سکے تھے جن کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ میں نے اور کنچن نے اس علاقے کے لباس کے مطابق نئی اور اچھی قسم کی پوشاکیں خرید کر پہن لی تھیں۔ ابھی ہم سرائے میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے' ایران کی حکومت نے جادو ٹونے کے کام پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ اس زمانے میں ایران کو پارس کہتے تھے اور یہ پارسی لوگ آتش پرست تھے اور جادو ٹونے کو سخت گناہ سمجھتے تھے۔ میں نے کنچن سے کہا۔ "کنچن! میں کسی ایسے آدمی سے ملنے کی امید لے کر یہاں آیا ہوں جو سحر اور طلسم کا ماہر ہو اور میں اس کے کسی طلسمی منتر کی مدد سے واپس اپنی دنیا میں پہنچ سکوں۔ لیکن یہاں تو جادوگری حرام ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں مصر کے ملک کا رخ کرنا چاہئے۔ مصر پر ابھی تک مصری فرعونوں کی حکومت ہے۔ وہاں جادو ٹونے کا بھی بڑا زور ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہاں کوئی نہ کوئی جادوگر عورت ایسی مل جائے گی جو میری مدد کر سکے۔"

کنچن نے کہا۔ "تمہاری تجویز بالکل ٹھیک ہے۔ میں اس کی تائید کرتی ہوں۔ ہمیں یہاں سے مصر چلے چلنا چاہئے۔ یہاں بیٹھے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

سرائے سے قافلے مختلف سمتوں کو جاتے ہی رہتے تھے۔ ایک روز معلوم ہوا کہ ایک قافلہ مصر کی طرف جا رہا ہے۔ ہم اس قافلے کے ساتھ ہو گئے۔ ایک ماہ تک قافلہ صحراؤں اور سنگلاخ زمینوں پر سفر کرتا رہا۔ کنچن کا رنگ اس علاقے کی خشک گرمی میں اور زیادہ سانولا ہو گیا تھا۔ آخر ہم مصر کے دارالحکومت پہنچ گئے۔ کچھ روز سرائے میں قیام کیا۔ شہر میں امن و امان تھا۔ مصر کے تخت پر کوئی بوڑھا فرعون بیٹھا تھا جو کاہنوں کے اشاروں پر چلتا تھا۔ یہ فرعونوں کی حکومت کے زوال کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد مصر و ایران پر سکندر اعظم کا قبضہ ہونے والا تھا۔ سرائے میں ہم زیادہ دن تک قیام نہیں کر سکتے تھے۔ میرے پاس کافی پیسے تھے۔ سونے کے سکوں کی تھیلی میں سے چند ایک سکے ہی ابھی تک

خرچ ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ میرے پاس کچھ ہیرے بھی تھے جو بہت قیمتی تھے۔ کنچن نے مجھے مشورہ دیا کہ اگر ہمیں اس ملک میں زیادہ دیر قیام کرنا ہے تو ہمیں چاہئے کہ دریائے نیل کے کنارے کوئی چھوٹا سا مکان خرید کر وہاں اٹھ چلیں۔ مجھے کنچن کی تجویز پسند آئی۔ میں ایک روز بازار گیا اور ایک جوہری کے پاس ایک ہیرا بیچ دیا۔ اس کے عوض مجھے سونے کے اتنے سکے ملے کہ ہم نے دریا کنارے ایک چھوٹا سا مکان اپنی رہائش کے لیے خرید لیا اور اس میں آ کر رہنے لگے۔ مکان خریدنے کے بعد بھی میرے پاس کافی طلائی سکے بچ رہے تھے۔ میں نے انہیں باقی کے تین ہیروں کے ساتھ مکان کے عقبی صحن میں گڑھا کھود کر چھپا دیا۔

صبح کے وقت میں مصر کے قدیم ترین دارالحکومت تھیبز کی طرف نکل جاتا۔ میں نے دو گھوڑے بھی خرید لئے تھے۔ میں گھوڑے پر سوار شہر کے بازاروں خانقاہوں معبدوں میں پھرتا رہتا۔ اس کے بعد اہرام مصر کی طرف چلا جاتا۔ ابھی یہ اہرام کھنڈر نہیں بنے تھے۔ ان کی شان و شوکت بدستور قائم تھی۔ پتھر کسی جگہ سے بھی نہیں ٹوٹے تھے۔ ہر اہرام کے باہر سپاہیوں کا دستہ حفاظت پر مامور تھا۔ کسی کو شاہی اہرام کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک دن میں مصر کے نیک دل فرعون آمون کے اہرام پر بھی گیا۔ قریب جانے کی کسی شہری کو اجازت نہیں تھی۔ میں کچھ فاصلے پر سے اہرام کو تکتا رہا۔ بس دل میں یہی ایک لگن اور جستجو تھی کہ کسی جگہ کسی مقام پر حقیقت کی دنیا میں نہیں تو خواب میں ہی نیک دل آمون سے ملاقات ہو جائے اور اس سے پوچھوں کہ میں اپنی دنیا میں کیسے واپس جا سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کاہن جادوگر کی بدروح بھی مسلسل میری نگرانی کر رہی ہو اور مجھ پر حملہ کرنے کی تدبیریں سوچ رہی ہو۔ لیکن اپنے بازو پر بندھے ہوئے تعویذ کی بدولت میں اس کے ہر تخریبی حملے سے بچا ہوا تھا۔

کنچن دریا کے کنارے والے مکان پر گھریلو کام کاج میں مصروف رہتی۔ ہم نے دو ملازم رکھ لئے تھے۔ ایک عورت تھی اور ایک حبشی غلام تھا۔ شام کو تھکا ہارا گھر واپس آتا تو کنچن پہلا سوال یہی کرتی کہ کوئی عورت نظر آئی؟ رات کو سو جاتا اور صبح پھر نئی

تلاش ناکام کی مہم پر نکل پڑتا۔ ابھی تک مجھے کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ نیک دل فرعون کے شہر میں آ کر بھی اس کی نیک روح سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے امید تھی کہ اس کی راہ نمائی ہی مجھے میری دنیا میں واپس لے جا سکے گی۔ اسی طرح دربدری کرتے دو مہینے گزر گئے۔ اب میں کچھ مایوس ہو گیا۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ فرعون کی نیک روح اس شہر میں مجھے نہیں ملے گی۔ اگر اسے ملنا ہوتا تو وہ اب تک میرے خواب میں ہی آ کر مجھے کوئی راستہ دکھا گئی ہوتی۔ کنچن کا بھی یہی خیال تھا کہ جس نیک روح کی مجھے تلاش ہے وہ اس شہر میں نہیں ہے۔ میں نے اسے کہا۔ "تو پھر ہمارا اس شہر میں رہنے کا کیا فائدہ؟ ہمیں کسی دوسرے ملک میں جا کر نیک دل روح کا انتظار کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے وہاں اس سے ملاقات ہو جائے۔"

کنچن کہنے لگی۔ "کچھ روز اور دیکھ لیتے ہیں۔ اگر پھر بھی کامیابی نہ ہوئی تو یہاں سے چلے جائیں گے۔"

کنچن کے مشورے پر ہم نے کچھ وقت مزید مصر کے دارالحکومت میں رہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جس روز کنچن نے مزید کچھ روز رک جانے کو کہا تھا یہ اسی رات کی بات ہے۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد میں اور کنچن کچھ دیر دریا کنارے سیر کرتے رہے۔ پھر مکان پر آ کر سو گئے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ نیک دل آمون کی روح کا ہیولا ایک پہاڑ کی چوٹی سے اتر کر میرے پاس آیا ہے۔ میں ایک باغ میں بیٹھا ہوں۔ میرے پاؤں میں زنجیر بندھی ہوئی ہے۔ نیک دل آمون کی روح کہتی ہے۔ "سلطان! تمہاری مدد کا خیال مجھے بڑی دور سے کھینچ کر تمہارے پاس لے آیا ہے۔ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ دیوتا تم پر مہربان ہو گئے ہیں۔ تمہاری مشکل ختم ہو گئی ہے۔ جیسا میں کہتا ہوں ویسے ہی کرنا۔ کیا تم سن رہے ہو؟"

میں نے خواب میں ہی جواب دیا۔ "میں سن رہا ہوں آمون کی نیک روح! تم جو کہو گے میں اس پر عمل کروں گا۔"

آمون کی نیک روح بولی۔ "شاباش! ایسا کرنے سے ہی تمہیں تمہاری مصیبت

سے نجات ملے گی۔ سن! کل پورے چاند کی رات ہے۔ ٹھیک آدھی رات کو گھر سے نکل کر میرے اہرام کی طرف جانا۔ میرے اہرام کے جنوب میں تمہیں ایک کچا مکان دکھائی دے گا۔ اس مکان کے صحن میں ایک بوڑھی عورت جس کے بال سفید ہو رہے ہیں' تخت پوش پر مراقبے میں بیٹھی ہوگی۔ تم خاموشی سے اس کے سامنے زمین پر بیٹھ جانا۔ جب تک وہ عورت خود تمہیں نہ بلائے تم کوئی بات نہ کرنا۔ وہ تم سے پوچھے گی کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔ تم کہنا کہ مجھے آمون کی نیک روح نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وہ عورت سمجھ جائے گی کہ تم اس کے پاس کیا غرض لے کر آئے ہو۔ وہ عورت تمہیں جو کہے اس پر عمل کرنا۔ وہ تمہیں تمہاری دنیا میں واپس پہنچا دے گی۔ اور ہاں! تمہارے بازو پر جو تعویذ بندھا ہوا ہے وہ اتار کر گھر پر ہی رکھ جانا۔ تعویذ باندھ کر جاؤ گے تو بوڑھی عورت تم سے کوئی بات نہیں کرے گی اور تمہیں گھر سے باہر نکال دے گی۔ یہ خیال نہ کرنا کہ اگر تعویذ بازو پر بندھا ہوا نہیں ہوگا تو کاہن جادوگر کی بدروح تم پر وار کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ میں تمہاری حفاظت کے لیے تمہارے پاس موجود ہوں گا۔"

اس کے بعد آمون کی نیک روح کا ہیولا غائب ہو گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ صبح اٹھ کر میں نے خواب کنچن کو سنایا تو وہ کہنے لگی۔ "میں نہ کہتی تھی کہ کچھ روز رک جاؤ۔ آمون کی نیک روح ضرور آئے گی۔ اچھا ہوا کہ وہ تمہارے خواب میں آئی اور اس نے تمہاری راہ نمائی کی۔ اب نیک روح نے جیسا کہا ہے ویسے ہی کرو۔"

میں نے کہا۔ "میں آج ہی آدھی رات کے بعد اہرام کی طرف جاؤں گا اور بوڑھی عورت سے ملاقات کروں گا۔ لیکن آمون کی نیک روح نے یہ کیوں کہا ہے کہ میں اپنا تعویذ گھر پر ہی چھوڑتا جاؤں۔"

کنچن کہنے لگی۔ "جادو طلسم کرنے والے ایک دوسرے سے خار کھاتے ہیں۔ وہ اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتے کہ ان کے پاس مدد طلب کرنے والا آئے اور اپنے ساتھ کسی دوسرے جادوگر کا طلسم بھی لائے۔"

کنچن کی یہ دلیل بڑی مضبوط تھی اور میں فوراً سمجھ گیا کہ آمون کی نیک روح

نے مجھے تعویذ باندھ کر بوڑھی عورت کے پاس جانے سے کیوں منع کیا تھا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد میں اور کنچن گھر پر ہی رہے۔ سیر کرنے نہ گئے۔ باتیں کرتے رہے۔ جب رات آدھی ہوگئی تو میں نے اپنا تعویذ اتار کر کنچن کے حوالے کیا اور اسے کہا۔ "یہ اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔ واپسی پر میں تم سے لے لوں گا۔"

کنچن نے کہا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں اپنی جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کروں گی۔ جب تم واپس آؤ گے تو میں خود اسے تمہارے بازو پر باندھ دوں گی۔"

اس کے بعد میں گھوڑے پر بیٹھ کر آمون کے اہرام کی طرف روانہ ہو گیا۔ پورے چاند کی چاندنی صحرا میں کھلی ہوئی تھی۔ آمون کا حرم شہر سے دور تھا۔ میں گھوڑے کو دوڑائے لئے جا رہا تھا۔ جب آمون کے اہرام کے قریب پہنچا تو میں نے گھوڑے کو اہرام کے جنوب کی طرف موڑ دیا۔ دور صحرا کے ایک ٹیلے کے پاس مجھے چاندنی میں ایک کچے مکان کی چاردیواری دکھائی دی۔ میں مکان کی طرف بڑھا۔ مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ گھوڑے سے اتر کر میں نے اسے باہر ہی چھوڑا اور ڈرتے ڈرتے دروازے میں سے جھانک کر دیکھا۔

آمون کی نیک روح کے کہنے کے مطابق ایک تخت پوش بچھا تھا جس پر ایک سفید بالوں والی عورت آلتی پالتی مارے' سر کو ذرا جھکائے مراقبے میں بیٹھی تھی۔ میں خاموشی کے ساتھ صحن میں داخل ہو گیا اور تخت پوش کے سامنے زمین پر بڑے ادب سے بیٹھ گیا۔ بوڑھی عورت بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ چاندنی میں اس کے سفید بال چاندی کے تاروں کی مانند چمک رہے تھے۔ جب مجھے بیٹھے کافی وقت گزر گیا تو اچانک عورت نے چہرہ اوپر اٹھا کر مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "کون ہو؟ یہاں کس لئے آئے ہو؟"

میں نے عرض کی۔ "محترم خاتون! مجھے آمون کی نیک روح نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ میں تم سے مدد کا طلب گار ہوں۔ آمون کی نیک روح نے کہا تھا کہ تم ہی میری مدد کر سکتی ہو۔"

بوڑھی عورت ایک بار پھر مراقبے میں چلی گئی۔ مزید کچھ وقت خاموشی سے گزر

گیا۔ اچانک بوڑھی عورت نے چہرہ اٹھایا۔ کہنے لگی۔ ”آمون کی نیک روح کا میں بڑا احترام کرتی ہوں۔ میں اس کی بات نہیں ٹال سکتی۔ آمون کی روح نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے کہ تم کیا غرض لے کر میرے پاس آئے ہو۔“

میں نے عرض کی۔ ”محترم خاتون! میں ایک ایسی مصیبت میں پھنس چکا ہوں جس سے نکلنے کا مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ میری مدد کرو اور کسی طریقے سے مجھے میری دنیا میں واپس پہنچا دو۔“

بوڑھی عورت نے لمبا سانس بھرا اور بولی۔ ”اگر تم نے میری ہدایت پر عمل کیا تو یقین کرو تمہاری مصیبت کے دن کٹ جائیں گے اور تم اپنی دنیا میں واپس چلے جاؤ گے۔“

میں نے کہا۔ ”تم جو کہو گی میں وہی کروں گا۔ تم اگر مجھے کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا حکم دو گی تو میں اندھے کنوئیں میں بھی کود جاؤں گا۔“

بوڑھی عورت بولی۔ ”میں تمہیں کوئی ایسا حکم نہیں دوں گی جس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ میں تمہاری ہمدرد ہوں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”تو پھر محترم خاتون حکم کرو مجھے کیا کرنا چاہئے؟؟“

بوڑھی عورت کے پاس ایک چھوٹا تھیلا رکھا ہوا تھا۔ اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر چمڑے کا اس زمانے میں چلنے والا ایک سکہ نکال کر مجھے دیا اور کہا۔ ”یہاں سے تین کوس مشرق کی طرف چلے جاؤ۔ آگے تمہیں ایک مردہ گھر ملے گا جہاں لاشوں کو حنوط کیا جا رہا ہو گا۔ لاشیں حنوط کرنے والوں میں ایک سب سے اونچا لمبا آدمی ہو گا جو لنگڑا کر چلتا ہے۔ اس کا نام کپاتا ہے۔ یہ سکہ اس کو جا کر دے دینا اور کہنا کہ تمہاری بہن نے مجھے بھیجا ہے۔ صرف اس آدمی کو وہ طلسم آتا ہے جو تمہیں تمہاری دنیا میں واپس لے جا سکے گا۔ وہاں لاشوں کو حنوط ہوتے دیکھ کر گھبرانا نہیں۔ یہ ان لوگوں کا پیشہ ہے۔ اب جاؤ۔“

میں نے چمڑے کا سکہ جیب میں ڈال لیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر صحرا کی چاندنی میں مشرق کی سمت رخ کر لیا۔ تین کوس بڑی جلدی طے ہو گئے۔ ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکلا تو سامنے ایک بہت بڑا مکان سا نظر آیا۔ قریب گیا تو ایک آدمی مکان کے گیٹ پر بیٹھا تھا۔

میں گھوڑے سے اتر کر اس کے پاس گیا تو اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ”تمہارا مردہ کہاں ہے؟“

میں نے کہا۔ ”میں کوئی مردہ حنوط کرانے نہیں آیا' بھائی مجھے کپاتا سے ملنا ہے۔“

اس آدمی نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور بولا۔ ”گھوڑا یہاں چھوڑ دو اور اندر چلے جاؤ۔ کپاتا اندر کام کر رہا ہے۔“

میں دروازے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک اونچی چھت والا بہت بڑا ہال کمرہ سا ہے۔ ایک طرف فرش پر کفن میں لپٹے ہوئے مردے دو قطاروں میں پڑے ہیں۔ آگ کے الاؤ پر دو بہت بڑے بڑے لوہے کے کڑاؤ چڑھے ہوئے ہیں جن میں سبز اور نسواری رنگ کا پانی ابل رہا ہے۔ ایک کڑاؤ زمین پر رکھا ہوا ہے جس کے قریب ہی لکڑی کے تختے پر ایک لاش پڑی ہے جس کا پیٹ پھٹا ہوا ہے۔ دو آدمی کڑاؤ میں سے کوئی گرم گرم سیال اور تارکول ایسی شے کڑچھوں سے نکال کر مردے کے پیٹ میں بھر رہے ہیں۔ آگ کے الاؤ کے پاس دو آدمی کھڑے پسینے میں شرابور کڑاؤ میں بانس پھیر رہے ہیں۔ ایک طرف مردے کے جسم میں سے نکالی ہوئی انتڑیوں وغیرہ کا ڈھیر پڑا ہے۔ فضا میں گندے بیروزے اور تارکول کی سخت ناگوار بو رچی ہوئی ہے۔ دوسرے تختے پر تین آدمی ایک مردے کو لا کر ڈال رہے ہیں۔ ان میں ایک لنگڑا کر چلتا ہوا آدمی ہاتھ میں چھڑی لئے ہر شے کا معائنہ کر رہا ہے۔ یہ اونچا لمبا آدمی ہے۔ ایک مزدور لکڑیوں کا گٹھا لئے میرے قریب سے گزرا تو میں نے اس سے پوچھا۔ ”بھائی مجھے کپاتا سے ملنا ہے۔“

اس نے چھڑی والے اونچے لمبے لنگڑے آدمی کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ ”وہ ہے کپاتا؟“

وہاں میرا جی سخت گھبرا رہا تھا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں۔ یہ مردہ خانے میں لاشیں حنوط کرنے والا میرا اتنا اہم اور نازک کام کیسے کر سکے گا۔ پھر خیال آیا کہ قدیم مصر میں اسی قسم کے کام کرنے والے لوگ طلسم کے ماہر ہوتے تھے اور ان کے پاس ایسے ایسے جادوئی راز ہوتے تھے کہ جن کے عمل سے آدمی کی کایا پلٹ جاتی

تھی۔ آخر مجھے آمون کی نیک روح نے خواب میں آکر خوشخبری دی تھی کہ میں اس بوڑھی عورت کے پاس جاؤں۔ وہ میری مشکل کا حل جانتی ہے اور اس بوڑھی عورت نے جو بڑی عبادت گزار عورت لگتی تھی' مجھے اس آدمی کے پاس بھیجا ہے۔ ضرور یہ شخص اس قابل ہوگا ورنہ آمون کی نیک روح مجھے اس بوڑھی عورت کے پاس اور بوڑھی عورت کو مجھے اس آدمی کے پاس بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں یہ سوچ رہا تھا کہ جو آدمی لکڑیوں کا گٹھا لے کر میرے قریب سے گزرا تھا وہ کپاتا کے پاس جا کر رک گیا اس نے لنگڑے کپاتا کو کچھ کہا۔ کپاتا نے میری طرف نگاہ ڈالی اور لنگڑاتا ہوا میرے پاس آگیا۔ کہنے لگا۔ "تمہیں بڑی بہن جی نے بھیجا ہے؟"

بڑی بہن جی سے مراد بوڑھی عورت ہی ہو سکتی تھی۔ میں نے کہا۔ "جی ہاں۔"

کپاتا نے پوچھا۔ "بڑی بہن جی نے تمہیں اپنی نشانی نہیں دی؟"

میں نے جیب سے چمڑے کا سکہ نکال کر اسے دے دیا۔ "بڑی بہن جی نے یہ سکہ دے کر کہا تھا کہ میں تمہیں دے دوں اور کہنا کہ تمہاری بہن نے مجھے بھیجا ہے۔"

لنگڑے آدمی نے سکہ غور سے دیکھ کر اسے جیب میں رکھ لیا اور چھڑی کے اشارے سے مجھے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ بڑے بڑے کڑاؤ کے قریب سے گزر کر سامنے والی دیوار کی طرف بڑھا۔ وہاں ایک تنگ سا دروازہ تھا۔ وہ دروازے کے پاس جا کر رک گیا۔ کہنے لگا۔ "میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے طلسم کا راز تم پر کھولنے والا ہوں۔ تم نے کسی کو بتایا تو نہیں کہ تم میرے پاس آ رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "بالکل نہیں! میں اکیلا ہی آ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔ "میرے ساتھ نیچے آ جاؤ۔"

تنگ دروازے میں سے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ نیچے ایک کافی کشادہ تہ خانہ تھا۔ فضا میں بڑی گھٹن تھی۔ آمنے سامنے دیواروں پر دو مشعلیں روشن تھیں۔ درمیان میں ایک اونچا تخت پوش پڑا تھا جس کی ایک جانب مشعل روشن تھی۔ دوسرے تخت پر

تین انسانی کھوپڑیاں اور بازوؤں کی ہڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کونے میں ایک گول میز پر رنگ برنگی دواؤں والی بوتلیں پڑی تھیں۔ کپاتا نے کہا۔ "اس تخت پر بیٹھ جاؤ۔"

میں تخت پر بیٹھ گیا۔ وہ سٹول کھینچ کر میرے پاس ہو کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ "یہ طلسم جو میں تم پر کرنے والا ہوں ہمارے خاندان کا سب سے قیمتی راز ہے۔ اگر میری بڑی بہن نے تمہیں نہ بھیجا ہوتا تو میں یہ راز تم پر کبھی نہ کھولتا مگر اپنی بہن کے آگے انکار نہیں کر سکتا۔ اب مجھے بتاؤ کہ تم کتنی صدیاں آگے جانا چاہتے ہو؟"

کپاتا کے اس سوال پر مجھے فوراً یقین ہو گیا کہ یہ شخص ضرور مجھے میری دنیا میں واپس پہنچا دے گا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اپنے زمانے سے ساڑھے پانچ ہزار سال پیچھے نکل آیا ہوں۔ کپاتا بولا۔ "ٹھیک ہے مجھے پانچ بار تم پر طلسم پھونکنا پڑے گا۔ اس کے بعد تم آنکھیں بند کر لو گے جب آنکھیں کھولو گے تو اپنے زمانے میں پہنچ چکے ہو گے۔"

وہ اٹھ کر کونے والی میز کے پاس گیا۔ ایک بوتل میں سے سبز رنگ کا تھوڑا سا مشروب نکال کر پیالے میں ڈالا۔ پیالہ میرے پاس لا کر کہا۔ "اس مشروب کو ایک ایک گھونٹ کر کے پی جاؤ۔ یاد رہے کہ تم نے اس مشروب کو ساڑھے پانچ گھونٹ میں پینا ہے۔ ہر گھونٹ تمہیں ایک ہزار سال پیچھے لے جائے گا۔"

میں پیالہ پکڑ کر منہ کے پاس لے گیا۔ مشروب میں سے عجیب سی بو آ رہی تھی۔ میں ناک بند کر کے مشروب کو ساڑھے پانچ گھونٹ میں تقسیم کر کے پی گیا۔ مشروب پینے کے بعد میرے اندر ایک بڑی خوشگوار سی گرم لہر دوڑ گئی۔ مجھ پر اس مشروب کا بڑا اچھا اثر ہوا تھا۔ میں دل میں خوش ہو رہا تھا کہ تھوڑی دیر بعد میں اس غیر مہذب اور بجلی کمپیوٹر' ٹیلی ویژن اور جیٹ ہوائی جہازوں سے محروم معاشرے کو خیرباد کہہ کر اپنے زمانے میں واپس چلا جاؤں گا۔ کنچن کا دل میں خیال ضرور آ رہا تھا کہ وہ بے چاری میرا انتظار ہی کرتی رہ جائے گی میں اس سے ساڑھے پانچ ہزار سال اگلے زمانے میں نکل چکا ہوں گا۔ کنچن سے مجھے محبت سی ہو گئی تھی مگر ہماری محبت کے درمیان ساڑھے پانچ ہزار سال کا فاصلہ تھا۔

کپاتا مجھے مشروب پلانے کے بعد کونے والی میز پر بوتلوں میں سے دوائیاں نکال نکال کر ایک پیالے میں ڈال رہا تھا۔ اس نے وہیں سے آواز دے کر کہا۔ "اگر غنودگی محسوس کرو تو مجھے بتا دینا۔"

مجھے تھوڑی تھوڑی غنودگی محسوس ہونے لگی تھی۔ میں نے کہا۔ معمولی سی غنودگی محسوس کر رہا ہوں۔"

کپاتا پیالے میں تھوڑا سا اور مشروب ڈال کر لے آیا۔ "لو۔ اسے بھی پی لو۔ غنودگی دور ہو جائے گی۔"

میں وہ مشروب بھی پی گیا۔ اس کے پیتے ہی میری غنودگی ختم ہو گئی اور میں اپنے اندر ایک طاقت سی محسوس کرنے لگا۔ کپاتا ایک ہاتھ میں انسانی کھوپڑی اور دوسرے ہاتھ میں انسانی کہنی کی ہڈی لے کر میرے قریب اسٹول پر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ "اپنی نظریں اس کھوپڑی پر جما دو۔ میں طلسم پڑھنے لگا ہوں۔"

میں نے اپنی نظریں کھوپڑی پر جما دیں۔ کپاتا کھوپڑی کے گرد ہڈی کو آہستہ آہستہ دائرے کی شکل میں گھماتے ہوئے کوئی منتر پڑھنے لگا۔ کھوپڑی کو دیکھتے دیکھتے مجھ پر ایک بار پھر غنودگی طاری ہونا شروع ہو گئی۔ کپاتا نے منتر پڑھنے بند کر دیئے۔ کہنے لگا۔ "تمہیں دوبارہ غنودگی محسوس ہو رہی ہو گی۔"

میں نے کہا۔ "ہاں۔"

وہ بولا۔ "تو لیٹ جاؤ۔ ہاتھ سینے پر باندھ لو۔ ٹانگیں بالکل سیدھی کر لو۔"

میں نے ایسا ہی کیا۔ کپاتا دوبارہ منتر پڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میرا جسم ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کپاتا نے منتر پڑھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ "اب کیا محسوس کر رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "جسم ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

کپاتا بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میرے طلسمی منتر کا اثر ہونا شروع ہو گیا۔ بس اب تھوڑی دیر بعد تم واپس اپنی دنیا میں چلے جاؤ گے۔"

اور وہ اونچی آواز میں منتر پڑھنے لگا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرا جسم ٹھنڈا ہونے کے بعد آہستہ آہستہ سن ہو رہا ہے' بے حس ہو رہا ہے۔ میرے ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے سینے پر انگلی کا ناخن چبھویا۔ مجھی ذرا سی بھی درد محسوس نہ ہوئی۔ میں ایک دم خوفزدہ ہو گیا۔ کہیں میرے ساتھ دھوکا تو نہیں ہوا؟ میں نے ایک بار پھر ناخن سینے پر چبھونے کی کوشش کی مگر اس بار میری انگلی نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے پاؤں کے انگوٹھے کو ہلانا چاہا۔ میں اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو بھی نہ ہلا سکا۔ کیا میں اپنی دنیا میں' اپنے زمانے میں' ساڑھے پانچ ہزار سال آگے جا رہا ہوں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے کپاتا سے کہا۔

"میں......"

میں زبان سے پورا لفظ بھی ادا نہ کر سکا۔ میرے حلق سے صرف ے کی آواز ہی نکل کر رہ گئی۔ میری زبان بھی بند ہو گئی تھی۔ میرے ذہن میں طوفان سا مچ گیا۔ کپاتا نے منتروں کا جاپ بند کر دیا۔ وہ سٹول پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے مجھے حکم دینے والے انداز میں کہا۔ "اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

میں نے جسم کا سارا زور لگایا مگر میں اپنی جگہ سے ذرا سا بھی نہ ہل سکا۔ اس نے میرا ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر چھوڑ دیا۔ میرا ہاتھ کٹی ہوئی شاخ کی طرح میرے سینے پر گر پڑا۔ کپاتا نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

میں نے بولنا چاہا' مگر میری آواز نے ساتھ نہ دیا۔ میری آواز بھی بند ہو چکی تھی۔ کپاتا نے کھوپڑی اور کہنی کی ہڈی کونے والی میز پر رکھ دی اور دروازے کے پاس جا کر آواز دی۔

"پٹیاں لے آؤ۔ مردہ تیار ہو گیا ہے۔"

O==========☆==========O

ابھی تک میں یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ ساری کارروائی کے کیاتا اس طلسم کا حصہ ہے
جس کی مدد سے میں واپس اپنی دنیا میں پہنچ سکوں گا۔ اتنے میں اوپر سے ایک آدمی تہہ
خانے میں آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک بڑا کیتلا اٹھا رکھا تھا۔ اس کیتلے میں
نسواری رنگ کا پانی تھا اور نسواری پانی میں کپڑے کی پٹیاں بھگوئی ہوئی تھیں۔ یہ وہ پٹیاں
تھیں جو قدیم مصر میں مردوں کو حنوط کرنے والے لاشوں کے جسم کے گرد لپیٹا کرتے تھے۔
کیاتا نے اس آدمی سے کہا۔ "یہاں رکھ دو۔"

بھگوئی ہوئی پٹیوں والا کیتلا تخت پوش کے پاس رکھ دیا گیا۔ دونوں آدمیوں نے
پٹیوں کو کیتلے سے نکال کر میرے جسم پر لپیٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت یہ خیال بجلی کی طرح
میرے دماغ میں کوند گیا کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور یہ جال کاہن جادوگر کی بدروح
کا بچھایا ہوا تھا اور میں اپنے تعویذ کے نہ ہونے کی وجہ سے بڑی آسانی کے ساتھ اس کے
جال میں پھنس گیا ہوں۔ میں نہ بول سکتا تھا نہ اٹھ کر بھاگ سکتا تھا۔ میں اپنے جسم کا کوئی
بھی عضو نہیں ہلا سکتا تھا۔ بے جان پتھر کی طرح تختے پر پڑا تھا اور لنگڑا کیاتا دوسرے آدمی
کے ساتھ مل کر میرے جسم کے گرد ممی کی پٹیاں لپیٹے چلا جا رہا تھا۔ اگرچہ میرا محافظ تعویذ

میرے پاس نہیں تھا مگر آکاش ناگن کا مہرہ میرے لمبے کرتے کی خفیہ جیب میں موجود تھا۔
مگر مجھے اس مہرے کا خیال اس وقت آیا تھا جب میں اس قابل نہیں رہا تھا کہ جیب سے
مہرہ نکال کر منہ میں رکھ کر غائب ہو جاؤں۔

ان لوگوں نے میرے کپڑے نہیں اتارے تھے۔ بلکہ کپڑوں سمیت میرے جسم پر
خوب کس کس کر گیلی پٹیاں لپیٹ رہے تھے۔ تو کیا خواب میں آنے والی روح آمون کی
نیک روح نہیں تھی؟ کیا یہ کاہن جادوگر کی بدروح تھی جو آمون کی روح کا روپ دھار کر
مجھے اپنے جال میں پھنسانے کے لیے خواب میں آ گئی تھی؟ کاہن جادوگر کی بدروح کا
فریب ثابت ہو رہا تھا۔ یہ لوگ مجھے زندہ ممی بنا رہے تھے۔ میری صرف سماعت بینائی اور
سوچنے کی قوت کام کر رہی تھی۔ باقی سارے جسم نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ میں صرف سن
سکتا تھا، سوچ سکتا تھا اور دیکھ سکتا تھا، نہ بول سکتا تھا نہ اپنے جسم کو حرکت دے سکتا تھا۔
میں تختے پر بالکل سیدھا پڑا تھا۔ میری آنکھیں چھت پر لگی تھیں اور سوچ رہا تھا کہ میرا
انجام کیا ہو گا؟ مجھے زندہ حالت میں حنوط کر دیا گیا تھا۔ کاہن جادوگر کی بدروح نے مجھ پر
بڑی مہربانی کی تھی کہ میرا پیٹ کھول کر انتڑیوں کو نہیں نکالا تھا۔ خدا جانے ایسا اس نے
کس لئے نہیں کیا تھا۔

اچانک چھت پر دھوئیں کا ایک گولا نمودار ہوا۔ گولا گھومنے لگا۔ پھر اس نے کاہن
جادوگر کی بدروح کی شکل اختیار کر لی۔ اس نے اپنی کھڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

"مَیں نے تجھ سے آمون کی روح کو میرے قبضے سے چھڑانے کا بدلہ لے لیا ہے۔
اس بار مَیں نے تم پر بڑا کاری وار کیا ہے۔ اپنے مردہ جسم کو لے کر تم انتہائی اذیت کی
حالت میں ہزاروں سال تک زندگی اور موت کے درمیان لٹکتے رہو گے۔ میں نے اس
لئے بھی تمہارے جسم کا چیر پھاڑ نہیں کرایا کہ ممکن ہے تمہارے جسم کو چیرنے پھاڑنے
سے تم مر جاؤ مگر میں تمہیں مارنا بھی نہیں چاہتا۔ میں نے تمہیں ایک ایسی زندگی دے دی
ہے جو موت سے بدتر ہے۔"

کاہن کی بدروح کا ہیولا غائب ہو گیا۔ اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی

تھی کہ میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا وہ کاہن جادوگر کی بدروح کے اشاروں پر ہو رہا تھا۔ جب میرے سارے جسم اور چہرے پر سوائے میری آنکھوں کے گیلی پٹیاں لپیٹ دی گئیں تو لنگڑے کپاتا نے اپنے آدمی سے کہا۔ "اس کا تابوت لاؤ۔"

وہ آدمی اوپر سے ایک تابوت اٹھا کر لے آیا۔ مجھے اس تابوت میں ڈال کر اس کا ڈھکن بند کر کے میخوں سے ٹھونک دیا گیا۔ اس کے بعد مجھے ایسے لگا کہ مجھے اٹھا کر اوپر لے جایا گیا ہے۔ وہاں سے باہر لے جایا گیا اور پھر مجھے کسی پر لاد دیا گیا۔ جب مجھے ہچکولے لگنے لگے تو میں سمجھ گیا کہ مجھے کسی خچر وغیرہ پر لادا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ شاید دو خچر بھی تھے۔ ان کی ٹاپوں کی آواز اس وقت آ جاتی تھی جب ان کے پاؤں ریت کی بجائے سخت زمین پر پڑتے تھے۔ کافی دیر تک یہ ہچکولوں کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر جانور رک گئے۔ مجھے کپاتا کی آواز آئی۔ "تابوت نیچے دریا کے پاس لے آؤ۔"

میرے تابوت کو خچر پر سے اتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ پھر اسے گھسیٹا جانے لگا۔ یہ لوگ مجھے تابوت سمیت دریا میں پھینک رہے تھے۔ یہ دریائے نیل تھا جو آگے جا کر سکندریہ کے مقام پر بحیرہ احمر میں جا گرتا تھا۔

ایک بار میرا تابوت سمندر میں داخل ہو گیا تو پھر اس کا اللہ ہی حافظ تھا۔ کچھ پتہ نہیں تھا سمندر کی موجیں اسے کہاں سے کہاں لے جائیں گی اور اگر سمندر میں طوفان آ گیا تو موجوں کے تھپیڑے تابوت کے ٹکڑے اڑا دیں گے اور میں سمندر میں ڈوب جاؤں گا اور سمندر کے نیچے مچھلیاں دیکھتے ہی دیکھتے میری تکا بوٹی کر دیں گی۔ اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ کسی طرح سے میں اپنے کرتے کی خفیہ جیب سے مہرہ نکال کر منہ میں رکھوں اور غائب ہو جاؤں۔ غائب ہو کر میں تابوت سے باہر آ سکتا تھا۔ لیکن ایسا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ ایک تو میرا جسم پتھر ہو چکا تھا دوسرے اگر میرے ہاتھ میں حرکت پیدا ہو بھی جاتی تو میرے سارے جسم پر پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ مَیں پٹیوں کو پھاڑ کر اندر اپنی جیب میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔

مجھے ایسے لگا جیسے میرے تابوت کو زمین سے اوپر اٹھا لیا گیا ہے پھر تابوت کے دریا میں گرنے کی آواز آئی۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ تابوت معمولی ہچکولے کھاتا دریائے نیل کی لہروں پر چل پڑا تھا۔ دریا اور پھر سمندر میں یہ کسی نامعلوم منزل کا سفر تھا۔ تابوت کے اندر اندھیرا تھا۔ ایک خیال ضرور آیا کہ شاید کوئی ماہی گیر دریا میں بہتے تابوت کو دیکھ کر اسے باہر نکال کر کھول دے لیکن اس زمانے میں غریب لوگ جن کی اتنی استطاعت نہیں ہوتی تھی کہ اپنے عزیز و اقارب کے مردے کو حنوط کرا کر دفن کریں' مردے کو تابوت میں بند کر کے دریا برد کر دیتے تھے۔ ایسے تابوتوں کو کوئی ماہی گیر بھی ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تابوت عدم کے سفر پر جا رہے ہیں۔ جو کوئی انہیں ہاتھ لگائے گا اس کو مردے کی بدروح چمٹ جائے گی۔

مجھے خیال آیا کہ ایک طرح سے میں بھی عدم کے سفر پر رواں دواں ہوں۔ اگر کسی چور ڈاکو نے یہ سمجھ کر اس تابوت میں مردے کے ساتھ قیمتی چیزیں بھی ہوں گی دریا سے نکال بھی لیا تو وہ یہ دیکھ کر کہ تابوت میں سوائے ایک قلاش مردے کے اور کچھ نہیں ہے' ممکن ہے مجھے آگ لگا دے یا کسی گڑھے میں دفن کر دے۔ دونوں حالتوں میں میرا انجام ایک ایسی موت تھی جو موت سے کہیں زیادہ عبرت ناک حالت تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیا۔ میری جگہ اگر آپ ہوتے تو آپ بھی بیان نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کو تابوت میں بند کتنا وقت گزر گیا ہے۔ وقت میرے لئے رک گیا تھا۔ کوئی اندازہ نہیں تھا کہ ایک دن گزر گیا ہے' دو دن گزر گئے ہیں کہ چار دن گزر گئے ہیں۔ تابوت کے بہنے کی رفتار میں تیزی ضرور آ گئی تھی اور باہر سے لہروں کا ہلکا ہلکا شور بھی سنائی دینے لگا تھا۔ کئی بار تابوت کبھی دائیں' کبھی بائیں جانب گھوم گیا۔ ایک جگہ تابوت چکر بھی کھانے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ دریا اپنے ڈیلٹے میں پہنچ گیا ہے اور اس کی لہریں سمندر میں داخل ہو رہی ہیں۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد تابوت کبھی اوپر کو اٹھ جاتا اور پھر نیچے کو غوطہ لگا جاتا۔

یہ سمندر کی دیو پیکر موجوں کی حرکت ہی ہو سکتی تھی۔ تابوت سمندر میں داخل ہو چکا تھا۔ یہ حالت بھی نہ جانے کب تک جاری رہی۔ میرے جسم کو تو کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا لیکن میری آنکھوں کو سینک سا لگنے لگا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ تابوت پر بڑی تیز دھوپ پڑ رہی تھی۔ اتنا مجھے معلوم تھا کہ میرا تابوت جس سمندر میں سفر کر رہا ہے اسے بحیرۂ احمر کہتے ہیں اور اس کی ایک جانب سرزمین عرب ہے' اور دوسری جانب براعظم افریقہ کا مشرقی ساحل ہے۔ یہاں سمندر دو براعظموں کے درمیان ایک تنگنائے میں سے گزرتا ہے اور آگے جا کر بحیرۂ عرب میں مل جاتا ہے۔ دو براعظموں میں پھنسے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس سمندر میں ہر وقت طوفان کی کیفیت رہتی تھی۔ اس بات کا امکان تھا کہ طوفانی موجیں مجھے اٹھا کر کسی چٹان سے ٹکرا دیں اور میرا تابوت ٹوٹ پھوٹ جائے اور یا مجھے موجیں کسی جگہ خشکی پر لا کر پھینک دیں۔ خشکی پر آ جانے کی صورت میں کسی کی مجھ پر نگاہ پڑ سکتی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ شخص تابوت کو کھول ڈالے اور مجھے مردہ سمجھ کر گڑھے میں دفن کرنے کی بجائے میری کھلی ہوئی حرکت کرتی آنکھیں دیکھ کر یا تو ڈر کر بھاگ جائے یا یہ سمجھ کر میری پٹیاں اتارنی شروع کر دے کہ میں مردہ نہیں زندہ ہوں اور کسی نے مجھ سے بدلہ لینے کے لیے ایسا سلوک کیا ہے۔ بس یہی زندگی کی ایک امید تھی۔

انسان نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ یہ جادو ٹونے اور توہمات کا زمانہ تھا۔ شہروں کو چھوڑ کر لوگ ابھی تک جنگلوں میں نیم وحشی زندگی بسر کرتے تھے۔ اگر میں کسی جزیرے پر پہنچ جاتا ہوں یا افریقہ کے ساحل پر آ جاتا ہوں تو وحشی لوگ مجھے زندہ مردہ سمجھ کر یا تو وہیں ختم کر دیں گے اور یا پھر مجھے کوئی ایسی مافوق الفطرت ہستی سمجھ کر کہ جس نے موت پر فتح پا لی ہے' میری پوجا شروع کر دیں گے۔ دوسری صورت میں میرے زندہ بچنے اور دوبارہ زندگی کی وادیوں میں داخل ہونے کا قوی امکان تھا اور پھر سمندر میں زبردست طوفان آ گیا۔ بڑی بڑی ہیجان خیز سمندری موجیں میرے تابوت کو کھلونے کی طرح اچھال اچھال کر پھینکنے لگیں۔ یہ عمل نہ جانے کب تک جاری رہا۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک بار تابوت اوپر کو اچھلا اور واپس موجوں پر گرنے کی بجائے زمین سے ٹکرایا اور اس

کا ڈھکنا تڑاخ کی آواز سے ٹوٹ کر پرے جا گرا۔ پہلی شے جس کا میں نے نظارہ کیا وہ دن کی روشنی تھی۔

افسوس کہ میں ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتا تھا ورنہ میں تابوت سے باہر آ جاتا۔ یہی ایک امید تھی کہ اگر یہ کسی ملک کا ساحل ہے تو کسی نہ کسی ماہی گیر کی تابوت پر نظر پڑے گی اور وہ ضرور اس طرف آ جائے گا۔ اگر میں کسی جزیرے پر پہنچ گیا ہوں تو جزیرے کے نیم وحشی لوگ ضرور معلوم کرنے آئیں گے کہ تابوت کہاں سے آ گیا ہے۔ میرے اوپر سورج کی تیز تپش والی دھوپ پڑ رہی تھی۔ نہ جانے میں کب تک وہاں پڑا رہا۔ اس دوران دو بڑی عجیب تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ پہلی تو یہ کہ تیز دھوپ نے میرے جسم کو گرم کر دیا اور مجھے اپنی رگوں میں خون آہستہ آہستہ گردش کرتا محسوس ہونے لگا۔ دوسری تبدیلی میں نے اپنے چہرے پر لپٹی ہوئی پٹیوں میں یہ محسوس کی کہ گرم دھوپ میں پٹیوں کے ساتھ جو موم اور گوند چپکائی گئی تھی اس نے پگھلنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے اپنے چہرے پر موم اور گوند بہتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ میرے چہرے کی کھال میں زندگی کی لہر نمودار ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے پاؤں اور ہاتھوں کو چلانے کی کوشش کی لیکن میں صرف اپنے پاؤں کے انگوٹھے' دو تین انگلیوں اور اسی طرح اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے اور ایک دو انگلیاں ہی ہلا سکا۔

اندھیرے میں یہ امید کی ایک کرن نمودار ہوئی تھی۔ قدرت نے مجھ پر ترس کھا کر مجھے زندگی کا احساس بخش دیا تھا۔ میں تابوت کے اندر ہی پڑا رہا۔ سورج کی دھوپ میرے سارے جسم پر پڑ رہی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں اپنے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کو ہلانے لگتا۔ دھوپ کی تپش نے میرے جسم کے ساتھ لپٹی ہوئی پٹیوں کو کھولنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے سیدھے ہاتھ کو اوپر اٹھایا تو وہ تھوڑا سا اوپر اٹھ آیا۔ ایک گھنٹے کے بعد میرے بازوؤں میں بھی طاقت آ گئی۔ میں لیٹے لیٹے ہاتھوں سے اپنے جسم سے لپٹی ہوئی پٹیوں کو کھولنے لگا۔ وہ کھل تو نہیں رہی تھیں مگر ڈھیلی ہوتی جا رہی تھیں۔ مجھے صرف

اپنے کرتے کے اندر تک ہاتھ لے جانا تھا تاکہ خفیہ جیب سے آکاش ناگن کا مہرہ نکال سکوں۔ یہ کام بہت مشکل لگ رہا تھا لیکن چونکہ مجھے معلوم تھا کہ کرتے کی خفیہ جیب کہاں ہے اس لئے میں ٹھیک اس جگہ سے پٹیوں کو ہٹانے لگا۔ کافی جدوجہد کے بعد میرا ہاتھ پٹیوں کے اندر جیب تک پہنچ گیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور مہرہ نکال کر اسے فوراً منہ میں رکھ لیا۔ مہرہ رکھتے ہی میں غائب ہو گیا۔

غائب ہوتے ہی میں پٹیوں اور تابوت سے باہر نکل آیا تھا۔ تابوت میں صرف میرے جسم کے گرد لپٹی ہوئی گیلی پٹیاں رہ گئی تھیں جو تابوت میں اس طرح تہہ سے لگی ہوئی تھیں جس طرح سرہانہ نکلنے کے بعد خالی غلاف پڑا رہ گیا ہو۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں مشکل کے وقت کام آنے کے خیال سے ہر وقت اپنی کمر کے ساتھ دو تین قیمتی ہیرے کپڑے میں لپیٹ کر باندھے رکھتا تھا۔ میں نے اپنی کمر کو ٹٹولا۔ میری کمر ننگی تھی۔ میں نے تابوت میں پٹیوں کو ادھر ادھر ہٹایا۔ میرے غائب ہونے کے بعد میری کمر کے ساتھ بندھا ہوا کپڑا اور اس میں بندھے ہوئے ہیرے تابوت میں ہی رہ گئے تھے۔ میں نے ہیرے اٹھا لئے۔ یہ تین ہیرے تھے اور بہت قیمتی تھے۔ میں نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ سمندری موجوں نے مجھے کہاں پھینک دیا ہے۔ جہاں تک میں نے اندازہ لگایا یہ کوئی جزیرہ نہیں تھا بلکہ کسی ملک کا ساحل تھا اور یہ ملک براعظم افریقہ کا کوئی جنوبی ملک ہی ہو سکتا تھا۔ اس زمانے میں براعظم افریقہ کے جس ملک کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے وہ سوڈان ہی تھا۔ سوڈان وہ ملک تھا جہاں قبل از اسلام عربوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد مصر کے فرعونوں نے فرار ہو کر اپنی دوسری بڑی سلطنت قائم کی تھی لیکن میرا خیال تھا کہ میرا تابوت بحیرۂ احمر کی تنگنائے میں دیر تک سفر کرتا رہا تھا اور میں سوڈان سے کافی نیچے ملک ایتھوپیا کے قریب پہنچ چکا تھا جو خلیج عدن کے مشرقی ساحل پر واقع تھا۔

ساحل سمندر پر دور دور تک زرد ریت پھیلی ہوئی تھی۔ جب تک میں اپنے مادی جسم میں تھا سورج کی تپش مجھے بہت تیز محسوس ہو رہی تھی، لیکن غائب ہو جانے

کے بعد دھوپ کی تپش کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے ہوا میرے آرپار ہو کر گزر رہی ہے۔ سب سے پہلے مجھے لباس کی ضرورت تھی کیونکہ میں الف ننگا تھا۔ اگر میں منہ سے مہرہ نکال لیتا ہوں تو میں عریاں حالت میں کسی کے سامنے نہیں جا سکتا تھا۔ دوسرے مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ میں کون سے ملک میں آ گیا ہوں اور کیا وہاں سے مصر کی طرف کوئی بحری جہاز جاتا ہے۔ کیونکہ میں فوراً مصر اپنی دوست کنچن کے پاس جانا چاہتا تھا جس کے پاس میں اپنے بازو کا تعویذ رکھ آیا تھا۔ تعویذ کے بغیر میں سخت خطرے میں تھا۔ کسی بھی وقت کاہن جادوگر کی بدروح مجھ پر حملہ کر سکتی تھی۔ میرا غیبی حالت میں ہونا البتہ مجھے کاہن جادوگر کے طلسمی حملے سے بچا سکتا تھا چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اشد ضرورت کے وقت اپنے آپ کو ظاہر کروں گا باقی سارا وقت غیبی حالت میں ہی رہوں گا۔

میں ساحل سمندر کو چھوڑ کر کچھ فاصلے پر نظر آنے والے درختوں کے جھنڈوں کی طرف چل پڑا۔ یہ درخت کسی جنگل کے مشرقی کنارے کے درخت تھے۔ میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ یہ زیادہ گھنا جنگل نہیں تھا۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔ زمین پر جنگلی جھاڑیوں کی بھرمار تھی۔ کوئی پگڈنڈی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں جنگل کے اندر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ نہ مجھے تھکان محسوس ہو رہی تھی، نہ پاؤں میں کانٹے وغیرہ چبھنے کی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ مجھے اپنا آپ خود بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں اور جسم کی موجودگی کا پورا احساس تھا۔ یہ بھی احساس تھا کہ میں نے بائیں کی ہاتھ کی مٹھی میں تین قیمتی ہیرے تھام رکھے تھے۔ اچانک کسی عورت کے رونے کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں رک گیا۔ آواز جس طرف میں جا رہا تھا اسی طرف سے آئی تھی۔ چند لمحوں کے بعد پھر وہی آواز آئی۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی عورت بے بسی کی حالت میں ہے اور روتے روتے اس کی آواز بیٹھ چکی ہے۔ میں آواز کی سمت تیز تیز چلنے لگا۔ اس طرف درخت کم تھے مگر بڑی اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں۔ ان جھاڑیوں کے درمیان سے دھواں بھی اٹھ رہا تھا۔

جیسے جیسے میں جھاڑیوں کے قریب جا رہا تھا عورت کے رونے کی دبی دبی آواز اور زیادہ گھٹتی جا رہی تھی جیسے کوئی زبردستی اس کا گلا دبا رہا ہو۔ میں دوڑ کر جھاڑیوں کے درمیان پہنچ گیا۔ دیکھا کہ چھ سات ننگ دھڑنگ بونے حبشی ہیں۔ آگ جلا رکھی ہے۔ تین آدمی آگ کے پاس چھریاں کلہاڑی وغیرہ لئے بیٹھے ہیں اور تین آدمی ایک عورت کو زبردستی کھینچ کر آگ کے قریب لا رہے ہیں۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ آدم خور جنگلی ہیں اور اس عورت کو بھون کر کھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ وہ لوگ مجھے دیکھ تو سکتے نہیں تھا۔ اتنا مجھے معلوم تھا کہ جس زمانے میں' میں پہنچ چکا ہوں وہ جادو ٹونے اور توہمات کے عروج کا دور ہے اور جنگلی لوگ تو مافوق الفطرت چیزوں سے بے حد خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ فرعون آمون کی نیک دل روح کے طلسم کے اثر سے میرے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ میں دنیا کی ہر قوم ہر قبیلے کی زبان سمجھ لیتا تھا مگر اس کے لیے شرط صرف یہ تھی کہ کوئی شخص پہلے اپنی زبان میں کوئی بات کرے۔ اس کی زبان کے الفاظ سنتے ہی اس زبان کا مفہوم مجھ پر کھل جاتا تھا اور میں وہ زبان بولنے اور سمجھنے لگتا تھا۔ یہ جنگلی عورت کو گھسیٹ کر آگ کے پاس لے آئے۔ آگ کے پاس بیٹھے ہوئے جنگلیوں میں سے ایک آدمی ہاتھ میں کلہاڑی لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شاید وہ عورت کے سر پر کلہاڑی کا وار کر کے اس کی آواز کو جو اب چیخوں میں بدل رہی تھی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینا چاہتا تھا۔ میں اسی جنگلی کے پاس آ گیا۔

جیسی ہی اس نے عورت کے سر پر کلہاڑی کا وار کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا میں نے اس کے پیٹ پر پوری قوت سے لات ماری وہ دہرا ہو کر درد سے بلبلاتا وہیں گر پڑا۔ میں نے کلہاڑی اٹھالی جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی تھی۔ کلہاڑی میرے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گئی۔ دوسرے آدمیوں نے جب اپنے ایک ساتھی کو پیٹ پکڑ کر دہرا ہو کر گرتے اور درد سے بلبلاتے دیکھا تو سمجھے کہ اس کے پیٹ میں اچانک درد شروع ہو گیا ہے۔ ایک جنگلی اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ باقی جنگلیوں نے عورت کو پکڑ کر لٹا دیا۔ میں نے فوراً کلہاڑی کا ایک وار ایک حبشی پر اور دوسرا وار دوسرے پر کیا۔ جس نے

عورت کو پکڑ رکھا تھا کلہاڑی کا ایک وار اس کی گردن پر مارا اس کی آدھی گردن کٹ گئی۔ ایک دم تین جنگلی لہولہان ہو کر زمین پر گرے اور تڑپنے لگے۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر باقی کے جنگلی سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ گئے۔ عورت حیران اور سراسیمہ ہو کر جھاڑی کے پاس بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہی ہو گی کہ اچانک وہاں کوئی جن بھوت یا چڑیل وغیرہ پہنچ گئی ہے جس نے آدم خور جنگلیوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ وہ عورت جو عورت نہیں لڑکی تھی اور اس کی عمر زیادہ سے زیادہ پندرہ سولہ سال ہو گی' اس کا رنگ گہرا سیاہ تھا اور کمر کے ساتھ صرف ایک تہبند بندھا ہوا تھا۔ پہلے میں نے یہ سوچا کہ اسے اسی طرح چھوڑ کر آگے نکل جاتا ہوں کیونکہ میں نے اس کے ساتھ کوئی بات کی تو کہیں ڈر کے مارے یہ بے ہوش نہ ہو جائے۔

پھر خیال آیا کہ یہ عورت میری راہ نمائی کر سکتی ہے۔ اس کی زبان سمجھنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی زبان میں کوئی جملہ بولے جسے سن کر میرے ذہن میں اس کی زبان کی لغت کھل جائے۔ میں ظاہری حالت میں اس کے سامنے بھی نہیں آ سکتا تھا۔ تین جنگلی کلہاڑی کے گہرے زخم کھا کر زمین پر اپنے ہی خون میں تڑپ رہے تھے۔ جنہیں لڑکی دیکھ کر کانپ رہی تھی۔ مجھے یہ خیال بھی تھا کہ میں نے غیبی حالت میں اس سے کوئی بات کی تو یہ ڈر کر بھاگ نہ جائے۔ یہ لڑکی میری ممنون احسان تھی اور میری مدد کر سکتی تھی۔ کم از کم مجھے یہ ضرور بتا سکتی تھی کہ یہ کون سا ملک ہے اور یہاں سے مصر جانے کے لیے مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ میں نے آگے بڑھ کر مضبوطی سے لڑکی کی کلائی پکڑ لی۔ جیسے ہی میرا ہاتھ لڑکی کی کلائی پر پڑا اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ چیخ کوئی زبان نہیں تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے منہ سے کوئی فقرہ نکلے۔ میں نے اپنی زبان میں کہا۔ ”ڈرو نہیں۔ ڈرو نہیں۔“

اس کی بلا جانے میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آواز سن کر وہ اور زیادہ خوفزدہ ہو گئی۔ کیونکہ اسے اپنے سامنے بولنے والا اور اس کی کلائی پکڑنے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں اسے کھینچتے ہوئے جھاڑیوں کی دوسری طرف لے گیا اور کافی آگے جا کر اسے اپنے

پاس بٹھا لیا اور دو تین جملے بولے۔ آخر لڑکی کے منہ سے بھی ایک جملہ نکل گیا۔ اس نے اپنی زبان میں لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے دشمنوں کی بدروح مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔"

اس کی زبان کا جملہ سنتے ہی مجھ پر اس زبان کے تمام اسرار و رموز کھل گئے۔ میں نے اسی کی زبان میں کہا۔ "سنو! غور سے سنو! ڈرو نہیں۔ میں تمہارے دشمنوں کی کوئی بدروح نہیں ہوں۔ میں تمہارا دوست ہوں اور میں زندہ انسانی حالت میں تمہارے سامنے موجود ہوں صرف تمہیں دکھائی نہیں دیتا کیونکہ میرے جسم پر کوئی لباس نہیں ہے۔"

میری اس وضاحت کا لڑکی پر کچھ اثر ہو گیا تھا۔ وہ ٹھٹھک کر میری سمت غور سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور کہا۔ "میرے پاس جادو کا ایک مہرہ ہے جو میں نے اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے۔ اگر میں مہرے کو باہر نکال دوں تو تم مجھے دیکھ سکو گی۔ لیکن چونکہ میں مادر زاد ننگا ہوں اس لئے تمہارے سامنے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ تمہاری چیخوں کی آواز سن کر آ گیا اور دیکھا کہ یہ جنگلی آدم خور تمہیں قتل کر کے بھون کر کھا جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔"

لڑکی کا ڈر خوف تھوڑا دور ہو گیا تھا۔ میرے غائب ہو جانے کا اسے اس لئے یقین آ گیا تھا کہ اس زمانے میں اور خاص طور پر افریقہ کے جنگلوں میں جادو ٹونے کا رواج عام تھا۔ میں نے کہا۔ "اگر کہیں سے مجھے کوئی تہبند مل جائے تو میں اسے کمر کے گرد لپیٹ کر تمہارے سامنے آ سکتا ہوں۔"

لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مجھے پیچھے درختوں میں ایک جگہ لے گئی جہاں جھاڑیوں میں اس کی نیلی چادر الجھی ہوئی تھی۔ اس نے چادر سمیٹ کر زمین پر رکھ دی اور کہا۔ "اسے باندھ لو۔"

میں نے چادر اٹھا لی۔ چادر غائب ہو گئی۔ پھر میں نے چادر اچھی طرح سے اپنے جسم کے گرد لپیٹی اور منہ سے آکاش ناگن کا مہرہ نکال کر مٹھی میں پکڑ لیا۔ مہرہ نکالتے ہی میں انسانی شکل میں اس کے سامنے آ گیا۔ لڑکی اس قدر متاثر ہوئی کہ اس نے دونوں بازو

اوپر اٹھائے اور پھر میرے قدموں پر جھک گئی۔ وہ مجھے کوئی بہت بڑا جادوگر سمجھ رہی تھی۔ ویسے اس نے جو کمال دیکھا تھا وہ کوئی بڑا جادوگر ہی دکھا سکتا تھا۔ میں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔ "میں صرف اتنا جادوگر ہوں کہ مجھے غائب ہو جانے کا جادو آتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ یہ کون سا ملک ہے اور یہاں سے مصر کی جانب کوئی کاررواں یا بحری جہاز کس طرف سے جاتے ہیں؟"

لڑکی نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ میں تمہیں اپنے باپ سے ملاتی ہوں۔"

وہ مجھے ساتھ لے کر جنگل میں چل پڑی۔ اس طرح ہم لاہور کی سڑکوں پر بھی نہیں چلتے جس آسانی کے ساتھ وہ نوکیلی خشک گھاس اور کانٹے دار جھاڑیوں میں سے گزرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ راستے میں ہم نے ایک ندی بھی عبور کی۔ ندی کے دوسری طرف دوسرا جنگل شروع ہو گیا۔ اس جنگل میں بھی ہم کافی دیر تک چلتے رہے۔ آخر مجھے دور درختوں کے نیچے ایک کھلی جگہ پر کچھ جھونپڑے دکھائی دیئے۔ لڑکی جھونپڑوں کو دیکھتے ہی اس طرف دوڑ پڑی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ اس نے اونچی آواز میں کسی کو آواز دی۔ جھونپڑوں میں سے عورتیں مرد بچے باہر نکل آئے۔ ایک جھونپڑے میں سے بھاری بھرکم حبشی نمودار ہوا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ لڑکی اس سے جا کر لپٹ گئی۔ اب میں ان آدمیوں کے قریب آ گیا تھا جس آدمی کے ساتھ لڑکی لپٹی ہوئی تھی اس نے قہر بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور نیزہ اٹھایا ہی تھا کہ لڑکی نے نیزہ پکڑ لیا اور کہا۔ "ابا! یہ ہمارا دوست ہے۔ اسی نے مجھے دشمنوں سے بچایا ہے۔ اگر یہ عین وقت پر نہ پہنچ جاتا تو تمہارے دشمن مجھے بھون کر کھا چکے تھے۔"

بھاری بھرکم حبشی نے آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔ یہ اپنے قبیلے کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ میری آؤ بھگت شروع ہو گئی۔ اسی وقت مجھے پھل اور دودھ پیش کیا گیا۔ میں نے پھل بھی کھائے اور دودھ بھی پیا۔ سردار اس بات پر بہت حیران تھا کہ میں ان کی زبان بڑی آسانی اور مہارت سے بول اور سمجھ سکتا تھا۔ لڑکی نے جب اپنے باپ کو بتایا کہ

میرے پاس طلسمی مہرہ ہے جس کو منہ میں رکھنے سے آدمی غائب ہو جاتا ہے تو ایک دم مجھے فکر پڑ گیا کہ یہ سردار کہیں طلسمی مہرے کے لالچ میں آ کر مجھے قتل کر کے طلسمی مہرے پر قبضہ نہ کر لے۔ میں نے فوراً طلسمی مہرہ اپنے منہ میں رکھا اور غائب ہو گیا۔ تمام جنگلی ڈر کے مارے دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ سردار کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میں نے کہا۔ "سردار! میں مسافر ہوں اور ملک مصر جانا چاہتا ہوں۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ میں مصر کیسے پہنچ سکتا ہوں۔"

سردار بولا۔ "میں اپنا آدمی تمہارے ساتھ کر دیتا ہوں۔ وہ تمہیں سمندر کی بندرگاہ پر پہنچا دے گا' وہاں سے مصر کی سمت بادبانی جہاز چلتے ہیں۔"

میں نے فوراً کہا۔ "وہ آدمی میرے ساتھ کر دو' میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

سردار نے ایک نیزہ بردار حبشی کو اشارہ کیا۔ وہ سامنے آ گیا۔ سردار بولا۔ "ہمارے مہمان کو سمندر کے گھاٹ تک پہنچا دو۔"

پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔ "تم غائب رہو گے تو میرا آدمی تمہاری رہنمائی کیسے کر سکے گا۔"

میں نے کہا۔ "اپنے آدمی سے کہو کہ جس طرف سمندر کی بندرگاہ ہے اس طرف کو چل پڑے' میں اپنے آپ اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہوں گا۔"

سردار نے نیزہ بردار حبشی کو اشارہ کیا۔ حبشی ایک طرف کو چل پڑا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ میں ان وحشی جنگلیوں کے سامنے ظاہر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مجھے شک پڑ گیا تھا کہ جیسے ہی میں ظاہر ہوا سردار کے اشارے پر یہ لوگ فوراً مجھے قابو کر لیں گے یا مار ڈالیں گے اور سردار میرے طلسمی مہرے پر قبضہ کر لے گا۔ طلسمی مہرہ اگر سردار کے پاس چلا جاتا ہے تو یہ ایک ایسا ہتھیار تھا کہ جس کی طاقت پر وہ افریقہ کے سارے جنگلی قبیلوں کو اپنے ماتحت کر سکتا تھا۔ نیزہ بردار حبشی میرے آگے آگے تیز تیز چلا جا رہا تھا۔ میں بھی تیز تیز قدم اٹھائے اس کے عقب میں چل رہا تھا۔ جب ہم جنگل میں کافی

آگے نکل گئے تو حبشی رک گیا' میں بھی رک گیا۔ وہ مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ شاید وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا میں اس کے پیچھے آ رہا ہوں؟ میں نے اس کی زبان میں اسے کہا۔ "میں تمہارے پیچھے چل رہا ہوں' تم چلتے جاؤ۔"

وہ دوبارہ تیز تیز چلنے لگا۔ غائب ہونے کے بعد میرا جسم اتنا ہلکا ہو گیا تھا کہ میں جیسے ہوا کے جھونکے کے ساتھ چل رہا تھا۔ جنگلی حبشی بہت تیز لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا جا رہا ہوں۔ میرے جسم پر وہی نیلی چادر تھی جو سردار کی بیٹی نے مجھے دی تھی۔ کسی ساحلی شہر یا قصبے میں پہنچ کر میں نیا لباس خریدنا چاہتا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم ایک مختصر سے ساحلی قصبے میں آ گئے جس کی بندرگاہ پر کچھ بادبانی جہاز سمندر میں کھڑے تھے۔ یہاں میں نے حبشی کو واپس بھیج دیا۔ بندرگاہ پر کافی لوگ کام کرنے میں مصروف تھے۔ یہاں میں ظاہر ہو کر ہی کسی سے معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ میں بندرگاہ سے ہٹ کر درختوں کے پاس آ گیا اور لوگوں کی نظروں سے بچ کر میں نے مہرہ منہ سے نکال لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نظر آنا شروع ہو گیا۔

پتہ چلا کہ ایک بادبانی جہاز تیسرے روز مصر کی بندگارہ سکندریہ کی طرف روانہ ہو گا۔ میں نے قصبے کے بازار میں جا کر نئے کپڑے خرید کر پہن لئے۔ ایک ہیرا جوہری کے ہاں اونے پونے کر کے فروخت کر دیا۔ تیسرے روز ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو گیا۔ دس بارہ دن آبنائے بحرہ احمر کے سمندر میں سفر کرنے کے بعد سکندریہ پہنچ گیا۔ وہاں سے ایک قافلے میں شامل ہو کر مصر کے دارالحکومت پہنچ گیا۔ وہاں سے سیدھا دریا کنارے اپنے مکان پر گیا۔ کنچن مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔ "تم اتنے دن کہاں کھو گئے تھے؟"

معلوم ہوا کہ میں ایک مہینے کے بعد گھر واپس آیا ہوں۔ میں کنچن کو لے کر بیٹھ گیا اور اسے پوری کہانی سنا ڈالی اور کہا۔ "فوراً میرا تعویذ لا کر میرے بازو کے ساتھ باندھ دو۔"

وہ لپک کر دوسرے کمرے میں گھس گئی اور تعویذ لا کر میرے بازو کے ساتھ باندھ دیا۔ کہنے لگی۔ "میں تو مایوس ہو گئی تھی کہ اب تم نہیں آؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "کنچن اب اس ملک میں رہنا خطرات کو اپنی طرف بلانے کے برابر ہے۔ یہاں سے کسی دوسرے ملک کی طرف چل نکلتے ہیں۔"

اس نے کہا۔ "ہمیں کسی ایسے ملک میں جانا چاہئے جہاں تمہاری اپنی دنیا میں واپسی کی کوئی صورت بن سکے اور یہ کوئی ایسا ملک ہی ہو سکتا ہے جہاں جادو اور طلسم عام ہو۔ کیونکہ کوئی جادو طلسم کا ماہر ہی تمہیں تمہاری دنیا میں واپس پہنچا سکتا ہے۔"

===========☆==========O
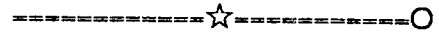
کنچن نے بڑا درست مشورہ دیا تھا لیکن ایسا ملک کون سا ہو سکتا تھا۔ ویسے تو تاریخ کا وہ دور ہی ایسا تھا کہ جدید علوم اور سائنس کی روشنی کہیں نہیں پھیلی تھی۔ لوگ مظاہر فطرت کو دیوی دیوتا بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ اس اعتبار سے کسی بھی ملک میں مجھے کوئی ایسا ماہر جادوگر مل سکتا تھا جو میری مدد کر سکے۔ میں نے کنچن سے کہا۔ "لگتا ہے میرا اپنی دنیا میں واپس جانا ابھی قدرت کو منظور نہیں ہے۔ ہم مصر میں بھی نہیں رہ سکتے۔ مکان بیچ کر کاررواں سرائے میں جا بیٹھتے ہیں۔ جس طرف کو کوئی کاررواں جاتا ہو گا اسی طرف چل پڑیں گے۔ ہماری کوئی منزل تو ہے نہیں۔"

ہم نے مکان فروخت کر دیا اور کاررواں سرائے میں آ کر ٹھہر گئے۔ معلوم ہوا کہ اگلے ہفتے ملک ایران کو ایک قافلہ جانے والا ہے۔ میں نے کنچن سے کہا۔ "ایران آتش پرستوں کا ملک ہے۔ یہ لوگ جادو ٹونے کے سخت خلاف ہیں' اس لئے ہمارا ایران جانا بے کار ہے۔"

وہ بولی۔ "کچھ دیر اور انتظار کر لیتے ہیں۔"

ایک ہفتے کے بعد جب ملک ایران جانے والا قافلہ تیار ہونے لگا تو پتہ چلا کہ یہ قافلہ ایران سے ہوتا ہوا آگے وادی سندھ کے شہر ٹیکشالہ بھی جائے گا۔ اس زمانے میں

ٹیکسلا کا نام ٹیکشالہ ہوا کرتا تھا۔ میں نے سوچا کہ چلو ٹیکسلا چلتے ہیں اور جا کر دیکھتے ہیں کہ جس شہر کو بعد میں پاکستان میں شامل ہونا تھا آج کل اس کی شکل و صورت کیا ہے۔ یہ ایک عجیب تجربہ تھا کہ میں پاکستان کے ایک اہم شہر کو کئی صدیوں پیچھے جا کر دیکھنے والا تھا۔ کنچن سے میں نے کہا کہ میں وادی سندھ کی طرف کوچ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ چاہے تو مجھ سے جدا ہو سکتی ہے۔ وہ کہنے لگی۔ "میں تم سے الگ ہو کر کہاں جاؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔"

چنانچہ ہم ایران سے ہوتے ہوئے وادی سندھ کی طرف جانے والے قافلے میں سفر کرتے ہوئے دو ماہ کے عرصے میں وادی سندھ کے ایک ساحلی شہر میں پہنچ گئے جس کا نام عجیب سا تھا۔ یہ سکندر اعظم کے زمانے کا سندھ تھا اور یہاں بت پرست راجاؤں نے چھوٹے چھوٹے شہروں میں اپنی اپنی الگ حکومتیں بنا رکھی تھیں۔ یہاں سے ہم قافلے ہی کے ساتھ خشکی کے راستے ٹیکشالہ یعنی ٹیکسلا آ گئے جہاں ایک بت پرست راجہ امبی حکومت کرتا تھا۔

اس زمانے کا ٹیکسلا گنجان آباد تنگ تنگ گلی کوچوں والا چھوٹا سا شہر تھا جس کے چاروں طرف اونچی دیوار تھی۔ معبدوں میں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ بدھ مت کے ماننے والے بھی مہاتما بدھ کی مورتی بنا کر اس کی پوجا کرتے تھے۔ آج کے ٹیکسلا اور اس زمانے کے ٹیکسلا میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اس زمانے میں بھارت کو آریا ورت کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ سارے کے سارے شمالی اور وسطی ہندوستان میں وسط ایشیا سے آئے ہوئے آریا قوم کے لوگ آباد تھے اور ان ہی کا ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔

ابھی میں اور کنچن ٹیکسلا کی ایک سرائے میں ہی مقیم تھے کہ معلوم ہوا کہ سکندر اعظم کی فوجیں ایران کو فتح کر کے ٹیکسلا کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ میں سکندر کو دیکھنا چاہتا تھا اور یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تاریخ میں جو لکھا ہے جب سکندر نے ہندوستان پر چڑھائی کی تھی ٹیکسلا کے راجہ امبی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے مگر پنجاب یعنی جہلم کا راجہ پورس یونانی فوجوں کے آگے ڈٹ گیا تھا۔ اگرچہ اسے شکست ہوئی تھی مگر وہ اور اس کے

سپاہی بڑی بے جگری سے لڑے تھے۔ سکندر نے پورس کی بہادری سے متاثر ہو کر اس کو اس کی سلطنت واپس کر دی تھی۔

ہمارے ہوتے ہوئے سکندر کی فوجیں ٹیکسلا میں داخل ہو گئیں۔ تاریخ کے مطابق ٹیکسلا کے راجہ امبی نے ہتھیار ڈال دیئے اور سکندر اعظم کی اطاعت قبول کر لی مگر جہلم کا راجہ پورس اپنی فوج لے کر سکندر کی فوجوں سے مقابلے کے لیے میدان جنگ میں نکل پڑا۔ پھر بالکل وہی ہوا جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ ٹیکسلا میں یونانی فوجوں نے لوگوں کو بیدردی سے قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہم وہاں سے بھاگ کر نیچے وسطی پنجاب سے بھی آگے مگدھ کی ریاست میں آ گئے جس کے دارالحکومت کا نام پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) تھا۔ ہم پاٹلی پتر کی ایک سرائے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ چونکہ تعویذ میرے بازو پر بندھا ہوا تھا اس لئے کاہن جادوگر کے مکارانہ حملے سے بے خبر تھا۔ مجھے بڑی شدت سے کسی ایسے جادوگر یا روحانیات کے ماہر کی تلاش تھی جو مجھے کوئی ایسا ٹونہ ٹوٹکا یا منتر بتاتا جس کا چلہ کر کے میں اپنی دنیا میں واپس جا سکتا۔ دن بھر کنچن سرائے میں رہتی اور میں شہر کے گرد و نواح میں چکر لگاتا رہتا۔ دل میں ایک یہ بھی خیال تھا کہ شاید کسی رات کو فرعون کی نیک روح میرے خواب میں آ کر میری راہ نمائی کرے مگر ایسا نہ ہوا۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ ہم پاٹلی پتر کی سرائے سے اٹھ کر شہر کے اندر کرائے کے ایک مکان میں آ گئے۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایک آدمی اس دن سے میرا پیچھا کر رہا ہے جس دن سے ہم سرائے سے اٹھ کر شہر کے مکان میں آ کر رہنے لگے تھے۔ میں نے ایک سادھو کو ضرور دیکھا تھا کہ جب میں شہر کے باہر دریا اور گھاٹ کے ارد گرد پھر رہا ہوتا تھا تو وہ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر چلا آ رہا ہوتا تھا۔ پہلے تو میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ سادھو جوگی اور سنیاسی لوگ اس زمانے میں عام ہوا کرتے تھے لیکن جب میں نے محسوس کیا کہ وہی ایک سادھو برابر میرا تعاقب کر رہا ہوتا ہے تو ایک روز میں خود اس کے پاس چلا گیا اور کہا۔ "بابا! تم میرا پیچھا کس لئے کر رہے ہو؟ میں تو اس شہر میں مسافر ہوں۔ کچھ روز یہاں کی سیر کرنے

آیا ہوں' اس کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

سادھو کی آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں ایسی کشش تھی۔ اس کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ کہنے لگا۔ "مورکھ! تمہاری خوش قسمتی تمہارا پیچھا کر رہی ہے اور تم اس سے بے خبر ہو۔"

مجھے احساس ہوا کہ یہ سادھو دل کا حال معلوم کر لیتا ہے۔ اس نے بھی معلوم کر لیا تھا کہ میں تقدیر کے چکر میں پھنسا ہوا ہوں اور نجات کا متلاشی ہوں۔ مگر اتنی جلدی میں اس پر اپنے دل کا راز نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ میں نے انجان بن کر کہا۔ "مہاراج! میں سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

سادھو بولا۔ "تم جس مصیبت میں گرفتار ہو اس مصیبت سے صرف میں ہی تمہیں نکال سکتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مجھے لے کر ایک درخت کے پیچھے بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ "مورکھ! تمہارے ماتھے پر تمہاری مصیبت کا سارا حال لکھا ہوا ہے۔ میں اسے پڑھ رہا ہوں۔ مجھے تم کسی اور دنیا کی مخلوق لگتے ہو۔ کیا میں نے ٹھیک نہیں کہا؟"

سادھو کی باتوں نے مجھے متاثر کیا تھا۔ میں نے کہا۔ "لیکن میرے ماتھے پر کیا لکھا ہے مہاراج؟"

میں ابھی اسے اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ سادھو بولا۔ "تمہارے ماتھے پر جو کچھ لکھا ہے وہ تمہیں یہاں نہیں بتا سکتا۔ میں کل شام تمہارے گھر آؤں گا۔ وہیں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ میں نے تمہارا گھر دیکھا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر سادھو وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔ میں سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے یہ سادھو ہی میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ دیکھتے ہیں کل شام یہ کیا بتاتا ہے۔ دوسرے دن شام کو سادھو میرے گھر آ گیا۔ کنچن گھر کے کام کاج میں لگی تھی۔ سادھو نے مجھ سے کہا۔ "کسی ایسی کوٹھڑی میں چلو جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔"

میں مکان کی ایک کوٹھڑی میں اسے لے آیا۔ اس کوٹھڑی میں چراغ روشن تھا۔

کنچن کو میں نے سمجھا دیا کہ جب تک سادھو میرے پاس بیٹھا ہے وہ کوٹھڑی میں نہ آئے۔ سادھو اپنے ساتھ ایک تھیلا لایا تھا۔ کوٹھڑی میں صف بچھی ہوئی تھی۔ ہم صف پر بیٹھ گئے۔ سادھو بولا۔ "کسی ہنڈیا میں پانی ڈال کر لے آؤ۔ پانی زیادہ نہ ہو۔"

میں ایک خالی ہنڈیا میں پانی ڈال کر لے آیا۔ سادھو نے ہنڈیا اپنے سامنے رکھ لی اور کوئی منتر پڑھنے لگا۔ منتر پڑھ کر وہ تھوڑی دیر بعد ہنڈیا پر پھونک مار دیتا تھا۔ ساتویں بار ہنڈیا میں پھونک مارنے کے بعد اس نے کہا۔ "مورکھ! اس ہنڈیا میں جھانک کر دیکھ اور بتا تجھے کیا نظر آتا ہے؟"

میں نے ہنڈیا میں جھانک کر دیکھا۔ ہنڈیا میں جو پانی تھا اس پانی میں میرے عکس کی بجائے ایک ڈراؤنے چہرے والی عورت کی شکل نظر آئی جس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں ڈر کر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ سادھو نے کہا۔ "تمہیں اس عورت سے ڈرنا ہی چاہیے۔ یہ عورت تمہاری جان کی دشمن ہے۔ جب سے تم اس ملک میں داخل ہوئے ہو یہ عورت تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے اور تم پر وار کرنے کا موقع تلاش کر رہی ہے۔"

"اگر یہ عورت میرے سر پر منڈلا رہی ہے تو مجھ پر وار کیوں نہیں کرتی؟" میں نے کہا۔

سادھو بولا۔ "تمہاری گردن اڑانے کے لیے وہ اپنے گورو کا انتظار کر رہی ہے۔ اس کا گورو اب تک ایک لاکھ چھیاسی ہزار آدمیوں اور عورتوں کو قتل کر چکا ہے۔ اس کا گورو ہمالیہ کے پربتوں سے چل پڑا ہے۔ وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ جائے گا۔"

سچی بات ہے طلسم کی دنیا میں پھنس کر میں بھی توہم پرست ہو گیا ہوا تھا۔ سادھو کی بات مجھے سچ لگی۔ میں کچھ گھبرا گیا۔ میں نے کہا۔ "میں آج ہی یہاں سے کسی دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاتا ہوں۔"

سادھو بولا۔ "تم اس عورت کی نظر میں آ چکے ہو۔ تم جہاں بھی جاؤ گے' یہ بلا تمہارے ساتھ جائے گی اور اس کا گورو وہاں پہنچ جائے گا اور تمہیں موت کی نیند سلا دے گا۔"

مجھے معلوم تھا کہ جب تک میں تاریخ کی قدیم دنیا یعنی ماضی کے زمانے میں ہوں‘ میں مر نہیں سکتا۔ لیکن اس عورت کی وجہ سے‘ جس کی شکل میں نے ہنڈیا میں دیکھی تھی کسی ناگہانی آفت میں ضرور پھنس سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں آکاش ناگن کا مہرہ منہ میں رکھ کر کنچن کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ جب میں ہنڈیا کی بلا کو نظر ہی نہیں آؤں گا تو وہ مجھ پر وار کیسے کر سکے گی۔ سادھو نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”مورکھ! میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟ یاد رکھو اگر تم مہرہ منہ میں رکھ کر غائب بھی ہو جاؤ گے تو اس عورت کو نظر آتے رہو گے یہ بلا غضب کی جادوگرنی بھی ہے۔“

میں چونک سا گیا۔ سادھو نے میرے دل کی بات پڑھ لی تھی۔ میں بے اختیار بولا۔

”سادھو مہاراج! پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے کوئی راستہ بتائیں۔“

سادھو نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور بولا۔ ”وہ طلسمی مہرہ جو تمہارے پاس ہے مجھے دکھاؤ۔ میں اس پر ایک منتر پڑھ کر پھونکوں گا۔ اس کے بعد جب تم اسے منہ میں رکھ کر غائب ہو گے تو یہ عورت تو کیا اس کا گورو بھی تمہیں نہیں دیکھ سکے گا۔“

میں اس سادھو کا معتقد ہو چکا تھا۔ جب اس نے مجھ سے طلسمی مہرہ مانگا تو میں نے کرتے کی خفیہ جیب میں ہاتھ ڈال کر مہرہ نکالا اور سادھو کو دینے ہی والا تھا کہ اچانک کنچن آندھی کی طرح کوٹھڑی میں داخل ہوئی اور چیخ کر بولی۔ ”اسے مہرہ مت دینا۔ اسے مہرہ مت دینا۔“

میں نے گھبرا کر مہرے والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ سادھو نے جھپٹا مار کر میرا ہاتھ پکڑ کر مروڑا۔ میں نے ایک ہی جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا اور باہر کو دوڑا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ سادھو کوئی مکار شعبدے باز ہے اور یہ سارا ڈرامہ اس نے مجھ سے میرا مہرہ ہتھیانے کے لیے رچایا تھا۔ سادھو نے مجھے باہر دوڑتے دیکھا تو پانی والی ہنڈیا اٹھا کر میرے پیچھے زور سے پھینکی۔ ہنڈیا فرش پر گرتے ہی دستی بم کی طرح دھماکے سے پھٹی اور مکان میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ کنچن نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے لے کر باہر کو لپکی۔ سادھو ہمارے

پیچھے دوڑتا چلا آ رہا تھا۔ اب میں کنچن کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ دوڑاتا‘ مکان سے نکل کر ایک پگڈنڈی پر دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ ہمارے پیچھے کتے کے بھونکنے کی آواز آنے لگی۔ میں نے دوڑتے دوڑتے پلٹ کر دیکھا۔ ہمارے پیچھے ایک بھینس کے سائز کا کتا منہ سے جھاگ اڑاتا بھونکتا ہوا دیوانہ وار بھاگتا چلا آ رہا تھا۔

طلسمی مہرہ ابھی تک میری مٹھی میں تھا۔ میں نے جلدی سے اسے منہ میں رکھ لیا۔ چونکہ میں نے کنچن کو بازو سے پکڑ رکھا تھا اس لئے میرے ساتھ ہی وہ بھی غائب ہو گئی۔ پہلے میں طلسمی مہرہ منہ میں رکھ کر غائب ہوتا تھا تو مجھے گرد و پیش کی ساری چیزیں دکھائی دیا کرتی تھیں۔ لیکن اس بار عجیب بات ہوئی تھی کہ غائب ہونے کے بعد مجھے اوپر نیچے اور اردگرد کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف یہ احساس تھا کہ کنچن میرے ساتھ ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ میں نے اس کو بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ غائب ہوتے ہی میرے پاؤں اپنے آپ زمین سے بلند ہو گئے۔ اس کے بعد مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں زمین سے دس فٹ بلند ہوں یا دس ہزار فٹ بلند ہوں۔ میرے چاروں طرف نسواری رنگ کا دھواں دھواں سا پھیلا ہوا تھا اور سوائے دھوئیں کی گردش کرتی لہروں کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

میرے کان ایسے شائیں شائیں کر رہے تھے جیسے بڑی تیز آندھیاں چل رہی ہوں۔ اچانک پیچھے سے ہوا کا ایک زبردست تھپیڑا مجھ سے ٹکرا۔ میں اور اوپر کو اچھل گیا اور کنچن کا بازو میری گرفت سے نکل گیا۔ میں نے پوری طاقت سے کنچن کو آواز دی لیکن جواب میں سوائے آندھیوں کے شور کے اور کچھ سنائی نہ دیا۔ کنچن شاید مجھ سے بچھڑ چکی تھی۔ تاریخ کے قدیم راستوں پر چلتے ہوئے عہد ماضی کے ان جانے کبھی نہ دیکھے ہوئے‘ کبھی نہ ملے ہوئے کردار اچانک ملتے تھے اور پھر کبھی نہ ملنے کے لیے اچانک جدا ہو جاتے تھے۔ ماضی کی آندھیاں کنچن کا بازو میرے ہاتھ سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے جا چکی تھیں۔

کچھ دیر تک مجھے کچھ علم نہیں تھا‘ کوئی احساس نہیں تھا کہ میں ہوا میں ہوں یا

زمین پر ہوں۔ پرواز کر رہا ہوں یا ایک جگہ ساکت ہو گیا ہوں۔ بس تیز آندھیوں کا شور ہی شور تھا۔ پھر آہستہ آہستہ شور کم ہوتا چلا گیا۔ جب شور غائب ہو گیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میں زمین پر ہوں۔ میرے اردگرد چھائے ہوئے نسواری رنگ کے بادل غائب ہو گئے اور ان کی جگہ گہری دھند کے سفید بادلوں نے لے لی۔ میرے پاؤں زمین پر تھے مگر مجھے زمین کی سردی یا گرمی یا سختی یا نرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ دھند اتنی گہری تھی کہ مجھے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ میں زمین پر ہوں یا بادلوں کی جگہ' دھند نے مجھے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اچانک دھند ختم ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ آسمان پر بادل ہی بادل ہیں۔ میں ایک اجاڑ سی جگہ سے گزر رہا ہوں۔ شام کا دھندلکا چھا رہا ہے۔ اچانک بجلی چمکی۔ بادل زور سے گرجے اور بوندا باندی شروع ہو گئی۔ غائب ہونے کی وجہ سے میں بھیگ تو نہیں رہا تھا لیکن میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں زمانہ قبل از مسیح میں ہی ہوں یا اس سے آگے کسی دور میں نکل آیا ہوں۔

کچھ فاصلے پر مجھے ایک گرجے کی عمارت نظر آئی۔

گرجے کی عمارت کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ میں زمانہ قبل از مسیحؑ سے نکل کر عیسوی صدی میں پہنچ گیا ہوں۔ ماضی سے مستقبل کی طرف یہ بڑی لمبی چھلانگ تھی۔ یہ سب کچھ اپنے آپ ہی ہو گیا تھا۔ اس میں میری کسی کاوش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب میں یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا کہ یہ کون سی صدی عیسوی ہے۔ میں گرجے کی طرف چلا۔ گرجے کا احاطہ خالی پڑا تھا۔ گرجے کی سیڑھیاں چڑھ کر جو دروازہ آتا تھا وہ بھی بند تھا۔ بارش شروع ہو گئی تھی۔ میں چونکہ بھیگ نہیں رہا تھا اس لئے بڑے سکون سے چل کر گرجے کے دروازے کے پاس آیا۔ وہاں دیوار میں ایک طرف پیتل کا چمکیلا چھلا لگا ہوا تھا۔ شاید یہ دروازے پر دستک دینے کے لیے تھا۔ میں نے جلدی سے طلسمی مہرہ منہ سے نکالا اور اسے اپنے لمبے کرتے کی اندر والی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا۔ میں غیبی حالت میں گرجے کے اندر نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں نے پیتل کا چھلا دروازے کے ساتھ بجایا۔ دو تین بار بجانے کے بعد کسی نے گرجے کے بڑے دروازے کی چھوٹی کھڑکی کھولی۔ ایک

سفید داڑھی اور سرخ و سفید چہرے والے پادری صاحب نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"اندر آ جاؤ میرے بچے۔"

میں پادری صاحب کے ساتھ گرجے کے ہال میں داخل ہو گیا۔ دونوں جانب بنچوں کی قطاریں تھیں۔ درمیان میں قربان گاہ تک جانے کے لئے راستہ بنا ہوا تھا۔ پادری صاحب نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا تم اعتراف کرنے آئے ہو؟"

میں نے کہا۔ "نہیں پادری صاحب! میں مسافر ہوں۔ بڑی دور سے چل کر آ رہا ہوں۔ سردی لگ رہی ہے اور بھوک بھی لگی ہے۔"

"کوئی بات نہیں میرے بچے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

پادری صاحب لاطینی زبان بول رہے تھے جو مجھے یاد آ گیا کہ سولہویں سترھویں صدی عیسوی میں تقریباً سارے یورپ میں بولی جاتی تھی۔ پادری صاحب چونکہ کھڑکی کھولنے کے بعد پہلے بولے تھے اس لئے ان کا جملہ کان میں پڑتے ہی میں ان کی زبان کے تمام اسرار و رموز اور گرائمر سے آگاہ ہو گیا تھا۔ میں نے بھی اسی یعنی لاطینی زبان میں ان سے گفتگو شروع کر دی تھی۔ پادری صاحب نے مجھے ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھایا جس کے آتشدان میں آگ جل رہی تھی۔ باہر بڑی سخت ٹھنڈ تھی۔ کمرہ گرم تھا۔ پادری صاحب بولے۔ "تم یہاں بیٹھو۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔"

وہ چلے گئے۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یورپی طرز کا فرنیچر تھا۔ میز پر ایک اخبار پڑا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ لاطینی زبان میں چھپا ہوا اخبار تھا۔ اس پر تاریخ 12 اکتوبر 1406ء لکھی تھی۔ میرے خدا تیرا شکر ہے۔ میں کئی صدیاں عبور کر کے پندرھویں صدی عیسوی کے یوروپ میں آ گیا تھا۔ میں نے اخبار کو ایک بار پھر دیکھا۔ اس پر ایمسٹرڈیم شہر کا نام لکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں پندرھویں صدی عیسوی کے ہالینڈ کے شہر ایمسٹرڈیم میں پہنچ گیا تھا۔ میں اخبار میں چھپی ہوئی خبروں کو دیکھنے لگا۔ ایک جگہ خبر تھی کہ گزشتہ روز شہر کے چوک میں دو جادوگرنیوں کو آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔ یہ یورپ کا وہ زمانہ تھا جب یورپ میں جادو ٹونہ کرنے والوں یا والیوں کو عدالت کے حکم سے ملک کے

قانون کے مطابق شہر کے چوراہے میں لوہے کے کھمبے کے ساتھ باندھ کر آگ میں زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں ہزاروں عورتوں اور مردوں کو جادوگر اور جادوگرنیاں سمجھ کر آگ میں جلا دیا گیا تھا۔ پادری صاحب میرے واسطے ڈبل روٹی' ابلے ہوئے آلو اور کافی لے آئے۔ کوئی خاص بھوک مجھے محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے وہ سب کچھ کھا لیا اور کافی پی کر میرے جسم میں تازگی کی لہر دوڑ گئی۔ پادری صاحب نے میرے لمبے کرتے اور بڑھی ہوئی داڑھی کو دیکھ کر پوچھا۔ "بیٹا! تم کون سے چرچ کے راہب ہو؟"

میں نے کہا۔ "محترم! میں راہب نہیں ہوں۔ بس اسی قسم کا سادہ لباس پہنتا ہوں۔ پرتگال کا رہنے والا ہوں اور سیر و سیاحت کے لئے گھر سے نکلا ہوں۔"

پادری صاحب نے کہا۔ "تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو لیکن ہم تمہاری کوئی زیادہ خاطر نہیں کر سکیں گے۔"

میں نے کہا۔ "محترم! مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہئے کہ یہاں چند راتیں بسر کرنے کو جگہ مل جائے۔"

میں چاہتا تھا کہ بجائے پندرھویں صدی عیسوی کے یورپ کے دوسرے شہروں کی دربدری کرنے کے میں اسی شہر میں کچھ روز قیام کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ کیا یہاں کوئی ایسی بزرگ ہستی موجود ہے جس کی مدد سے میں اگلی چند صدیاں عبور کر کے اپنی بیسویں صدی عیسوی والے زمانے میں پہنچ سکوں۔ کیونکہ جادو ٹونے کی شدت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اب کوئی بزرگ ہستی ہی میری راہ نمائی کر سکتی تھی۔ رات میں اسی کمرے میں سویا۔ اگلے روز سادہ سے ناشتے کے بعد پادری صاحب نے مجھے ایک لمبا پرانا گرم کوٹ اور گرم اونی ٹوپی اور اس زمانے کے فیشن کی گرم پتلون پہننے کو دی۔ یہ سب کچھ میں نے پہن لیا۔ اس کی مجھے شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ یورپ میں اکتوبر کا موسم سرد دھند اور بارشوں کا موسم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی برف گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ بڑی ٹھنڈ ہوتی ہے ان دنوں میں۔ اس کمرے میں ایک کھڑکی تھی جو گرجا گھر

کے عقبی صحن کی طرف کھلتی تھی۔ میں کھڑکی کے پاس بیٹھ کر باہر دیکھنے لگا۔ صحن کی سامنے والی دیوار کے پاس ایک چھوٹا سا ڈھلواں چھت والا ایک کاٹج تھا جس کی چھت اور ایک دیوار پر کوئی بیل چڑھی ہوئی تھی جس کی شاخیں سردی کی وجہ سے پتوں سے خالی ہو چکی تھیں۔ کاٹج کے دروازے تک ایک راستہ بنا ہوا تھا جس پر گول گول پتھر جڑے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ کچھ عورتیں اور مرد کاٹج کے صحن سے گزر کر برآمدے میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ یہ غریب محنت کش لوگ لگتے تھے۔ دیکھتے دیکھتے وہاں بہت سے مرد اور عورتیں جمع ہو گئیں۔

پادری صاحب کافی کی پیالی لے کر آ گئے۔ کہنے لگے۔ "میں نے کافی بنائی تھی تمہارے لیے بھی لے آیا ہوں۔ آج سردی ہے۔"

میں نے پادری صاحب سے پوچھا کہ ساتھ والے کاٹج میں لوگ کس لئے جمع ہیں انہوں نے بتایا کہ یہاں ایک نیک عورت کچھ دنوں سے ٹھہری ہوئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں اس کی دعا میں بڑی تاثیر ہے۔ ہاتھ سے ماتھا چھوتی ہے تو سردرد غائب ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا۔ "اس کے پاس ضرور کوئی جادو ٹونہ ہو گا۔"

پادری صاحب بولے۔ "لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ حکومت کے اہلکار بھی یہی سمجھتے ہیں مگر میں ایسا نہیں سمجھتا۔ یہ خاتون جادوگرنی نہیں ہے۔ بڑی پارسا اور عبادت گزار عورت ہے۔ ابھی اس کی عمر زیادہ نہیں ہے۔ دن رات عبادت کرنے سے اس میں بیماروں کو شفایاب کرنے کی طاقت پیدا ہو گئی ہے۔"

میں نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی کے یورپ میں خاص طور پر ہالینڈ کے ملک میں جادو ٹونہ حرام تھا۔ جس آدمی یا عورت پر جادوگرنی ہونے کا شبہ بھی پڑ جاتا تھا تو اسے آگ میں زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ میں نے پادری صاحب سے جب اس خاتون کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے۔ "مجھے ڈر ہے کہ حکومت کے سپاہی کسی نہ کسی وقت آ کر اس خاتون کو گرفتار کر کے لے جائیں گے اور جادوگرنی ہونے کے الزام میں اسے زندہ آگ میں جلا ڈالیں گے۔"

میرا دل چاہا کہ اس نیک دل، عبادت گزار خاتون کو دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ دوپہر کے وقت میں بھی دوسرے عقیدت مندوں کے ساتھ اس خاتون کے پاس چلا گیا۔

چھوٹے سے کمرے میں عورتیں اور مرد بڑے ادب سے بیٹھے تھے۔ کچھ عورتوں نے اپنے بیمار بچے اٹھائے ہوئے تھے۔ میں نے عبادت گزار خاتون کو دیکھا۔ نوجوان لڑکی تھی۔ چہرے پر بڑا نور برس رہا تھا۔

عورتیں روتے ہوئے بیمار بچوں کو لے کر خاتون کے سامنے لے جاتیں۔ خاتون بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتی اور بچہ ایک دم رونا بند کر دیتا اور اس کا بخار وغیرہ فوراً اتر جاتا۔ ماں خوشی خوشی بچے کو لے کر چلی جاتی۔ اس خاتون کے چہرے پر واقعی بڑی روحانیت تھی۔ میرے دل کو یقین ہو گیا کہ اس کے ہاتھ میں خدا نے شفا کی تاثیر رکھ دی ہے اور یہ جادوگرنی نہیں ہے وہ کوئی جادو کا منتر بھی نہیں پڑھتی تھی۔ بیمار مرد عورت یا بچے کے سر پر ہاتھ رکھتی اور صرف اتنا کہتی۔ "خداوند تجھے صحت دے گا۔ تم اچھے ہو جاؤ گے۔"

میں کونے میں ایک طرف ہو کر بیٹھا رہا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو خاتون نے نگاہیں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی رحم دلی اور شفقت تھی۔ کہنے لگی۔ "تم بیمار نہیں لگتے۔ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

مجھے ایسے لگا جیسے اس کی نگاہیں میرے دل کی گہرائیوں میں پہنچ چکی ہیں اور اسے میری زندگی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ لیکن میں نے اپنا آپ ظاہر نہ کیا۔ میں نے کہا۔ "میں نے تمہاری بڑی تعریف سنی تھی محترمہ! بس حاضری دینے آ گیا ہوں۔"

خاتون نے آنکھیں بند کر لیں اور آہستہ سے کہا۔ "خداوند تم پر رحم کرے۔"

اس کے بعد وہ کچھ نہ بولی۔ آنکھیں بند کرنے کے بعد جیسے وہ مراقبے میں چلی گئی۔ میں خاموشی سے وہاں سے چلا آیا۔ اپنی کوٹھڑی میں آ کر سوچنے لگا کہ کیا یہ عورت میری مدد کر سکے گی؟ کسی وقت خیال آتا کہ اس پر اپنا راز ظاہر کر دوں۔ کسی وقت خیال آتا کہ نہیں، کچھ دیر انتظار کر لینا چاہئے۔ شام کو پادری صاحب نے مجھے اپنی کوٹھڑی میں

بلا لیا۔ وہ چائے بنا رہے تھے۔ آتشدان میں لکڑیاں جل رہی تھیں۔ میں نے ان سے بالکل ذکر نہ کیا کہ میں دوپہر کو راہبہ خاتون سے ملا تھا۔ پادری صاحب چائے پیتے ہوئے موسم کی باتیں کرتے رہے۔ شام ہو رہی تھی۔ اتنے میں باہر سے گھوڑے کے ٹاپوں کی آوازیں آئیں۔ پادری صاحب نے جلدی سے اٹھ کر کھڑکی میں سے باہر دیکھا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "جس کا ڈر تھا آخر وہ بات ہو کر رہی۔ حکومت کے سپاہی راہبہ خاتون کو گرفتار کرنے آ گئے ہیں۔"

میں بھی کھڑکی میں آ گیا۔ دیکھا کہ دس بارہ سپاہی گھوڑوں پر سوار گرجے کے صحن میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ سیدھے راہبہ خاتون کے کاٹیج کی طرف گئے۔ تین چار سپاہی گھوڑوں سے اترے اور کاٹیج میں گھس گئے۔ دوسرے لمحے میں نے دیکھا کہ انہوں نے راہبہ خاتون کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے اور اسے باہر لا رہے تھے۔ خاتون بالکل خاموش تھی۔ سپاہیوں نے اسے گھوڑے پر ڈالا اور اپنے ساتھ لے کر گرجے کے صحن سے باہر نکل گئے۔

پادری صاحب نے کھڑکی بند کر دی۔ ان کا چہرہ اداس ہو گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا یہ لوگ اس نیک دل خاتون کو آگ میں جلا دیں گے؟"

پادری صاحب نے آہ بھر کر کہا۔ "اس ملک کا یہی قانون ہے۔ اب تک نہ جانے کتنی بے گناہ عورتوں پر جادوگرنیوں اور چڑیلوں کا الزام لگا کر انہیں آگ میں جلا دیا گیا ہے۔ اس بے چاری کا بھی یہی انجام ہو گا۔"

مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ نیک دل خاتون نہ تو جادوگرنی ہے اور نہ چڑیل ہے بلکہ ایک عبادت گزار پارسا عورت ہے۔ میں نے اسی وقت اسے بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے پادری صاحب سے پوچھا۔ "کیا اسے آج رات کو ہی جلا دیا جائے گا؟"

انہوں نے کہا۔ "نہیں۔ یہ کام دن کی روشنی میں شہر کے بڑے چوک میں ہوتا ہے۔ وہاں ایک چبوترا بنا ہوا ہے۔ چبوترے پر لوہے کا ستون ہے۔ اس قسم کی بدنصیب

عورتوں کو اس ستون کے ساتھ زنجیروں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس کے اردگرد سوکھی لکڑیاں چن دی جاتی ہیں۔ شہر میں اعلان کر دیا جاتا ہے کہ آج چوک میں ایک جادوگرنی کو جلایا جائے گا۔ لوگ یہ دردناک منظر دیکھنے سینکڑوں کی تعداد میں وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "اسے رات کو کہاں قید میں رکھا جائے گا؟"

پادری صاحب نے کہا۔ "اس بارے میں بڑی رازداری سے کام لیا جاتا ہے۔ سوائے بادشاہ اور دو متعلقہ افسروں کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ جادوگرنی کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

اس کا مطلب تھا کہ مجھے دن کے وقت ہی اسے ان ظالموں سے بچانا ہوگا۔ اس رات میں بے چینی سے صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ پادری صاحب نے بتایا تھا کہ پہلے پہر دن چڑھے جادوگرنیوں کو نذر آتش کیا جاتا ہے۔ میں نے معلوم کر لیا تھا کہ وہ چوک کس جگہ پر ہے۔ جب دن نکل آیا تو میں گرجا گھر سے نکلا اور قتل گاہ والے چوک میں آگیا۔

وہاں لوگوں کا ہجوم جمع تھا اور لوگ آ رہے تھے۔ یہ سب ایک بے گناہ عورت کو آگ میں جلتا دیکھنے کے لیے آ رہے تھے۔ گھوڑ سوار سپاہی بھاری تعداد میں موجود تھے اور چبوترے کی طرف کسی کو نہیں آنے دیتے تھے۔ چوک کے درمیان ایک تین چار فٹ اونچا پتھر کا چبوترا تھا جس میں لوہے کا ایک ستون لگا ہوا تھا۔ ستون کے ساتھ لوہے کی زنجیر لٹک رہی تھی۔ بے گناہ خاتون کو اس زنجیر کے ساتھ کھمبے کے ساتھ باندھنا تھا۔ چبوترے کے چاروں طرف گھوڑ سوار سپاہی کھڑے تھے۔ میں اپنی آسانی کے لیے ایک خاص جگہ دیکھ کر لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اتنے میں لکڑیوں سے بھرا ہوا ایک چھکڑا آ کر چبوترے کے پاس رک گیا۔ سپاہی نے ساری لکڑیاں لوہے کے کھمبے کے اردگرد چن دیں۔ ان کے درمیان ایک تنگ سا راستہ بنا دیا۔ اس راستے سے راہبہ خاتون کو لا کر کھمبے کے ساتھ باندھنا تھا۔

سب لوگ بے چینی سے راہبہ خاتون کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ عورتوں کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔ یہ وہ عورتیں تھیں جنہیں یقین تھا کہ راہبہ خاتون
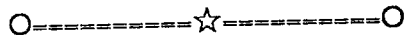
جادوگرنی نہیں ہے مگر وہ صرف آنسو بہا سکتی تھیں۔ ان کے آنسو بے گناہ خاتون کو آگ میں زندہ جلنے سے نہیں بچا سکتے تھے۔ یہ کام مجھے کرنا تھا۔ میں طلسمی مہرہ اپنے ساتھ لایا تھا جو میرے لمبے گرم کوٹ کی جیب میں تھا۔ آخر وہ وقت بھی آن پہنچا جب میں نے دیکھا کہ ایک چھکڑے پر راہبہ خاتون کو لایا جا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے چھکڑے میں خاموش بیٹھی تھی۔ چار سپاہی چھکڑے میں اس پر پہرہ دے رہے تھے۔ دو گھوڑ سوار چھکڑے کے آگے آگے چل رہے تھے۔ چبوترے کے پاس چھکڑا آ کر رک گیا۔ دو سپاہیوں نے راہبہ خاتون کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور کھینچتے ہوئے چبوترے پر لے آئے۔ لکڑیوں کے درمیان جو تنگ راستہ بنا ہوا تھا' اسی میں سے چلا کر سپاہی راہبہ خاتون کو لوہے کے کھمبے کے پاس لائے اور اسے زنجیر سے کھمبے کے ساتھ باندھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی سپاہی جلدی سے پیچھے ہٹ گئے اور خالی جگہ پر بھی سوکھی لکڑیاں ڈال دیں۔ میں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا۔ جلدی سے اٹھ کر پیچھے چلا گیا۔ پیچھے پتھروں کا ایک اونچا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ میں اس ڈھیر کی اوٹ میں ہو گیا۔ جیب سے مہرہ نکال کر دائیں بائیں دیکھا۔ میری طرف کسی کی توجہ نہیں تھی۔ میں نے مہرہ منہ میں رکھ لیا۔ مہرہ منہ میں رکھتے ہی میں غائب ہو گیا۔ اس وقت لکڑیوں کو آگ دکھا دی گئی تھی اور دھواں اٹھ رہا تھا۔

O=========☆=========O

اب میں کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں اتنا ہلکا ہو گیا تھا کہ ایک قدم اٹھاتا تو چار قدم آگے نکل جاتا تھا۔ میں تیزی سے چبوترے پر چڑھ گیا۔ لکڑیوں نے آگ پکڑ لی تھی مگر ابھی آگ راہبہ خاتون تک نہیں پہنچی تھی۔ سپاہی پیچھے ہٹ کر چاروں طرف کھڑے تھے۔ میں ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا اور لوہے کے کھمبے کے پاس آگیا جس کے ساتھ راہبہ خاتون کو زنجیر کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ خاتون کا صبر دیکھنے والا تھا۔ اس نے سر جھکایا ہوا تھا اور اپنے آپ کو خدا کی رضا کے سپرد کر دیا تھا۔ زنجیر اس کے جسم کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی مگر مجھے زنجیر کو کھولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں خاموشی سے راہبہ خاتون کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے ہونٹ کچھ پڑھ رہے تھے۔ سوچنے کا وقت نہیں تھا' میں نے جاتے ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میرے ہاتھ رکھتے ہی وہ بھی غائب ہو گئی۔ وہ اب مجھے بھی نظر نہیں آ رہی تھی لیکن میں اس کے کندھے کو محسوس کر رہا تھا۔ راہبہ خاتون نے کمزور سی آواز میں پوچھا۔ "کیا خداوند پاک نے مجھے بچانے کے واسطے نیکی کا فرشتہ بھیجا ہے؟"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں۔ بالکل خاموش رہو۔ تم بے گناہ ہو۔ میں خداوند

کے حکم سے تمہیں یہاں سے نکال لے جانے آیا ہوں۔"

راہبہ خاتون خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔ غائب ہونے کے ساتھ ہی راہبہ خاتون کا جسم بھی لطیف اور بے وزن ہو گیا تھا۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تو وہ بڑی آسانی سے زنجیر میں سے باہر نکل آئی۔ میں نے اسے اپنے کاندھے پر ڈال لیا اور آہستہ سے کہا۔ "کوئی بات نہ کرنا۔"

چونکہ آہنی کھمبے کے اردگرد دھواں ہی دھواں تھا اس لئے سپاہیوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ جس عورت کو وہ زندہ جلانے والے تھے وہ غائب ہو چکی ہے۔ میں زمین سے دس بارہ فٹ بلند ہو کر ہوا میں تیرتے ہوئے راہبہ خاتون کو لے کر لوگوں کے ہجوم کے سروں کے اوپر سے ہوتا ہوا چوک سے دور لے گیا۔ میں اس خطرناک علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ مجھے اپنے کاندھے پر راہبہ خاتون کا بوجھ بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں ہوا میں تیرتا شہر کی سڑکوں' گلیوں' پارکوں کو عبور کرتا ہوا کھیتوں سے بھی آگے نکل گیا۔ یہاں تک کہ سمندر آگیا۔ میں نے خاتون سے پوچھا کہ وہ کہاں جانا پسند کرے گی۔ اس نے مدہم آواز میں کہا۔ "اے نیک دل فرشتے! یہ شہر میرا دشمن ہو گیا ہے۔ مجھے اس شہر سے نکال کر لے جاؤ۔"

میں نے سمندر پر نگاہ ڈالی تو مجھے دور ایک بادبانی جہاز سمندر میں سفر کرتا دکھائی دیا۔ اس کے بادبان پھولے ہوئے تھے۔ میں نے خاتون سے کہا۔ "سمندر میں ایک جہاز سفر کر رہا ہے۔ کیا تم اسے دیکھ رہی ہو؟"

"ہاں۔" خاتون نے جواب دیا۔ "میں دیکھ رہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "یہ جہاز ضرور کسی دوسرے شہر جا رہا ہے۔ میں تمہیں اس جہاز پر لئے چلتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں' کم از کم اس دشمن شہر سے تو نکل جاؤں گی۔"

میں نے اپنا رخ سمندر کی طرف کر لیا۔ میں سمندر کی بڑی بڑی موجوں سے چار پانچ فٹ بلند ہو کر ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ میرا رخ بادبانی جہاز کی طرف تھا۔ میں جہاز کے

اوپر آ گیا۔ یہ باربردار جہاز تھا۔ جہاز پر قسم قسم کا سامان اور بڑے بڑے بورے لدے ہوئے تھے۔ جہاز کا کپتان سٹیئرنگ پر کھڑا جہاز کو ایک خاص سمت موڑ رہا تھا۔ ملاح ادھر ادھر اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں جہاز کے سرے کی طرف آ گیا۔ اوپر بڑے بڑے بادبان پھولے ہوئے تھے۔ راہبہ خاتون نے کہا۔ "اس جہاز پر مسافر سوار نہیں ہیں۔ تم مجھے چھوڑ کر جاؤ گے تو میں نظر آنے لگوں گی۔ لوگ مجھے دیکھ کر ڈر جائیں گے۔ ہو سکتا ہے جہاز کا کپتان ہی مجھے جادوگرنی سمجھے اور مجھے قتل کر کے میری لاش سمندر میں پھینک دے گا۔"

راہبہ خاتون کا اندیشہ بالکل درست تھا۔ میں نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں ظاہر نہیں کروں گا لیکن زیادہ دیر تک تم اس حالت میں بھی نہیں رہ سکتی ہو۔"

میرے بار بار انسانوں کی طرح بولنے پر راہبہ خاتون کو کچھ شک پڑ گیا۔ اس نے پوچھا۔ "تم خداوند کے بھیجے ہوئے آسمانی فرشتے نہیں لگتے۔ تمہاری آواز بھی مجھے جانی پہچانی لگتی ہے۔ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ تم ضرور کوئی جادوگر ہو۔"

میں نے جواب دیا۔ "تم نے پوچھ لیا ہے تو میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ لیکن تمہارے سوال کا جواب ابھی نہیں دوں گا۔ پہلے میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پہنچا دوں۔ پھر بات کروں گا۔"

راہبہ خاتون کی آواز آئی۔ "میرا خیال ہے یہ جہاز اس ملک کی قریبی بندرگاہ کی طرف جا رہا ہے۔ اگر یہ وہاں جا رہا ہے تو میں تمہیں بتاؤں گی کہ ہم کس جگہ محفوظ ہوں گے۔"

جہاز کو ہوائیں خاصی تیز رفتاری سے لئے جا رہی تھیں۔ راہبہ خاتون چونکہ اس ملک کی رہنے والی تھی اس لئے اس کا اندازہ درست تھا۔ جہاز بھی کھلے سمندر میں جانے کی بجائے کنارے کے ساتھ ساتھ کچھ دور ہٹ کر جا رہا تھا۔ دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد بائیں جانب کنارے پر دور کچھ عمارتیں دکھائی دینے لگیں۔ جہاز کا رخ کنارے کی طرف ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد جہاز کنارے کی ایک کافی بڑی بندرگاہ کے ساتھ آ کر لگ گیا اور

اس کا لکڑی کا بہت بڑا لنگر ڈال دیا گیا۔ میں نے راہبہ خاتون کو کاندھے پر ہی اٹھایا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار کہا بھی کہ تم مجھے نیچے کیوں نہیں اتار دیتے۔ میں نے جواب دیا تھا کہ اگر میں نے تمہیں نیچے اتارا تو لوگوں کو نظر آنے لگو گی۔ اچانک مجھے خیال آ گیا کہ اگر میں خاتون کو نیچے اتار دوں اور صرف اس کے کاندھے پر ہی ہاتھ رکھوں تو وہ بدستور غائب رہے گی۔ اناڑی آدمی تھا' نیا نیا غائب ہونا سیکھا تھا۔ اس بات کو بھول گیا تھا۔ میں نے اسے کہا۔ "میں تمہیں نیچے اتارنے لگا ہوں۔ مگر میں اپنا ہاتھ تمہارے کندھے پر ہی رکھوں گا۔ اگر میں نے ہاتھ اٹھا لیا تو تم ظاہر ہو جاؤ گی۔"

وہ بولی۔ "ٹھیک ہے۔ تم مجھے نیچے اتار دو۔ میں اپنا کندھا تمہارے ہاتھ سے الگ نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے نیچے اتار دیا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر ہی رکھا۔ ہم ملاحوں اور بندرگاہ کے لوگوں کے درمیان سے ہو کر جہاز سے اترنے کے بعد بندرگاہ کے باہر آ گئے جہاں بڑے بڑے چھکڑے اور گھوڑا گاڑیاں کھڑی تھیں جن پر سامان لادا جا رہا تھا۔ راہبہ خاتون نے کہا۔ "کیا تم دور ایک گرجا گھر کا مینار دیکھ رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ہاں دیکھ رہا ہوں۔"

وہ کہنے لگی۔ "اس گرجا گھر کی طرف مجھے لے چلو۔ وہاں ہم لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہوں گے۔"

میں اسے لے کر اسی گرجا گھر کی طرف چل پڑا۔

یہ گرجا گھر ایک بلند چاردیواری کے اندر تھا جس پر سبز بیل چڑھی ہوئی تھی۔ وہاں کوئی آدم زاد دکھائی نہیں دیتا تھا۔ راہبہ خاتون کے کاندھے پر سے میں نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا' بلکہ اب میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ گرجا گھر کے احاطے کے پیچھے ایک کوٹھڑی خالی پڑی تھی۔ راہبہ خاتون نے کہا۔ "اس کوٹھڑی کو دیکھ رہے ہو ناں؟"

"ہاں! دیکھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

راہبہ خاتون بولی۔ "اس کے اندر چلے چلو۔"

کوٹھڑی کے اندر لکڑی کی ایک چھوٹی میز اور چار کرسیاں پڑی تھیں۔ آتشدان ٹھنڈا پڑا تھا۔ میں نے راہبہ خاتون کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ظاہر ہو گئی۔ اس نے اپنے آپ کو غور سے دیکھا اور بولی۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں غائب ہو گئی تھی۔"

پھر میری طرف اندازے کے مطابق متوجہ ہوئی۔ "اب تم بھی میرے سامنے آ جاؤ۔ میں تمہیں پہچان گئی ہوں۔ تم نے نیکی کا فرشتہ بن کر میری جان ضرور بچائی ہے مگر تم کوئی آسمانی فرشتے نہیں ہو۔"

میں نے مہرہ منہ سے نکال لیا۔

جیسے ہی میں اس کے سامنے ظاہر ہوا' وہ مسکرائی اور کہنے لگی۔ "میں نے تمہاری آواز سے پہچان لیا تھا کہ تم وہی ہو جو میری کوٹھڑی میں حاضری دینے آئے تھے۔ اب مجھے اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم اصل میں کون ہو اور غائب ہونے کا گر تم نے کہاں سے سیکھا ہے؟"

میں نے راہبہ خاتون کو اپنی ساری کہانی مختصر کر کے سنا ڈالی۔ وہ بڑے غور سے سنتی جاتی تھی اور اس کی حیرانی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ جب میں چپ ہو گیا تو کہنے لگی۔ "قدرت کی بنائی ہوئی اس کائنات میں ایسے ایسے راز چھپے ہوئے ہیں کہ اگر وہ آدمی پر ظاہر ہو جائیں تو وہ دہشت کے مارے بے ہوش ہو جائے۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ تمہارے ساتھ جو مافوق الفطرت واقعات پیش آئے ہیں ایسا ہو نہیں سکتا' ایسا کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اب مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو اور میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

میں نے کہا۔ "محترم خاتون! اگر تم مجھ پر کوئی احسان کر سکتی ہو تو برائے مہربانی مجھے میری بیسویں صدی عیسوی میں واپس پہنچا دو۔ میں تمہارا یہ احساس مرتے دم تک نہیں بھولوں گا۔"

راہبہ خاتون سوچ میں پڑ گئی۔ میں مایوس ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ یہ کام اس نیک راہبہ

پارسا خاتون کے بس میں نہیں ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔ "میرا اتنا اختیار نہیں ہے لیکن میری بڑی بہن تمہاری مدد کر سکتی ہے۔"

"کیا وہ میری مدد کے واسطے تیار ہو جائے گی؟"

وہ بولی۔ "میری سفارش پر وہ تمہاری ضرور مدد کرے گی۔"

میں نے پوچھا۔ "وہ خاتون مجھے کہاں ملے گی؟"

اس نے کہا۔ "وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ مگر اس کی روح عالم بالا سے اتر کر تمہاری ضرور مدد کرے گی۔"

میں خاموش رہا۔ راہبہ خاتون نے کہا۔ "مایوس نہ ہو۔ میری بڑی بہن ساری زندگی دکھی اور بیماروں کی خدمت کرتی رہی ہے' وہ تمہاری بھی ضرور مدد کرے گی۔ تم یہاں سے شہر کے جنوب کی سمت جاؤ گے۔ سات کوس کے بعد جنگل میں تمہیں ایک پرانی خانقاہ کا کھنڈر ملے گا۔ اس خانقاہ میں جا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ جانا۔ ٹھیک آدھی رات کے بعد کوٹھڑی کے اندھیرے میں روشنی ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی میری بڑی بہن کی روح نمودار ہو گی۔ وہ تم سے تمہاری حاجت دریافت کرے گی۔ تم اس کے آگے اپنی غرض بیان کر دینا۔"

"کیا تمہاری بہن کی روح آ جائے گی؟" میں نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

راہبہ خاتون نے کہا۔ "خانقاہ کی اس کوٹھڑی میں میری بہن نے ساٹھ سال عبادت کی ہے۔ وہ ضرور آئے گی۔ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ تم نے اس کی بہن کو موت کے منہ سے بچایا ہے۔ وہ تمہاری ضرور مدد کرے گی۔ اب تم خانقاہ کی طرف چل پڑو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

میں رات اسی جگہ گزارنا چاہتا تھا لیکن راہبہ خاتون کے اصرار پر میں اسے تنہا چھوڑ کر جنوب کی سمت خانقاہ کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ میں غائب نہیں تھا۔ ظاہری حالت میں تھا۔ سردی خوب پڑ رہی تھی۔ آسمان پر سرمئی رنگ کے سرد بادل چھائے ہوئے تھے۔ زمین پر کہیں کہیں کھیتوں میں دھند چھا رہی تھی۔ مگر مجھے سردی کا احساس اتنا

زیادہ نہیں ہو رہا تھا۔ پہاڑی راستہ تھا۔ کچھ دور تک میں ان چھوٹے چھوٹے دیودار کے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے ٹیلوں کے درمیان چلتا رہا' پھر کھلا جنگل آگیا۔ یہ جنگل ایسا نہیں تھا جیسے جنگل میں نے براعظم افریقہ اور ہند میں دیکھے تھے۔ یہ ٹھنڈے جنگل تھے۔ درختوں کی شاخیں پتوں سے خالی ہو رہی تھیں۔ زمین پر سوکھے زرد پتوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ آخر مجھے کچھ فاصلے پر ایک کھنڈر سا دکھائی دیا۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ یہ اسی خانقاہ کا کھنڈر ہے جہاں جانے کا مجھے راہبہ خاتون نے حکم دیا تھا۔

یہ ایک ویران سی کوٹھڑی تھی جس کی دیواروں پر سبزہ اگ رہا تھا۔ میں کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر گیا تو ایک چمگادڑ پھڑپھڑاتا ہوا میرے سر کے اوپر سے نکل گیا۔ فرش اکھڑا ہوا تھا۔ وسط میں اینٹوں کا چبوترا تھا۔ ایک طرف پتھر کی بڑی سل پڑی تھی۔ میں اس سل پر بیٹھ گیا۔ ابھی سورج بھی غروب نہیں ہوا تھا۔ دن کی روشنی پھیکی پھیکی دھندلی دھندلی تھی۔ مجھے یہاں آدھی رات کو راہبہ خاتون کی بڑی بہن کی روح کا انتظار کرنا تھا۔ میں کوٹھڑی سے نکل کر درختوں اور جھاڑیوں میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں دیر تک پھرتا رہا پھر خانقاہ کے دروازے کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ بڑی مشکل سے سورج غروب ہوا۔ دن کی پھیکی روشنی بھی غائب ہو گئی اور شام کا سرد اندھیرا درختوں پر چھانے لگا۔

اس کے بعد رات کا اندھیرا چھا گیا۔ سردی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ میں نے ادھر ادھر سے سوکھی لکڑیاں جمع کر کے آتشدان میں آگ جلا لی اور بیٹھ کر آدھی رات گزرنے کا انتظار شروع کر دیا۔ آخر آدھی رات بھی گزر گئی۔ آتشدان میں آگ بھی مدھم پڑ گئی تھی۔ میرے پاس کوئی موم بتی نہیں تھی۔ خانقاہ میں اندھیرا تھا۔ صرف آتشدان کے اردگرد دھیمی آگ کی مدھم مدھم روشنی کا دائرہ سا پھیلا ہوا تھا۔ میں آتشدان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ باہر ایسا گہرا سکوت طاری تھا کہ جیسے کائنات کی ہر شے سو گئی ہو۔ کوئی آواز نہیں تھی۔ میرے اندازے کے مطابق رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ میں بڑی شدت سے روح کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ خانقاہ میں اچانک روشنی

ہو گئی جیسے کسی نے بجلی کا بلب روشن کر دیا ہو۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے والی دیوار میں ایک روح کا دھندلا دھندلا چہرہ نمودار ہو رہا ہے۔ میں اس کو تکتا رہا۔ چہرے کے نقوش بہت مدھم تھے۔ یہ کسی عورت کا چہرہ تھا۔ میں خاموش بیٹھا اسے تکتا رہا۔ اتنے میں مجھے ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ یہ روح کی آواز تھی۔ بہت دھیمی اور پر سکون!

"جس مقصد کے لئے تمہیں میری بہن نے میرے پاس بھیجا ہے' وہ میں سمجھ گئی ہوں۔"

روح بڑی آہستہ آہستہ اور رک رک کر بول رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "محترم خاتون! مجھے یقین ہے کہ تمہارے وسیلے سے میں اپنی دنیا میں ضرور واپس جا سکوں گا۔"

روح کچھ لمحے خاموش رہی۔ پھر بولی۔ "تم نے میری بہن کے ساتھ بڑی نیکی کی ہے۔ میں تمہاری ضرور مدد کروں گی لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری اتنی مدد نہیں کر سکوں گی جتنی مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "کیا تم مجھے میرے بیسویں صدی عیسوی کے زمانے میں نہیں پہنچا سکو گی؟"

روح نے کہا۔ "میں اس کی پوری کوشش کروں گی لیکن میرا اتنا اختیار نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے تم راستے میں ہی کسی صدی میں ظاہر ہو جاؤ۔"

میں نے کہا۔ "تم کوشش تو کرو میری بہن!"

روح بولی۔ "تم ایسا کرو۔ یہاں سے باہر نکل کر مشرق کی طرف چلنا شروع کر دو۔ جنگل میں کچھ دور تک چلنے کے بعد تمہیں ایک درخت کے پاس بیٹھا بونا ملے گا۔ اس کے پاس ایک ہنڈیا ہو گی۔ وہ تم سے پوچھے گا' کہاں جا رہے ہو؟ تم جواب میں کہنا۔ میں اپنی منزل کی تلاش میں ہوں۔ اس کے بعد بونا تمہیں ہنڈیا میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر دے گا۔ اسے سنبھال کر اپنے پاس رکھ لینا۔ بونے سے اور کوئی بات نہ کرنا۔ وہ کچھ پوچھے بھی تو جواب نہ دینا اور وہاں سے آگے چل پڑنا۔ پچاس قدم چلنے کے بعد تمہیں دو

درخت ایک دوسرے پر جھکے ہوئے نظر آئیں گے۔ وہ اس طرح جھکے ہوں گے کہ ایک دروازہ سا بن گیا ہو گا۔ اس دروازے کے آگے ایک کھائی ہو گی جس میں کہرا چھایا ہوا ہو گا۔ تم بے دھڑک اس کہرے میں چھلانگ لگ دینا۔ اس کے بعد اگر تم اپنے زمانے میں پہنچ گئے تو بہت اچھا ہو گا۔ اگر تم راستے میں ہی کسی زمانے میں رہ گئے تو جیب سے بونے کا دیا ہوا کاغذ نکال کر دیکھنا۔ اس پر جو لکھا ہوا ہو گا اس پر عمل کرنا۔"

اس کے فوراً بعد روح غائب ہو گئی اور خانقاہ کی کوٹھڑی میں اندھیرا چھا گیا۔ میرا اب وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ میں کوٹھڑی سے نکلا اور مشرق کی سمت روانہ ہو گیا۔ جنگل میں کچھ دور چلنے کے بعد مجھے ایسے لگا جیسے کوئی بچہ درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ میں قریب ہوا تو وہ بونا تھا۔ بونا مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے گلے میں ایک ہنڈیا بندھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں اپنی منزل کی تلاش میں ہوں۔"

بونے نے ہنڈیا میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر مجھے دیا اور کہا۔ "اسے اپنے پاس رکھ لو۔ یہ تمہارے کام آئے گا۔"

میں نے کاغذ جیب میں رکھ لیا اور چل پڑا۔ بونا بولا۔ "مجھ سے اور کوئی بات نہیں کرو گے؟ کیا میرا شکریہ بھی ادا نہیں کرو گے؟"

وہ بولتا رہا مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا اور چلتا چلا گیا۔ بونے کی آواز اپنے آپ غائب ہو گئی۔ کوئی پچاس قدم چلنے کے بعد مجھے اندھیرے میں دو درخت اس طرح ایک دوسرے پر جھکے ہوئے نظر آئے کہ وہاں ایک دروازہ سا بن گیا تھا۔ میں درختوں کے درمیان پہنچ کر رک گیا۔ آگے نشیب میں ایک کھائی تھی۔ کھائی میں کہرا ہی کہرا تھا۔ سوائے کہرے کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کھائی کتنی گہری ہے۔ روح نے کہا تھا کہ اس کھائی کے کہرے میں بے خوف ہو کر چھلانگ لگا دینا۔ پہلے تو میں ہچکچایا۔ مجھے چھلانگ لگاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا کہ خدا جانے کھائی کتنی گہری ہو گی۔ نیچے نوکیلے پتھر ہوں گے۔ لیکن جب یہ خیال آیا کہ یہ کھائی مجھے میرے زمانے میں واپس

پہنچا سکتی ہے تو میں نے تمام خدشات کو ایک طرف جھٹک دیا اور اللہ کا نام لے کر آنکھیں بند کر کے کھائی میں بھرے ہوئے کہرے میں چھلانگ لگا دی۔

کھائی میں گرتے ہی مجھے تیز آندھیوں کا شور سنائی دینے لگا۔ میرا خیال تھا کہ میں کھائی کی تہہ میں گر پڑوں گا۔ مگر میں کہرے کے بادل میں نیچے گرتا ہی چلا جا رہا تھا اور کہرے کا بادل ختم نہیں ہو رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کہرے کا بادل مجھے ہوؤں میں اڑائے لئے جا رہا ہے۔ کہرے کے بادل کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا اور مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں ہوا میں جیسے پرواز کر رہا تھا۔ مجھ پر نیم بے ہوشی سی طاری ہونے لگی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں ایک جھونپڑے کے باہر چھپر کے نیچے زمین پر پڑا ہوں۔ رات کا وقت ہے۔ سخت سردی پڑ رہی ہے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی کی آواز آ رہی ہے۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور اندھیری رات میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ میں یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا کہ کیا میں اپنے بیسویں صدی عیسوی کے زمانے میں پہنچ گیا ہوں؟ مجھے سردی کا زیادہ احساس نہیں ہوتا تھا مگر ہلکی سی بارش میں بھیگتی ہوئی رات اتنی یخ اور ٹھٹھری ہوئی تھی کہ مجھے بھی سردی کا احساس ہونے لگا۔ میں نے پرانے لمبے گرم کوٹ کے سارے بٹن بند کر کے کالر اوپر اٹھا لئے۔ میں نے اندھیرے میں غور سے دیکھا۔ جس جھونپڑے کے باہر چھپر کے نیچے میں گھاس پھونس پر بیٹھا تھا اس جھونپڑے کا دروازہ کھلا تھا۔ میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اندھیرے میں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی بیلچے سے زمین کھود رہا ہو۔

یہ آواز جھونپڑے کے دوسری طرف سے آ رہی تھی۔ میں جھونپڑے کے عقب میں آ گیا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ سرد دھند پھیلی ہوئی تھی۔ دھند میں مجھے کچھ فاصلے پر روشنی نظر آئی۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ اس خیال سے کہ جو بھی آدمی وہاں زمین کھود رہا ہے اس سے معلوم کروں گا کہ یہ کون سا زمانہ ہے، کون سی صدی ہے، کون سا ملک ہے؟ اتنا مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں جدید سائنسی دور کی بیسویں صدی میں نہیں

ہوں۔ میں دو قدم چلا ہوں گا کہ میرے پاؤں مٹی کی ڈھیری سے ٹکرائے۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ یہ کوئی قبر تھی غور سے دیکھا کہ آس پاس میں بھی قبریں تھیں۔ میں کسی قبرستان میں آگیا تھا۔ روشنی کے ذرا اور قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی تھے۔ ایک لالٹین ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔ دوسرا بیلچے سے قبر کھود رہا تھا۔ میرے خدا! یہ لوگ قبر کیوں کھود رہے ہیں؟ میں نے سوچا۔ میں ایک طرف آڑ میں چھپ کر دیکھنے لگا کہ یہ لوگ قبر کیوں کھود رہے ہیں۔ دونوں آدمی درمیانی عمر کے تھے۔ رنگ گورا تھا' لباس پرانی پتلون اور میلے کوٹ پر مشتمل تھا۔ یہ مجھے انگریز لگ رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ میں ابھی یورپ میں ہی تھا۔ میں ان سے چھ سات قدموں کے فاصلے پر ایک اونچی اور پکی قبر کی اوٹ میں بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ دونوں گھبرائے ہوئے تھے۔ لالٹین والے آدمی نے انگریزی میں کہا۔ "جلدی کرو ہنری! کسی نے دیکھ لیا تو ہم پکڑے جائیں گے۔"

یہ انگریز ہی تھے۔ مگر لباس سے مفلس اور غریب لگتے تھے۔ دوسرے آدمی نے انگریزی زبان میں ہی جواب دیا۔ "تمہارے سامنے قبر کھود رہا ہوں۔ تابوت گہرائی میں دفن ہے۔ لالٹین زمین پر رکھ کر اسی کے پاس بیٹھ جاؤ۔ دور سے روشنی دیکھ کر کوئی ادھر آ سکتا ہے۔"

لالٹین والے آدمی نے لالٹین قبر کے ساتھ زمین پر رکھ دی اور خود اس کے آگے اس طرح بیٹھ گیا کہ لالٹین کی روشنی صرف قبر پر ہی پڑ رہی تھی۔ اس آدمی کے پاس ہی ایک دری یا کمبل رکھا ہوا تھا۔ دوسرا آدمی قبر کی پائنتی کی جانب سے قبر کھود رہا تھا۔ جب وہاں کافی بڑا سوراخ ہو گیا تو اس نے بیلچہ سوراخ کے اندر ڈالا اور کسی چیز کو ٹھوکریں مارنے لگا۔ وہ مردے کے تابوت کو توڑ رہا تھا۔ آدمی تجربے کار لگتا تھا۔ اس نے بیلچے کی چھ سات ضربوں سے تابوت کو پاؤں کی جانب سے توڑ دیا اور ہاتھ اندر ڈال کر تابوت کی ٹوٹی ہوئی لکڑیاں نکال کر ایک طرف رکھ دیں اور اپنے ساتھی سے انگریزی میں کہنے لگا۔ "ڈیوڈ! میرے ساتھ ہاتھ اندر ڈالو۔"

جو آدمی قبر کھود رہا تھا اس کا نام ہنری تھا اور جو لالٹین کے پاس بیٹھا تھا اس کا نام

ڈیوڈ تھا۔ ڈیوڈ قبر کے سوراخ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ دونوں نے ایک ایک بازو قبر کے سوراخ میں ڈال دیا اور پھر زور لگا کر کسی چیز کو باہر کھینچنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ شاید وہ تابوت میں پڑے ہوئے مردے کو پاؤں سے پکڑ کر باہر کھینچ رہے تھے۔ میں قبر کے چبوترے کی اوٹ سے انہیں بڑے غور سے یہ ساری کارروائی کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے مردے کو گھٹنوں تک قبر کے سوراخ سے باہر کھینچ لیا۔ اب انہوں نے مردے کی ٹانگوں کو پکڑ کر دو تین جھٹکے دیئے اور مردہ سوراخ سے باہر آگیا۔ مردے نے کالا سوٹ پہن رکھا تھا اور ٹائی بھی بندھی ہوئی تھی۔ ڈیوڈ نے جلدی سے قریب ہی زمین پر رکھا ہوا کپڑا کھولا۔ یہ دری یا کمبل نہیں تھا بلکہ ایک بوری تھی۔ انہوں نے مردے کو بوری میں بند کر کے ایک طرف ڈال دیا اور قبر کے سوراخ کو مٹی سے بند کر کے اوپر اینٹیں اور مٹی اس طرح سے لگا دی کہ دیکھنے والے کو پتہ نہ چل سکے کہ کسی نے قبر کھودی تھی۔

ابھی تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ان لوگوں نے مردے کو قبر سے کس لئے نکالا ہے۔ اور مردہ ان کے کس کام آئے گا؟ میرا تجسس بڑھتا گیا اور میں نے ان لوگوں کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ویسے بھی مجھے اس قبرستان سے باہر نکلنا تھا اور یہ معلوم کرنا تھا کہ میں تاریخ کے کون سے عہد یا صدی میں ظاہر ہو چکا ہوں۔ ظاہری حالت میں' میں ان کا تعاقب نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ سکتے تھے۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ یہ لوگ قاتل ٹائپ کے لوگ ہیں یا جرائم پیشہ ہیں یا کیا ہیں اور مردے کو بوری میں بند کر کے کہاں لے جا رہے ہیں۔ طلسمی مہرہ میری جیب میں موجود تھا۔ میں نے مہرہ جیب سے نکال کر منہ میں رکھا اور غائب ہو گیا۔ اب میں بے خوف ہو کر ان لوگوں کا تعاقب کر سکتا تھا۔ ڈیوڈ نے مردے والی بوری اپنے کاندھے پر ڈالی اور لالٹین دوسرے آدمی یعنی ہنری نے پکڑ لی اور دونوں قبروں میں سے ہوتے ہوئے ایک طرف کو چل پڑے۔

میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ اب مجھے چھپ کر ان کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو مجھے دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ میں ان دونوں سے صرف ایک

قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا۔ قبرستان کے شکستہ دروازے کے باہر دیوار کے ساتھ دو گھوڑے کھڑے تھے۔ اس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ ماڈرن زمانہ نہیں ہے۔ ورنہ اس جگہ ان لوگوں کی کوئی جیپ یا پرانے ماڈل کی کار کھڑی ہوتی۔ مردے کی بوری ہنری نے اپنے گھوڑے کے آگے رکھی اور خود اس پر سوار ہو گیا۔ ڈیوڈ دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میں ڈیوڈ کے پیچھے اچھل کر گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ میرے غیبی وجود کو ڈیوڈ محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ سرد اندھیری بوندا باندی والی بھیگتی رات میں گھوڑے قبرستان والی سڑک پر سے نکل کر ایک دوسری سڑک پر آ گئے۔ یہ سڑک بھی کچی تھی۔ وہ گھوڑوں کو تیز دوڑا رہے تھے۔ چوراہے میں یہ لوگ دائیں جانب گھوم گئے۔ یہاں سڑک چھوٹے چھوٹے پتھر جوڑ کر بنائی گئی تھی اور کہیں کہیں گیس کے لیمپ دھندلی روشنی دے رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ابھی بجلی ایجاد نہیں ہوئی اور گلیوں اور بازاروں اور مکانوں میں گیس کے لیمپ جلائے جاتے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق یہ اٹھارویں صدی عیسوی کا انگلینڈ ہو سکتا تھا۔ کہیں کہیں بوسیدہ جھکے ہوئے چھجوں والے مکان ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے اور ان میں کہیں کہیں دھندلی روشنی ہو رہی تھی۔ یہ لوگ شہر کے مکانوں کے باہر رات کے اندھیرے اور کہرے میں گھوڑے دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ آنے سے مجھے تاریخ کے اس عہد کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔ آگے دریا کا پل آ گیا۔

پل پر چڑھنے کی بجائے ان لوگوں نے گھوڑے دریا کے کنارے پر ڈال دیئے۔ پل کے دونوں سروں پر رات کے اندھیرے میں جو دو چوکور ٹاور مجھے نظر آئے تو میں سمجھ گیا کہ میں سترھویں یا اٹھارویں صدی کے لندن شہر میں ہوں اور یہ دریائے ٹیمز کا مشہور ٹاور آف لندن برج ہے۔ یہ بھی ایک عجیب نفسیاتی تجربہ تھا کہ میں اس لندن کو دیکھ رہا تھا جو ماضی کی داستان بن چکا تھا اور جس کی جگہ پر آج کل جدید ترین اور ماڈرن لندن شہر آباد تھا جہاں نیوکلیئر پلانٹ لگے ہوئے تھے اور زیر زمین ریل گاڑیاں چلتی تھیں۔ گھوڑے ایک تنگ و تاریک گلی کے سرے پر آ کر رک گئے۔ دونوں آدمی گھوڑے سے اترے۔

گھوڑوں کو ایک کھمبے کے ساتھ باندھا۔ ان میں سے ایک آدمی یعنی ہنری نے مردے والی بوری اپنے کاندھے پر رکھی اور وہ تاریک گلی میں چل پڑے۔ میں ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ میرے لئے یہ بات ابھی تک ایک معمے کی طرح تھی کہ آخر یہ لوگ مردے کو کہاں لے جا رہے ہیں۔

دونوں ایک پرانے مکان کے دروازے کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ ہنری نے دروازے پر دستک دی۔ تیسری بار دستک دینے کے بعد اوپر والی منزل کی جھکی ہوئی کھڑکی کھول کر ایک بوڑھے آدمی نے نیچے دیکھ کر پوچھا۔ "کون ہو؟"

ہنری نے کہا۔ "میں ہوں ہنری۔ ڈاکٹر' دروازہ کھولو۔"

بوڑھے نے کھڑکی بند کر دی۔ تھوڑی دیر بعد اسی بوڑھے نے دروازہ کھول دیا۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کے تیل سے جلنے والا لیمپ تھا۔ لیمپ کی روشنی میں بوڑھے کا گنجا سر اور سر کے کنارے کنارے سفید بالوں کی جھالر صاف نظر آ رہی تھی۔ اس نے گرم گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا لائے ہو؟"

ہنری نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "بالکل تازہ مردہ لائے ہیں۔ اسے شام کو دفن کیا گیا تھا۔"

"اندر آ جاؤ۔"

یہ بوڑھا کوئی ڈاکٹر تھا۔ وہ دونوں آدمیوں کو ایک بڑے کمرے میں لے آیا جہاں بوسیدہ سی الماریوں میں رنگ برنگی دوائیوں سے بھری ہوئی بوتلیں اور شیشیاں پڑی تھیں۔ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس پر شیشے کے پیالوں میں سرخ اور سبز رنگ کے محلول بھرے ہوئے تھے۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک سٹریچر لگا تھا جس پر خون کے دھبے تھے۔ سٹریچر کے سرہانے کی جانب ٹرے میں مختلف سائز کی چھریاں' آریاں اور چھوٹے چاقو پڑے تھے۔ کونے میں ایک انسانی ڈھانچہ کھڑا تھا۔ یہ کوئی ڈاکٹر تھا۔ ہنری نے مردے کو بوری میں سے نکال کر سٹریچر پر لٹا دیا۔ ڈاکٹر نے گیس کا لیمپ روشن کر دیا تھا۔ وہ جھک کر مردے کا معائنہ کرنے لگا۔ پھر ہنری اور ڈیوڈ کی طرف متوجہ ہو کر آرام کرسی پر بیٹھ گیا

اور بولا۔ "تم دونوں خوش قسمت ہو کہ قبرستان میں گشت کرتی پولیس نے تمہیں نہیں دیکھا۔ اب ہرگز ہرگز کسی قبرستان میں مردے کھودنے مت جانا۔ پکڑے گئے تو تم دونوں کو پھانسی ہو جائے گی۔ گورنمنٹ نے بڑی سختی کر دی ہے اور پولیس قبروں سے مردے غائب کرنے والوں کو جگہ جگہ تلاش کرتی پھرتی ہے۔ یہ لو مردے کی قیمت۔"

اور بوڑھے ڈاکٹر نے جیب میں سے بٹوہ نکال کر اس میں سے دو پاؤنڈ نکال کر ہنری کو دیئے۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر ان دونوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔ "میں حیران ہوں کہ تم دونوں زندہ بچ کر قبرستان سے کیسے نکل آئے۔ مرنے والوں کے لواحقین نے راتوں کو اپنے عزیزوں کی قبروں پر پہرہ دینا شروع کر دیا ہے۔ حکومت کی طرف سے انہیں اجازت دے دی گئی ہے کہ اگر وہ کسی کو قبر کھود کر مردہ نکالتے دیکھیں تو اسے وہیں قتل کر دیں۔ خبردار آئندہ کسی قبرستان کا رخ نہ کرنا۔ بیٹھو میں تمہارے لئے کافی گرم کر کے لاتا ہوں۔ تم دونوں سردی سے ٹھٹھر رہے ہو۔"

جب ڈاکٹر چلا گیا تو ہنری نے ڈیوڈ سے کہا۔ "پیسہ کمانے کا بڑا آسان ذریعہ تھا۔ مردہ قبر سے نکالا اور ڈاکٹروں سے دو پاؤنڈ مل گئے۔ اب مردہ کہاں سے لائیں گے؟"

ڈیوڈ بولا۔ "میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔"

"وہ کیا؟" ہنری نے پوچھا۔

ڈیوڈ بولا۔ "ہم قبروں میں سے مردہ نکالنے کی بجائے زندہ آدمی کو قتل کر کے اس کا مردہ لا کر ڈاکٹر سے پیسے وصول کر لیا کریں گے۔"

دونوں جرائم پیشہ جاہل آدمی تھے۔ ہنری یہ ترکیب سن کر اچھل پڑا۔ بولا۔ "ڈیوڈ! تم نے بڑی اچھی ترکیب بتائی ہے۔ ہم قبرستان جا کر قبریں کھود کر مردہ نکالنے کے واسطے اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالیں گے۔ بس کسی غریب نادار عورت یا آدمی کو ورغلا کر گھر لے جائیں گے۔ اسے چائے میں بے ہوشی کی دوائی ملا کر پلا دیں گے جب وہ بے ہوش ہو جائے گا تو اس کا گلا دبا کر اسے مار ڈالیں گے اور لاش رات کے اندھیرے میں ڈاکٹر کے پاس لے آئیں گے۔"

ڈیوڈ خوش ہو کر بولا۔ "یہی تو میں کہہ رہا تھا۔ اب ہمیں قبرستان جا کر اپنی جان کی بازی لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ہنری نے کہا۔ "پہلے کس کا گلا دبائیں۔ تمہارے دماغ میں ایسا کوئی غریب نادار شخص ہے؟"

ڈیوڈ بولا۔ "ہمارے ساتھ والے محلے میں جو غریب عورت لوسی رہتی ہے ہم بڑی آسانی سے اس پر ہاتھ صاف کر سکتے ہیں۔ لوسی بہت غریب ہے۔ کوڑے کرکٹ سے ڈبل روٹی چن کر کھاتی ہے۔ وہ ہمیں جانتی بھی ہے۔ اسے کھانے کا لالچ دیں گے۔ وہ ہمارے ساتھ آ جائے گی۔"

ہنری کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ اس نے ڈیوڈ کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دبایا اور بولا۔ "بس سمجھو کام ہو گیا۔ کل ہی اس کا کام تمام کر دیں گے۔"

ڈاکٹر ان کے لیے کافی لے کر آ گیا۔ دونوں کافی پینے لگے۔ ہنری نے ڈاکٹر سے کہا۔ "ڈاکٹر! ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ تم تو جانتے ہو کہ ہمارا گزارا بھی تمہیں تازہ لاشیں سپلائی کرنے پر ہے اور تمہیں اپنی طبی تحقیقات جاری رکھنے اور انسانی جسم کی بیماریوں کا کھوج لگانے کے لیے لاشوں کی چیر پھاڑ کی اشد ضرورت ہے۔ ہم تمہیں مردہ لاشوں کی سپلائی جاری رکھیں گے۔"

ڈاکٹر نے بھنویں اوپر اٹھاتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔ "شہر کے سارے قبرستانوں میں پولیس کے سپاہی اور مردوں کے رشتے دار ہتھیار لئے بیٹھے ہیں' تم لاشیں کہاں سے سپلائی کرو گے؟ کیا تم زندہ آدمیوں کو مارو گے؟"

"توبہ کرو ڈاکٹر۔" ہنری نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ "ایسا تو کبھی ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ لندن شہر کے آس پاس سینکڑوں دیہات ہیں۔ وہاں ہر روز کوئی نہ کوئی مرتا ہی رہتا ہے۔ ہم دیہات میں چلے جائیں گے اور جب تک وہاں کسی کو پتہ نہیں چلتا ہم وہاں کے قبرستان سے لاشیں کھود کر لے آیا کریں گے۔ خطرہ محسوس ہوا تو دوسرے گاؤں کا رخ کر لیں گے۔"

ڈاکٹر نے کافی کا گھونٹ نگل کر پیالی رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تم جانو اور تمہارا کام۔ لیکن میرا نام نہیں آنا چاہئے۔ مجھے جس وقت لاش لا کر دو گے تمہیں دو پاؤنڈ مل جائیں گے۔ اب تم جاؤ۔"

"شب بخیر ڈاکٹر!"

دونوں جرائم پیشہ انگریز اٹھ کر باہر کو چل دیئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ کیونکہ مجھے اب ان ظالم قاتلوں کے پنجے سے اس غریب عورت لوسی کو بچانا تھا جس کو قتل کرنے کا انہوں نے پروگرام بنایا تھا۔ مجھے کوئی اور تو کام تھا نہیں۔ ویسے بھی مجھے اس وقت تک اسی علاقے میں رہنا تھا جب تک کہ میرا اپنے زمانے میں پہنچنے کا کوئی وسیلہ نہیں بن جاتا۔ ان لوگوں کے گھوڑے باہر کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر گلی میں آگے کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں ان میں سے ایک آدمی کے گھوڑے پر پہلے ہی سوار ہو چکا تھا۔ میں پوری طرح سمجھ گیا تھا کہ میں اٹھارویں صدی عیسوی کے لندن میں تھا جب میڈیکل سائنس پر ڈاکٹر لوگ بڑی سرگرمی سے نئی نئی تحقیقات کر رہے تھے۔ اس لئے لاشوں کی چیرپھاڑ ضروری تھی اور اس زمانے میں کسی لاش کا ملنا محال تھا۔ حکومت نے لوگوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ایسا قانون پاس کیا ہوا تھا جس کے تحت لاش کو قبر میں سے کھود کر لے جانا اور اسے کسی ڈاکٹر کے پاس فروخت کرنا ناقابل معافی جرم تھا۔

دونوں جرائم پیشہ انگریز ایک گندے مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے گھوڑے ڈیوڑھی میں باندھے اور باتیں کرنے لگے۔ ڈیوڈ نے کہا۔ "میں صبح آؤں گا اور لوسی کو گھر سے بلا لاؤں گا۔ تمہارے پاس بے ہوشی کا سفوف موجود ہے نا؟"

ہنری بولا۔ "بالکل موجود ہے۔ لوسی کے گھر جلدی جانا۔ وہ صبح صبح کوڑے کرکٹ سے ناشتہ چننے گھر سے نکل جاتی ہے۔"

ڈیوڈ بولا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں صبح ہوتے ہی لوسی کو لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ تم دو چار انڈے اور ڈبل روٹی کے ساتھ مکھن لگا کر تیار رکھنا۔"

"بے فکر رہو۔"

ڈیوڈ چلا گیا۔ اس کا مکان اسی گلی میں تھا۔ ہنری بھی اپنے گندے بستر میں گھس کر سو گیا۔ میں اس کے گندے کمرے سے باہر نکل آیا۔ مجھے صبح کا انتظار کرنا تھا۔ سوچا کہاں جاؤں؟ ابھی رات آدھی ہی گزری تھی۔ میں اسی طرح غیبی حالت میں تھا۔ سب کو دیکھ سکتا تھا کوئی مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا' اس میں مجھے یہ آسانی تھی کہ بہت سی عجیب و غریب باتوں کا علم ہو جاتا تھا۔ اگر میں غیبی حالت میں نہ ہوتا تو مجھے کبھی بھی معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ جرائم پیشہ لوگ ایک بے گناہ غریب عورت کو قتل کرنے والے ہیں۔ میں لندن کی گنجان آبادی میں تھا۔ انتہائی خستہ حال مکان تھے۔ گلیوں میں گیس کے لیمپ ضرور کہیں کہیں اپنی ناکافی روشنی سے سرد رات کے کہرے کو دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں دریا کی طرف نکل گیا۔ دریا کے پل پر ٹاور آف لندن تھا۔ یہ وہ تاریخ کی بدنام زمانہ عقوبت گاہ تھی جہاں انگلستان کے بعض بادشاہوں سے لے کر نامور جرنیلوں تک کے سر کاٹے گئے تھے۔ سوچا کیوں نہ اس تاریخی جگہ کی سیر کی جائے۔ پل کے اوپر گیس کے لیمپ روشن تھے جن کا عکس کہرآلود دریا کی سطح پر پڑ رہا تھا۔

دریا پر اس زمانے کی فوج کا پہرہ تھا۔ مگر مجھے چونکہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے بڑے آرام سے ان کے قریب سے ہو کر نکل گیا۔ ٹاور آف لندن کی چوکور عمارت ایک عفریت کی طرح رات کے اندھیرے میں کھڑی تھی۔ وہاں بھی فوج کے سپاہی تلواریں نیزے بھالے لیے پہرہ دے رہے تھے۔ دو گھوڑ سوار پل پر گشت لگا رہے تھے۔ افسوس کہ ٹاور آف لندن کے دروازے پر تالا پڑا تھا۔ رات کو اسے بند کر دیا جاتا تھا۔ میں واپس چلا آیا۔ غائب ہونے کی وجہ سے مجھے سردی کا احساس ضرور ہو رہا تھا مگر یہ قابل برداشت تھا۔ دریا کنارے گوبھی کے کھیتوں پر کہرا چھایا ہوا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکیں ویران پڑی تھیں۔

میں چلتے چلتے کافی دور نکل آیا تھا۔ چلنے میں تھکاوٹ تو محسوس ہوتی نہیں تھی اس لئے چلا جا رہا تھا کہ کسی طرح رات گزرے۔ جب رات ڈھلنے لگی تو میں نے سوچا کہ واپس جرائم پیشہ ڈیوڈ کے گھر کو چلنا چاہئے۔ کہیں وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی غریب

عورت لوسی کو قتل نہ کر ڈالے۔ میں واپس ہو گیا۔ واپسی پر میرا گزر ایک قبرستان سے ہوا۔ قبرستان کی چاردیواری ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ گیٹ پر کھمبے کے ساتھ گیس کا لیمپ روشن تھا۔ ڈیوڈ کی گلی جس گنجان آبادی میں تھی وہ میری نگاہ میں تھی۔ قبرستان میں شارٹ کٹ رستہ تھا۔ میں قبرستان میں ہو گیا۔ خستہ حال قبریں تھیں۔ عجیب ڈراؤنی قسم کی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ مجھے اب قبرستانوں سے کوئی ڈر نہیں محسوس ہوتا تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ کوئی میرے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔ میں آگے چل پڑا۔ اب مجھے اپنے پیچھے کسی کے سوکھے پتوں پر چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ میں ایک دم رک گیا۔ قدموں کی آہٹ بھی ایک قدم رک گئی۔ میں نے رات کے اندھیرے اور کہرے میں غور سے دیکھا۔ میرے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔

لیکن میری چھٹی حس نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ تمہارا تعاقب کیا جا رہا ہے اور کوئی نظر نہ آنے والی مخلوق تمہارا پیچھا کر رہی ہے۔ میں نے آہستہ سے انگریزی میں پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

اس کے جواب میں مجھے کسی کے گہرے سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ ڈر خوف محسوس نہ ہونے کے باوجود میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ایک بار پھر پوچھا کہ کون ہو تم؟ اس کے جواب میں گہری خاموشی چھائی رہی۔ میں پھر چل پڑا۔ سوکھی شاخوں اور پتوں پر چلنے کی آہٹ پھر سنائی دینے لگی۔ میں جلدی جلدی قبرستان سے باہر نکل گیا۔ قبرستان سے نکل کر پتھروں سے بنی ہوئی سڑک پر آیا تو پاؤں کی آہٹ ختم ہو گئی۔ میں تیز تیز چلنے لگا۔ اس کے بعد نہ تو مجھے اپنے پیچھے کسی کے گہرے سانس لینے کی آواز آئی اور نہ ہی سوکھے پتوں پر چلنے کی آہٹ ہی سنائی دی۔ میں نے سوچا کہ یہ کوئی بھٹکی ہوئی روح تھی جس نے قبرستان میں میرا پیچھا کیا اور جب میں قبرستان سے نکل آیا تو وہ قبرستان میں ہی رہ گئی۔ شاید اسے قبرستان کی حدود سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میں آرام آرام سے چلا جا رہا تھا۔ ڈیوڈ کے گھر تک پہنچتے پہنچتے دن کی پھیکی پھیکی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ ڈیوڈ کا مکان میں نے رات کو ہی دیکھ لیا تھا۔ میں نے

دروازے کو اندر کی طرف دبایا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔

اس کے جرائم پیشہ ساتھی ہنری کا مکان قریب ہی تھا۔ میں اس کے مکان پر آ گیا۔ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ گلی خالی خالی تھی۔ میں ڈیوڈ کے مکان کے سامنے ایک طرف ہو کر مکان کے تھڑے پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد دن نکل آیا۔ ایک مکان سے ایک بوڑھا مفلوک الحال انگریز چھڑی ٹیکتا' منہ میں پائپ دبائے نکلا اور آہستہ آہستہ چلتا اور کھانستا ہوا گلی میں سے گزر گیا۔ اتنے میں ڈیوڈ کے مکان کا دروازہ کھلا اور ڈیوڈ میلے کچیلے اوور کوٹ میں ملبوس سر پر کالے رنگ کی اونی ٹوپی جمائے باہر نکلا۔ دروازے کو بند کیا اور گلی کے دوسری طرف چل پڑا۔ میں اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ ساتھ والی گلی میں جا کر ایک ایسے مکان میں داخل ہو گیا جس کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ ایک تاریک ڈیوڑھی ہی تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی داخل ہو گیا۔ آگے آمنے سامنے کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں گندی نالی تھی۔ ان کوٹھڑیوں کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے۔ ایک کوٹھڑی کے دروازے پر نمدہ لٹک رہا تھا۔ ڈیوڈ نے وہاں کھڑے ہو کر آواز دی۔ "لوسی' سسٹر لوسی! جاگ رہی ہو؟"

دو تین آوازوں کے بعد اندر سے ایک عورت کی کمزور سے آواز سنائی دی۔ "کون ہو؟ کیوں آئے ہو؟"

ڈیوڈ نے کہا۔ "سسٹر! میں ہوں ڈیوڈ۔ تمہارا بھائی اور ہمسایہ ڈیوڈ۔"

اندر سے لوسی نے پوچھا۔ "صبح صبح مجھے تنگ کرنے کیوں آ گئے ہو؟"

ڈیوڈ نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔ "لوسی بہن! آج میں نے اور ہنری نے بی بی جوزیفائن کے نام کی نیاز پکائی ہے۔ تمہیں لینے آیا ہوں۔ ہمارے ساتھ ناشتہ کر کے واپس آ جانا۔ انڈے ڈبل روٹی مکھن اور جام بھی ہو گا۔"

بے چاری غریب بھوکی عورت انڈے ڈبل روٹی مکھن اور جام وغیرہ کے نام سن کر خوش ہو گئی۔ جلدی سے بولی۔ "اندر آ جاؤ ڈیوڈ بھائی۔"

ڈیوڈ نمدا اٹھا کر کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ میں کوٹھڑی میں جانے کے بارے میں

ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دوسرے لمحے ڈیوڈ ایک درمیانی عمر کی دبلی پتلی بکھرے ہوئے بالوں اور گندے مندے کپڑوں والی عورت کو ساتھ لے کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ وہ اسے کہہ رہا تھا۔ "میں نے اور ہنری نے یہ نیاز پکائی ہے۔ سب سے پہلے تمہیں نیاز کھلانا چاہتے ہیں۔ تم ہماری بہن بھی ہو اور ہماری ہمسائی بھی ہو' تمہارا بڑا حق ہے۔ اس کے بعد نیاز کا ناشتہ گر جا گھر پہنچا دیں گے۔ تم ٹھیک ہو ناں؟"

لوسی کھانستے ہوئے بولی۔ "کھانسی پیچھا نہیں چھوڑتی ڈیوڈ بھائی۔ اب میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہوں گی۔"

ڈیوڈ نے کہا۔ "ایسا نہ کہو لوسی بہن۔ تمہیں میری عمر لگ جائے۔ تمہاری ہمیں بڑی ضرورت ہے۔ خداوند تمہیں بہت دیر تک زندہ رکھے۔"

میں ان دونوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہاں میں لوسی کو خبردار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ڈیوڈ کے ساتھ نہ جائے۔ میں اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ میری آواز سن کر ضرور ڈر جاتی اور بھاگ جاتی۔ میں نے سوچا کہ موقع واردات پر چل کر ہی کچھ کروں گا۔ مجھے یہی کرنا تھا کہ اس معصوم غریب عورت کو ان قاتلوں سے بچانا تھا۔ اس مقصد کی خاطر میں نے رات سڑکوں پر پھر کر گزار دی تھی۔

ہنری کا مکان وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اسی گلی میں تھا۔ میں بھی لوسی اور ڈیوڈ کے ساتھ ہنری کے مکان میں داخل ہو گیا۔ ہنری نے چھوٹی سی میز پر تھالیوں میں ڈبل روٹی' مکھن' جام اور کافی سے بھرے ہوئے مگ سجائے ہوئے تھے۔ لوسی کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جھک کر اسے سلام کیا اور بولا۔ "لوسی بہن! بی بی جوزیفائن کی نیاز سب سے پہلے تمہیں کھلا رہے ہیں۔ ہمارے حق میں دعا کرنا کہ ہمیں کوئی اچھی سی نوکری مل جائے۔ بیکاری میں گزر اوقات مشکل سے ہو رہی ہے۔"

ڈیوڈ نے جلدی سے کرسی پیش کر دی۔ ہنری نے لوسی کا ہاتھ پکڑ کر بڑے ادب آداب کے ساتھ اسے کرسی پر بٹھایا اور ڈبل روٹی پر مکھن اور جام لگا کر اسے پیش کیا۔
"لو بہن لوسی! آج جی بھر کر کھانا۔"

غریب عورت کو معلوم ہوتا تھا کہ ایک مدت کے بعد مکھن اور جام لگی ڈبل روٹی ملی ہے۔ دونوں ہاتھوں سے کھانے لگی۔ ڈیوڈ نے آنکھوں سے ہنری کو کچھ اشارہ کیا۔ ہنری نے کافی کے اس مگ کی طرف اشارہ کیا جو لوسی کے سامنے رکھا ہوا تھا اور جو گرم کافی سے بھرا ہوا تھا۔ ڈیوڈ نے کہا۔ "لوسی بہن! ساتھ کافی بھی پیو۔ یہ کافی خاص طور پر ہم نے نیاز کے لیے خریدی تھی۔ بڑی لذیذ کافی ہے۔"

لوسی کو مکھن جام والے سلائس کھانے سے ہی فرصت نہیں تھی۔ دیکھتے دیکھتے وہ دو سلائس ہڑپ کر گئی کہنے لگی۔ "میں پہلے ناشتہ کر لوں۔ پھر آرام سے کافی پیوں گی۔"

ڈیوڈ نے کافی کا مگ غریب عورت کے اور آگے کر دیا۔ اس نے کافی کے دوسرے مگ کی طرف اشارہ کر کے آنکھوں میں ہنری سے کچھ پوچھا۔ ہنری نے اشارہ کر کے بتایا کہ اس میں کچھ نہیں ہے۔ ڈیوڈ بیٹھ گیا تھا۔ اس نے اپنے والا مگ اٹھایا اور کافی پینے لگا۔ ہنری اپنے مگ کی کافی پی رہا تھا۔ بے ہوشی کی دوائی لوسی والے مگ میں تھی۔ دونوں جرائم پیشہ بے چین ہو رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ لوسی جلدی سے کافی پی لے۔ لوسی برابر ڈبل روٹی جام اور مکھن کا ناشتہ کئے جا رہی تھی۔ ڈیوڈ اپنا کافی کا مگ لے کر اٹھا اور چھوٹی سی کوٹھڑی میں چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہنری بھی اندر چلا گیا۔ میں بھی تیزی سے ان کے ساتھ ہی کوٹھڑی میں آ گیا۔

ڈیوڈ نے ہنری سے سرگوشی میں پوچھا۔ "بے ہوشی کی دوائی لوسی کے مگ میں ملا دی تھی؟"

"کافی سے زیادہ دوائی ڈال دی ہے۔ کافی کے پہلے گھونٹ کے ساتھ ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔"

ڈیوڈ بولا۔ "بس ٹھیک ہے۔ اس کے بے ہوش ہوتے ہی میں اسے اٹھا کر اس کوٹھڑی میں لے آؤں گا اور گلا گھونٹ کر اس کا کام تمام کر دیں گے۔"

ہنری باہر جاتے ہوئے بولا۔ "باہر آ جاؤ۔ کہیں اس عورت کو شک نہ پڑ جائے۔"

دونوں باہر آ گئے۔ اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ انہوں نے صرف نادار عورت لوسی کے مگ میں ہی بے ہوشی کی دوائی ملائی ہوئی ہے۔ لوسی نے اس دوران آدھی سے زیادہ ڈبل روٹی جام اور مکھن ہڑپ کر لیا تھا۔ مگر ابھی تک اس نے اپنی کافی کا ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا۔ اس کا مگ اسی طرح سیاہ رنگ کی کافی سے بھرا ہوا تھا۔ ہنری نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لوسی بہن! کافی بھی پیو۔ یہ بڑی اعلیٰ کوالٹی کی کافی ہے۔"

لوسی نے اپنے ہاتھ اپنے کرتے سے پونچھتے ہوئے کہا۔ "ابھی پیتی ہوں۔ فکر نہ کرو، یہ کافی مجھے روز روز کہاں ملے گی۔"

اب میں لوسی کے قریب ہو گیا۔ میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "لوسی! کافی نہ پینا۔ اس میں بے ہوشی کی دوا ملی ہوئی ہے۔ یہ لوگ تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

لوسی نے جب دیکھا کہ اس کے کان میں جس مرد نے سرگوشی کی ہے وہ نظر نہیں آ رہا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے بے اختیار کہا۔ "اس کمرے میں کوئی بھوت ہے ہنری۔"

میں نے لوسی کے کان میں دوبارہ سرگوشی کی اور کہا۔ "لوسی میں بھوت نہیں ہوں۔ میں انسان ہوں اور تمہارا ہمدرد ہوں۔"

لوسی اور زیادہ گھبرا گئی۔ اس نے چیخ ماری اور بھوت بھوت کہتی باہر کی طرف بھاگی۔ ہنری اور ڈیوڈ حیران پریشان ہو گئے کہ اس عورت کو کیا ہو گیا ہے۔ ان کا شکار ان کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ ہنری نے چلا کر کہا۔ "ڈیوڈ! اسے قابو کرو۔"

ڈیوڈ لوسی کی طرف دوڑا۔ میں اس سے پہلے تیزی سے باہر نکل گیا۔ لوسی گلی میں اپنے مکان میں گھس گئی تھی۔ ڈیوڈ نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے پتلی رسی نکال لی تھی۔ یہ وہ رسی تھی جو اس نے لوسی کا گلا گھونٹنے کے لیے رکھی تھی۔ میں دوڑ کر لوسی کے مکان میں گیا۔ لوسی گھبرائی ہوئی تھی اور ٹوٹے ہوئے پلنگ پر بیٹھی خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔ ڈیوڈ آتے ہی رسی لئے اس کی طرف بڑھا۔ اب تماشائی بن کر دیکھتے رہنے کا وقت نہیں تھا۔ جو میں کر سکتا تھا میں نے وہی کیا۔ سب سے پہلے تو میں نے لوسی

کی گردن کی ایک خاص رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو گئی۔ ڈیوڈ یہی سمجھا ہو گا کہ لوسی خوف کے مارے بے ہوش ہو گئی ہے۔ لوسی پلنگ پر بے ہوشی کی حالت میں پڑی تھی۔ میں نے ایک سیکنڈ میں اسے اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ لوسی میری گرفت میں آتے ہی غائب ہو گئی تھی۔ ڈیوڈ نے اچانک لوسی کو غائب ہوتے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میں اسے اسی حالت میں چھوڑ کر لوسی کو اٹھائے مکان سے نکلا اور گلی میں سے ہوتا ہوا باہر بازار میں آ گیا۔ بازار میں چھکڑے اور گھوڑ سوار وغیرہ گزر رہے تھے۔ اس زمانے کے لباس میں ملبوس عورتیں اور مرد چل پھر رہے تھے۔ میں سوچنے لگا کہ اس غریب عورت کو کہاں لے جاؤں کہ یہ ان قاتلوں سے محفوظ ہو جائے کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ لوسی کو دوبارہ تلاش کر کے اسے ہلاک کر ڈالیں گے۔ دن کا وقت تھا، مگر دھوپ نہیں تھی۔ سرد دھند سی فضا پر چھائی ہوئی تھی۔

مجھے خیال آیا کہ یہ عورت بھیک مانگ کر گزر اوقات کرتی ہے۔ میں اسے کسی دوسرے شہر جانے والی گھوڑا گاڑی میں بٹھا دیتا ہوں۔ دوسرے شہر پہنچ کر اس کی زندگی کم از کم ہنری اور ڈیوڈ کی طرف سے محفوظ ہو جائے گی۔ اس نے تو بھیک ہی مانگنی ہے، لندن میں نہ سہی کسی دوسرے شہر میں بھیک مانگ لیا کرے گی۔ اس زمانے میں گھوڑا گاڑیاں جنہیں کوچ کہا جاتا تھا ایک شہر سے دوسرے شہر کو چلا کرتی تھیں۔ دو تین کوچز سفر کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ مسافر سوار ہو رہے تھے۔ وہ گھوڑا گاڑیوں کی چھت پر سامان رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ میں لوسی کو گاڑی کے اندر سواریوں کے ساتھ نہیں بٹھا سکتا تھا۔ وہ ایک دم ظاہر ہو جاتی تو مسافر ڈر کر بھاگ جاتے۔ میں نے لوسی کو ایک گھوڑا گاڑی کی چھت پر صندوقوں وغیرہ کے درمیان بٹھا دیا۔ جیسے ہی میں نے اسے کاندھے سے اتارا وہ نظر آنے لگی۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔

اس کے بعد میں نیچے اتر آیا۔ جب تک گھوڑا گاڑی روانہ نہیں ہو گئی میں اسی جگہ کھڑا رہا۔ جب گھوڑا گاڑی دوسرے شہر کی طرف چل دی اور کافی دور چلی گئی تو میں واپس شہر کی طرف چل پڑا۔ میرے سامنے اب کوئی مقصد نہیں تھا۔ لوسی کو میں نے

قاتلوں سے بچا لیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اچانک مجھے اس کاغذ کا خیال آگیا جو تاریخ کے پچھلے زمانے میں درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے بونے نے مجھے دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ رکھ لو۔ یہ تمہارے کام آئے گا۔ میں نے اوور کوٹ کی اندر والی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ کاغذ وہاں موجود تھا۔ میں نے اسے جلدی سے باہر نکال کر کھولا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

کاغذ پر چھوٹے چھوٹے دائرے اور تیر کے نشان بنے ہوئے تھے۔ دیر تک میں سڑک کے کنارے بیٹھا کاغذ کو دیکھتا رہا۔ عجیب گورکھ دھندا تھا جو میری سمجھ سے باہر تھا۔ جب مجھے اس نقشے کا سر پیر کچھ سمجھ میں نہ آیا تو مایوس ہو کر میں نے اسے تہہ کر کے واپس کوٹ کی جیب میں رکھ لیا اور آہستہ آہستہ ایک طرف چلنے لگا۔ ایک دم مجھ پر مایوسی کے بادل چھا گئے تھے۔ مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب میرا کچھ نہیں بنے گا اور میں باقی زندگی اسی طرح اجنبی صدیوں میں دربدر پھرتا رہوں گا اور مجھے اپنا وطن پاکستان دیکھنا کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ دل بوجھل ہو گیا۔ ایک قدم اٹھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سڑک کے دائیں جانب دیکھا۔ وہاں ایک چار فٹ اونچی پتھریلی دیوار تھی جس پر کہیں کہیں جنگلی بیل چمٹی ہوئی تھی۔ خدا جانے یہ کون سی جگہ تھی۔ بہرحال میں دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور اپنی قسمت پر افسوس کرنے لگا کہ قدرت نے میرے ساتھ کیسی ستم ظریفی کی ہے۔

اتنے میں کسی نے میرا اصلی مسلمانوں والا نام لے کر پکارا۔ میں چونک پڑا۔ دیکھا کہ میری بائیں جانب احاطے میں اندر کی طرف ایک بوسیدہ چیتھڑے ایسے لباس والی بوڑھی عورت کھڑی میری طرف دیکھ رہی ہے۔ اس کی نظریں سیدھی مجھ پر پڑ رہی تھیں۔ میں بڑا حیران ہوا کہ میں تو غائب ہوں۔ پھر یہ عورت مجھے کس طرح دیکھنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اس کی نظریں بالکل میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ براہ راست مجھے دیکھ رہی ہے اور میں اسے دکھائی دے رہا ہوں۔ میں جلدی سے دیوار سے اندر کی طرف اتر کر ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ بوڑھی عورت نے عجیب سی

ہنسی ہنس کر کہا۔ "میرا امتحان لینے کی ضرورت نہیں؟ میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔ دوسروں کے لیے تم غائب ہو گے مگر میرے لئے غائب نہیں ہو۔ میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔"

میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی جادوگرنی ہے اور جادو کے زور سے اس نے مجھے دیکھ لیا ہے اور میرا نام بھی معلوم کر لیا ہے۔ پھر بھی میں نے اس سے پوچھا۔ "تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

وہ بولی۔ "مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن اس وقت میں صرف تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں۔"

"کس بات کا شکریہ؟" میں نے پوچھا۔

عورت بولی۔ "میں اس بات پر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ تم نے عین وقت پر پہنچ کر میری چھوٹی بہن لوسی کی جان بچالی۔ اگر تم وہاں موجود نہ ہوتے تو اس وقت میری بہن کی لاش کی ڈاکٹر چیرپھاڑ کر رہا ہوتا۔"

میں نے بے دلی سے کہا۔ "شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں' میں نے انسانی ہمدردی کے تحت ایسا کیا تھا۔"

وہ بولی۔ "تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے میں اس کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میں جانتا ہوں تمہیں جادو کرنا آتا ہے' مگر تمہارا جادو میری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

وہ عورت ہنسنے لگی۔ اس کے سامنے کے چار دانت سیاہ ہو چکے تھے۔ کہنے لگی۔ "میں جانتی ہوں کہ میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں' اسی لئے میں یہاں آئی ہوں۔"

میں نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہی عورت مجھے کوئی گر کی بات بتا دے اور میں اپنی دنیا میں پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم میری کیا مدد کر سکتی ہو؟"

وہ بولی۔ "میں جانتی ہوں تم کون ہو' کہاں سے آئے ہو' کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہو اور کہاں جانا چاہتے ہو؟"

میں بڑا خوش ہُوا۔ یہ عورت اگر میرے بارے میں چھپی ہوئی ساری باتیں جانتی ہے تو مجھے ضرور اس جنجال سے باہر نکال سکتی ہے۔ میرے لہجے میں تھوڑی خوشامد سی آ گئی۔ کیا کرتا' مجبور تھا۔ مَیں نے کہا۔ "پیاری بہن! اگر تم سب کچھ جانتی ہو تو مجھے اس مصیبت سے نکال کر بیسویں صدی میں پہنچا دو۔ تمہارا مجھ پر بڑا احسان ہو گا۔"

"یہاں بیٹھ جاؤ۔"

وہ بھی بیٹھ گئی۔ مَیں بھی اس کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ "تمہاری جیب میں جو کاغذ ہے وہ نکالو۔"

مَیں نے فوراً جیب سے گول دائروں اور تیر کے نشانوں والا کاغذ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ وہ اسے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ "صرف یہ کاغذ تمہیں تمہاری منزل تک نہیں پہنچا سکے گا۔"

میرا دل بجھ سا گیا۔ مَیں نے کہا۔ "تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ تم جو کہو گی میں ویسے ہی کروں گا۔"

اس نے کاغذ تہہ کر کے مجھے واپس کر دیا۔ کہنے لگی۔ "تم اپنے منہ سے طلسمی مہرہ نکال لو۔ میرے سامنے بیٹھ کر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مَیں تو ویسے ہی تمہیں دیکھ رہی ہوں۔"

مَیں نے مہرہ منہ سے نکالا تو ظاہر ہو گیا۔ وہ عورت بولی۔ "اس مہرے کی حفاظت کرنا۔ یہ تمہیں بہت سی آنے والی مصیبتوں سے بچائے گا۔"

مَیں نے مہرہ کوٹ کی اندرونی جیب میں کاغذ کے ساتھ ہی رکھ دیا اور کہا۔ "اب مجھے بتاؤ کہ تم میری کس طرح مدد کر سکتی ہو۔ کیونکہ اس وقت تم ہی مجھے امید کی ایک کرن نظر آ رہی ہو۔"

وہ ہنسنے لگی۔ بولی۔ "تم لوگ اپنے آپ سے بڑے غافل ہو۔ تمہیں کچھ نہیں پتہ کہ کون تمہاری مدد کر سکتا ہے اور کون تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ ہی ہی ہی ہی ہی!"

وہ اپنے سیاہ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے ہنسنے لگی۔ میں چپ بیٹھا اس کا منہ

تکتا رہا کہ دیکھوں یہ اب کیا کہتی ہے۔ اُس نے پھٹی ہوئی گرم اُونی شال اپنے بوڑھے جسم پر لپیٹتے ہوئے کہا۔ "رات کو تم ایک قبرستان میں سے گزرے تھے؟"

مجھے یاد آ گیا۔ مَیں نے کہا۔ "ہاں۔ میں ایک قبرستان میں سے گزرا تھا۔"

وہ پھر ہنسنے لگی۔ "ہم زندہ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ قبرستان مرے ہوئے لوگوں کی آرام گاہ ہے۔ شاید ہی کسی کو یہ معلوم ہو کہ ہر قبرستان اپنی خاموشیوں میں ہزاروں راز چھپائے ہوئے ہوتے ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب تم رات کی خموشی میں قبرستان میں سے گزر رہے تھے تو ایک بھٹکی ہوئی روح تمہارا پیچھا کر رہی تھی؟"

مجھے سب کچھ یاد آ گیا تھا۔ مَیں نے کہا۔ "ہاں' مجھے یاد ہے۔ مجھے ایسا لگا تھا کہ کوئی میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ مجھے اس کے پاؤں کی سوکھے پتوں پر پڑنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ میں نے رک کر پوچھا بھی تھا کہ کون ہے جس کے جواب میں مجھے کسی انسان کے گہرا سانس بھرنے کی آواز آئی تھی۔"

بوڑھی عورت بولی۔ "وہ بھٹکتی روح تمہاری مدد کرنے آئی تھی۔ مگر تم بڑی جلدی قبرستان میں سے نکل گئے۔ وہ روح قبرستان کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتی تھی جس کی وجہ سے وہ تمہارے پیچھے نہ آ سکی۔"

مَیں نے بے تاب ہو کر پوچھا۔ "میرے خدا! اب میں کیا کروں؟ کیا رات کو اسی قبرستان میں دوبارہ اس روح سے ملاقات ہو سکتی ہے؟"

لوسی کی بڑی بہن کہنے لگی۔ "میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ یہ بھٹکتی روحیں جب کسی انسان کی مدد کرنا چاہتی ہیں تو اسے صرف ایک بار ہی موقع دیتی ہیں۔ اگر وہ آدمی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو روحیں دوبارہ مشکل ہی سے ملتی ہیں۔"

مَیں نے بوڑھی عورت سے التجا کرتے ہوئے کہا۔ "پلیز میری بہن میری مدد کرو۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں کہ اس روح سے دوبارہ ملاقات ہو جائے؟"

بوڑھی عورت نے کہا۔ "مَیں تمہیں لاطینی زبان کا ایک طلسمی منتر بتاتی ہوں۔ اس منتر میں بھٹکتی روحوں کی تعریف کی گئی ہے۔ رات کو قبرستان میں جا کر کسی قبر کے

پاس بیٹھ کر یہ منتر پانچ سو مرتبہ دہرانا۔ تمہاری قسمت اچھی ہوئی اور اس روح کے دل میں تمہاری مدد کا خیال آگیا تو وہ ضرور حاضر ہو جائے گی اور تم سے ہم کلام ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ صرف وہی روح تمہیں اس مصیبت سے نکال سکتی ہے جس میں تم پھنسے ہوئے ہو۔"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "اب میں جاتی ہوں۔ میں نے تمہارے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف چل دی۔ مَیں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ میری نظروں سے اُوجھل نہیں ہوگئی۔

O==========☆==========O
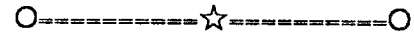
مجھے رات کو قبرستان جانا تھا۔

ابھی دن کی پھیکی اور دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس سرد علاقے میں دن بڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔ جلدی رات پڑ جاتی ہے۔ کچھ وقت میں ادھر ادھر پھرتا رہا۔ آپ ضرور سوچ رہے ہوں گے کہ میں کھاتا وغیرہ کہاں سے ہوں۔ کیونکہ میرے پاس تو اب پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی لیکن میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ غیبی حالت میں زیادہ دیر رہنے کے باعث میری بھوک پیاس تقریباً جاتی رہی تھی۔ کسی کسی وقت اگر کچھ تھوڑا بہت کھا پی بھی لوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میری صحت بالکل تندرست آدمیوں والی تھی۔ اب میں غیبی حالت میں نہیں تھا۔ چنانچہ مجھے تھوڑی تھوڑی بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔ میں نے جیب سے طلسمی مہرہ نکال کر منہ میں رکھ لیا۔ میں غائب ہوگیا۔ غائب ہوتے ہی میری تھوڑی بہت جو بھوک تھی وہ بھی غائب ہوگئی۔

بہت جلد دن کی روشنی جیسے بجھ گئی اور رات ہوگئی۔ بازاروں اور مکانوں میں گیس کے لیمپ روشن ہوگئے۔ ان کی روشنی بجلی کی روشنی کا مقابلہ بالکل نہیں کر سکتی تھی۔ میں دریا کی طرف چل پڑا۔ کیونکہ قبرستان دریا کی طرف جاتے ہوئے راستے میں آیا تھا۔ آخر میں نے قبرستان تلاش کر لیا۔ یہ وہی قبرستان تھا جہاں ایک رات پہلے قبروں کے درمیان گزرتے ہوئے مجھے احساس ہوا تھا کہ کوئی نظر نہ آنے والی روح میرا پیچھا کر رہی ہے۔

جہاں پہلی بار میں نے اپنے پیچھے غیبی روح کے قدموں کی چاپ سنی تھی میں وہیں ایک قبر کے پتھر پر بیٹھ گیا اور لوسی کی بڑی بہن نے جو منتر مجھے بتایا تھا وہ منہ ہی منہ میں پڑھنے لگا۔ یہ منتر مجھے پانچ سو مرتبہ پڑھنا تھا۔ میرے پاس کافی وقت تھا۔ ابھی رات آدھی نہیں گزری تھی۔ میں آرام آرام سے منتر پڑ رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کی گنتی بھی کرتا جاتا تھا۔ جب ایک سو مرتبہ منتر پڑھ چکا تو ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر قبر کے اوپر رکھ دیا۔ اس کے بعد پھر منتر پڑھنے لگا۔ ہر سو بار منتر پڑھنے کے بعد میں ایک پتھر قبر پر رکھ دیتا۔ اسی طرح جب پانچ سو مرتبہ منتر پڑھ چکا تو قبر پر رکھے ہوئے پتھروں کو گنا' پورے پانچ پتھر ہو گئے تھے۔ ان طلسمی عملوں میں گنتی کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کا مجھے تجربہ ہو چکا تھا۔ اس وقت رات کافی گزر چکی تھی۔ شاید آدھی رات ختم ہونے ہی والی تھی۔ قبرستان میں موت کا سکوت چھایا ہوا تھا۔ مجھے بھٹکی ہوئی روح کا انتظار تھا۔ روح نے مجھے نظر تو نہیں آنا تھا گرچہ وہ مجھے غائب حالت میں بھی دیکھ سکتی تھی۔ جیسا کہ گذشتہ رات اس نے مجھے غائب حالت میں بھی قبرستان سے گزرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ میں نے کان لگا رکھے تھے کہ کسی طرف سے مجھے بھٹکتی روح کے قدموں کی چاپ یا اس کے گہرا سانس لینے کی آواز ہی سنائی دے جائے۔

مگر کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ نہ اس رات کی طرح کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دے رہی تھی' نہ گہرا سانس بھرنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں کچھ ناامید ہو گیا۔ سوچا کہ میں نے گذشتہ رات اس روح کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی اس لئے وہ شاید مجھ سے ناراض ہو گئی ہے اور اب نہیں آئے گی۔ رات گزرتی جا رہی تھی سردی کا احساس مجھے تو نہیں ہو رہا تھا کیونکہ میں طلسمی مہرہ منہ میں رکھ کر غائب ہو چکا تھا۔ لیکن قبرستان میں اترے ہوئے کہرے اور سرد شبنم میں بھیگتی ہوئی پختہ قبروں کو دیکھ کر محسوس ہو رہا تھا کہ رات بڑی سرد ہے۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ روح نہیں آ رہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ یہاں مردہ قبروں میں بیٹھنے سے اب مجھے کیا ملے گا۔ مجھے واپس چل دینا چاہئے۔ ابھی میں اٹھا نہیں تھا لیکن قبرستان سے واپس جانے کے لیے پر تول رہا تھا کہ اچانک مجھے اس موت کی

خاموشی میں مجھے ایک آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایسی تھی کہ جیسے کسی نے میرے قریب آ کر گہرا سانس لیا ہو۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ بھٹکتی روح آ گئی ہے۔ میں ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ دوسری بار پھر گہرا سانس لینے کی آواز آئی۔ میں نے آہستہ سے پوچھا۔ "کون ہو؟"

جواب میں خاموشی چھائی رہی۔ اس کے چند لمحوں کے بعد جب کسی انسان کے ایک ساتھ تین چار مرتبہ سانس لینے کی آواز آئی تو میں نے کہا۔ "کون ہو؟ اگر تم وہی کل والی روح ہو تو مجھ سے بات کرو۔ میں تم سے ملاقات کے لیے ہی یہاں آیا ہوں۔"

اس کے جواب میں ایک کھوکھلی سی مردانہ آواز سنائی دی۔ یہ روح کی آواز تھی جو رک رک کر بول رہی تھی۔ "زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ میں کہوں اسے غور سے سنو۔ تم اس لائق نہیں ہو کہ تمہاری مدد کی جائے لیکن تم نے پانچ سو بار میرا منتر پڑھا ہے اور ایک بے گناہ عورت کی جان بچائی ہے۔ اس لئے تمہاری مدد کو آ گیا ہوں۔"

میں خاموشی سے سنتا رہا۔ روح نے رک رک کر اپنی کھوکھلی آواز میں کافی دیر لگا کر اپنی بات پوری کی تھی۔ میں نے بالکل نہ پوچھا کہ روح مجھ سے کیا کہنے والی ہے۔ خاموش بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد روح پھر بولی یا وہ آدمی جس کی وہ روح تھی پھر بولا۔ "دریا کے دوسرے کنارے پر شہر کا سب سے بڑا گرجا گھر ہے۔ گرجا گھر کے پیچھے قبرستان ہے۔ اس قبرستان میں ایک نیک دل راہب کی قبر ہے۔ قبر پر چاندی کی صلیب لگی ہے۔ اوپر قبر کا تعویذ ہے۔ اصل قبر نیچے تہہ خانے میں ہے۔ قبر کے سرہانے کی طرف سے ایک زینہ نیچے تہہ خانے میں اترتا ہے۔ تم نیچے تہہ خانے میں جاؤ گے وہاں تمہیں دیوار کے ساتھ لگا ہوا ایک خالی تابوت ملے گا اسے کھولو گے تو ایک دروازہ نظر آئے گا۔ اس دروازے میں سے گزر جانا۔ اگر تمہاری قسمت نے تمہارا ساتھ دیا تو تم اپنے زمانے میں پہنچ جاؤ گے۔ اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ خدا حافظ!"

میں نے جلدی سے پوچھا۔ "اگر میں اپنی دنیا میں نہ پہنچا تو تابوت کے دروازے میں سے گزر کر کون سی دنیا میں پہنچ جاؤں گا؟"

اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے اپنا سوال ایک بار پھر دہرایا۔ دوسری مرتبہ بھی روح نے کوئی جواب نہ دیا۔ روح جا چکی تھی۔ یہی بڑی غنیمت تھی کہ اس نے مجھے اس زمانے سے آگے کی طرف نکل جانے کا ایک راستہ دکھا دیا تھا۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ طلسمی مہرہ جیب سے نکال کر منہ میں رکھ لیا اور غائب ہو گیا۔ ایسا میں نے اس لئے کیا تھا کہ ایک تو مجھے بھوک پیاس کا احساس نہ ہو۔ دوسرے اس لئے کہ میں لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہو کر شہر کے سب سے بڑے قبرستان میں پہنچ جاؤں۔ ورنہ رات کے وقت پولیس کے گھوڑ سوار جو گشت لگاتے پھرتے تھے مجھ سے پوچھ گچھ کر کے میرا وقت ضائع کر سکتے تھے۔

میں نے لندن برج کے ذریعے دریا پار کیا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر آنے کے بعد میں نے بڑے گرجا گھر کی تلاش شروع کر دی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد مجھے ایک گرجا گھر کا بڑا اونچا مینار دکھائی دیا۔ میں گرجا گھر کے عقب میں آ گیا۔ وہاں واقعی ایک بڑا وسیع قبرستان تھا۔ یہ بہت پرانا قبرستان تھا اور اس میں بڑی نامور شخصیتیں دفن تھیں۔ جن کے نام میں نے قبروں کے کتبوں پر پڑھے۔ آخر مجھے وہ قبر مل گئی جس پر کافی بڑی چاندی کی صلیب نصب تھی۔ یہ کسی بزرگ راہب کی قبر تھی۔ قبر کا سارا تعویذ پتھر کا تھا۔ میں نے قبر کے سرہانے کی طرف آ کر دیکھا۔ یہاں ایک پتھر کا زینہ نیچے ایک چھوٹے سے دروازے تک جاتا تھا۔ دروازہ بند تھا اور اسے تالا لگا ہوا تھا۔ میں بند دروازے سے گزر کر دوسری طرف تہہ خانے میں آ گیا۔ یہ ایک تنگ سا تہہ خانہ تھا۔ اوپر والے قبر کے تعویذ کے بالکل نیچے بزرگ راہب کی قبر تھی جس پر صلیب لگی ہوئی تھی۔ میں نے سامنے والی دیوار پر نگاہ ڈالی۔ دیوار کے ساتھ واقعی ایک تابوت لگا ہوا تھا۔ میں نے تابوت کے ڈھکنے کے ایک پٹ کو کھولا تو اندر ایک دروازہ سا دکھائی دیا۔

دروازے کی دوسری جانب کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ گہری سلیٹی رنگ کی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ قدرتی طور پر میں دروازے میں سے گزرنے سے پہلے سوچنے لگا کہ کسی نئی آفت میں نہ پھنس جاؤں۔ لیکن بھٹکی ہوئی روح نے بڑے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ اگر

تمہاری قسمت نے ساتھ دیا تو تم اپنے شہر' اپنے زمانے میں پہنچ جاؤ گے۔ ایک طرح سے یہ جوا ہی تھا۔ پانسہ میرے حق میں پڑ گیا تو ٹھیک ہے' پانسہ اگر الٹ گیا تو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ تابوت کے دروازے کے قریب جا کر رک گیا تھا۔ ذہن میں طرح طرح کے خیال آ رہے تھے۔ وہاں رہ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیسے رہ سکتا تھا' نہ ماضی کا علم تھا' نہ مستقبل کا کچھ پتہ تھا اور نہ حال میرے حق میں تھا۔ آخر یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ اللہ کا نام لے کر دروازے میں سے گزر جاتا ہوں۔ قسمت میں جو لکھا ہو گا مل جائے گا۔ دوسرا کوئی راستہ نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔

قدم تابوت کی طرف بڑھایا۔ آنکھیں بند کیں اور دروازے کی دوسری جانب دھند میں ایک پاؤں آگے کر کے ٹٹولا کہ وہاں کیا ہے۔ وہاں میرا پاؤں ایک زینے کے ساتھ جا لگا یہ زینہ نیچے اترتا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور آہستہ آہستہ زینے پر سے نیچے اترنے لگا۔ پہلے تو دھند بڑی سرد تھی۔ اس کے بعد گرمی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے طلسمی مہرہ منہ میں نہیں رکھا ہوا تھا۔ اور میں ظاہری حالت میں تھا۔ زینہ نیچے ہی نیچے اترتا جا رہا تھا۔ مجھے معلوم ہی نہ ہوا اور آخری زینہ آ گیا۔ اس کے آگے میں نے پاؤں رکھا تو نیچے کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے یہی سمجھ کر پاؤں رکھا تھا کہ آگے بھی زینہ ہو گا مگر وہاں خلا تھا۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گر پڑا۔ دہشت کے مارے میری چیخ نکل گئی مگر وہاں نہ کوئی سننے والا تھا اور نہ مجھے سہارا دینے والا تھا۔ میں نے خلا میں دو تین قلابازیاں کھائیں اور نیچے ہی نیچے گرتا چلا گیا۔ ایک بار آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر دھند میں آنکھیں ایسے جلنے لگیں جیسے وہ کوئی آنسو گیس ہو۔ میں نے گھبراہٹ میں اپنے سر کو بازوؤں میں چھپا لیا تھا کہ اگر کہیں کسی سخت زمین پر گروں تو میرا سر بچ جائے۔ میں نے آنکھیں زور سے بند کر رکھی تھیں۔ میں قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے ہی نیچے گرتا چلا جا رہا تھا۔ خوف سے میرے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک میرا جسم کسی نرم شے سے ٹکرایا اور میں جیسے روئی کی طرح کسی نرم ڈھیر پر گر پڑا۔

دیر تک آنکھیں بند کئے وہیں پڑا رہا۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ آنکھیں

کھولتے ہوئے ڈرتا تھا کہ خدا جانے کیا نظر آ جائے۔ جسم کو گرمی لگ رہی تھی، نہ سردی لگ رہی تھی۔ کانوں میں ایسی آواز آ رہی تھی جیسے قریب ہی کہیں تیز آندھی چل رہی ہو۔ آخر میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان بھورے رنگ کے عجیب و غریب قسم کے بادلوں میں چھپا ہوا ہے۔ فضا میں میلی کچیلی سی پتلی دھند پھیلی ہوئی ہے۔ اس دھند میں چند ایک درختوں پر نظر پڑی۔ یہ درخت ٹنڈ منڈ تھے اور ایسے جھکے ہوئے تھے جیسے کسی بیماری کی وجہ سے کبڑے ہو گئے ہوں۔ میں پرندوں کے جھڑے ہوئے پروں کے ڈھیر پر گرا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور چاروں طرف دیکھا۔ کبڑے درختوں کے پیچھے ایک میدان سا نظر آیا۔ سوچا وہاں چل کر دیکھنا چاہئے کہ یہ کون سی جگہ ہے اور میں کس زمانے میں آ گیا ہوں۔ دل بار بار یہی دعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ یہ میرا اپنا بیسویں صدی عیسوی کا زمانہ ہی ہو۔ میں آہستہ آہستہ چلتا کبڑے درختوں کے قریب سے گزرا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسے محسوس ہوا جیسے کبڑے درخت سانس لے رہے ہوں۔ سامنے کھلا میدان تھا۔ اس میدان میں نہ گھاس تھی، نہ ریت تھی اور نہ کوئی سبزہ تھا۔ عجیب قسم کی نسواری رنگ کی مٹی کی تہہ بچھی ہوئی تھی۔ فضا بھی نسواری نسواری ہو رہی تھی۔ کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ دن ہے کہ رات ہے، صبح ہے کہ شام ہے۔ میں نے اوور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر طلسمی مہرہ ٹٹولا۔ طلسمی مہرہ میری جیب میں ہی تھا۔ کسی ناگہانی مصیبت کے وقت میں یہ مہرہ منہ میں رکھ کر غائب ہو جانا چاہتا تھا کیونکہ فضا بڑی ڈراؤنی اور آسیبی تھی۔ وہاں کسی بھی قدم پر کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ساری فضا پر آسیب سا چھایا لگتا تھا۔

نسواری رنگ کی پتلی سی دھند چھائی ہوئی تھی۔ اچانک مجھے بالکل ویسا ہی احساس ہوا جیسے آدھی رات کو بھٹکتی ہوئی روح کے قبرستان میں سے گزرتے وقت ہوا تھا۔ مجھے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں رک گیا۔ قدموں کی آہٹ بھی رک گئی۔ میرے دل نے تیز تیز دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ میں دو قدم چلا تو پھر اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے رک کر کانپتی ہوئی آواز میں

پوچھا۔ "کون ہو؟" اس کے جواب میں کسی کے لمبا سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ دہشت سے میرا جسم سن ہو گیا۔ میں تیز تیز چلنے لگا۔ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ میں جتنا تیز چلنے کی کوشش کرتا ہوں میرے قدم اتنے ہی آہستہ ہو جاتے ہیں۔ میرے قدم بوجھل ہونا شروع ہو گئے۔ جیسے زمین کی کشش بڑھ گئی ہو۔ میں گھبرا گیا۔ یا اللہ! یہ میں کس دنیا میں آ گیا ہوں۔ مجھے تھوڑا زور لگا کر قدم اٹھانے پڑ رہے تھے۔ میں رک گیا اور غور کرنے لگا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ قدم آگے بڑھایا تو ہلکا سا زور لگا کر قدم آگے بڑھا۔ میں اسی طرح اپنے آپ کو کھینچ کر چلنے لگا کہ شاید آگے جا کر زمین کی کشش نارمل ہو جائے۔ دس بارہ قدم چلنے پر ہی آگے نسواری دھند میں سے کوئی شے نظر آتی تھی۔ اتنے میں ہی میرا سانس پھولنے لگا۔

اب میں ایک ایک قدم کر کے چلنے لگا۔ پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد نسواری دھند ذرا سی چھٹی تو مجھے تین بڑے بڑے پتھر نظر آئے جو زمین سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ قریب جا کر دیکھا تو یہ تین خوفناک چہروں والی عورتوں کے مجسمے تھے جو آدھے زمین کے اندر دھنسے ہوئے تھے اور آدھے زمین سے باہر تھے۔ عورتوں کے بال لمبے لمبے نوکیلے کانٹوں کی طرح ان کے سروں پر کھڑے تھے۔ آنکھوں کی جگہ تاریک سوراخ تھے اور ان کے سیاہ لکڑی کی طرح کے بازو ایسے اوپر کو اٹھے ہوئے تھے جیسے اپنے آپ کو زمین سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ایسی ڈراؤنی عورتوں کے مجسمے میں نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔

خوف کے مارے میرے پاؤں من من بھاری ہو گئے تھے۔ بڑی مشکل سے ہمت کر کے میں نے قدم اٹھا کر اپنے آپ کو آگے کی طرف کھینچا اور ان مجسموں کے آگے سے گزر گیا۔ میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ نظر نہ آنے والے کسی ان دیکھے آسیب کے گہرے گہرے سانس لینے کی آواز میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میں ایسے چل رہا تھا جیسے آدمی گھٹنوں تک کسی دلدل میں پھنسا ہوا چل رہا ہو۔ بڑی مشکل سے میں نے پچاس ساٹھ قدموں کا فاصلہ طے کر لیا۔

قدموں کے بوجھل ہو جانے کی وجہ سے اتنے میں ہی میرا سانس پھول گیا تھا۔

ہلکی نسواری دھند میں مجھے سامنے ایک عمارت کا ہیولا سا دکھائی دیا۔ میں ایک ایک قدم چلتا اس کے قریب آگیا۔ یہ ایک کچا کوٹھا تھا جو ایک طرف کو جھکا ہوا تھا۔ دروازے کے کیواڑ غائب تھے۔ اندر اندھیرا تھا۔ عجیب ویرانی سی برس رہی تھی۔ میں تھک گیا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں جیب سے طلسمی مہرہ نکال کر منہ میں کیوں نہیں رکھ لیتا۔ اس طرح میں غائب ہو کر ہلکا بھی ہو جاؤں گا اور اگر یہاں کوئی آسیبی مخلوق رہتی ہے تو اس کو نظر بھی نہیں آؤں گا اور یوں اس سے محفوظ ہو جاؤں گا۔ میں حیران ہوا کہ یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔

میں نے جلدی سے جیب کے اندر ہاتھ ڈالا۔ یہ دیکھ کر میں گھبرا گیا کہ طلسمی مہرہ میری جیب میں نہیں تھا۔ میں نے ایک ایک کر کے اپنے اوور کوٹ کی ساری جیبیں ٹٹول کر دیکھ لیں۔ مہرہ کسی جیب میں بھی نہیں تھا۔ خدا جانے وہ کہاں اور کیسے میری جیب میں پڑے پڑے غائب ہو گیا تھا۔ طلسمی مہرہ گم ہو جانے سے میرے واپس اپنے زمانے اور اپنے شہر میں پہنچنے کی آدھی امید ختم ہو گئی تھی۔ یہ سب کچھ اسی طلسم کی وجہ سے ہوا تھا جس طلسم نے مجھے اگلے زمانے سے نکال کر اس عجیب و غریب دنیا میں پہنچایا تھا۔ میں نے کچے کوٹھے کے آسیبی کھنڈر کے قریب کھڑے کھڑے ایک بار پھر اپنی جیبوں کی تلاشی لی۔

طلسمی مہرہ واقعی غائب ہو چکا تھا۔

اسی لمحے مجھے ایک بار پھر اپنے پیچھے کسی غیبی مخلوق کے سانس لینے کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی آواز سنائی دی۔ میں بغیر سوچے سمجھے آسیبی کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ جیسے ہی میں کھنڈر کے دروازے میں داخل ہوا ساری فضا فلک شگاف انسانی چیخوں سے گونج اٹھی۔ یہ چیخیں اتنی بلند اور خوفناک تھیں کہ بے اختیار میری بھی چیخیں نکل گئیں۔ میں چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے اس طرح چیخ رہا تھا جیسے کوئی بری طرح میرے جسم کو چھریوں سے کاٹ رہا ہو۔ پھر میں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ لیکن چیخوں کی آواز بند نہ ہوئی۔ میں زمین پر دونوں گھٹنوں میں سر دیے کر بیٹھ گیا۔ میرا ہاتھ اپنے دائیں بازو سے لگا تو یہ دیکھ کر میرے رہے سہے ہوش بھی اڑ گئے کہ میرا وہ تعویذ جس نے مجھے ابھی

تک کاہن جادوگر کے ہلاکت خیز طلسم سے بچایا ہوا تھا' وہ بھی غائب تھا۔ طلسمی مہرے کے ساتھ ہی میرا تعویذ بھی غائب ہو گیا تھا۔ اب میری حالت ایک ایسے سپاہی کی سی تھی جس کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو اور جسے چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا ہو۔ میری چیخیں بند ہو گئی تھیں لیکن جسم دہشت سے ٹھنڈا ہو کر تیز ہوا میں سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ فضا کو لرزا دینے والی انسانی چیخیں ماند پڑنے لگیں۔ پھر غائب ہو گئیں اور اس کے بعد مرگ آلود سکوت چھا گیا۔ یہ ایک ایسا سکوت تھا جس کی سامنے خاموشی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کچھ دیر یہ موت کا سناٹا طاری رہا پھر ایسی آواز آنے لگی جیسے کوئی دل دھڑک رہا ہو۔ یہ آواز آہستہ آہستہ بلند ہوتی گئی۔ یوں لگتا تھا کہ ساری کائنات کا کوئی پہاڑ ایسا دل دھڑک رہا ہے۔ میں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ آہستہ آہستہ یہ آواز بھی بند ہو گئی اور پھر وہی بھیانک سکوت طاری ہو گیا۔

باہر پہلے جو نسواری رنگ کی دھند چھائی ہوئی تھی وہ سیاہ ہونے لگی اور پھر گہری تاریکی چھا گئی۔ آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے سے بھی باہر کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اچانک دو عورتوں کے بولنے کی آواز آنے لگی۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ عورتیں دروازے کے باہر کھڑی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی آواز کرخت اور کھڑکھڑ کرتی تھی۔ بات کرنے سے پہلے ہر عورت کے حلق سے سیٹی کی سی آواز نکلتی تھی۔

ایک عورت دوسری سے کہہ رہی تھی۔

"مالاں! مالاں! اسے تم کھاؤ گی کہ میں کھاؤں؟"

دوسری عورت نے کہا۔ "مالاں! مالاں! اسے میں کھاؤں گی۔"

پہلی عورت نے کہا۔ "مالاں! مالاں! آدھا تم کھانا' آدھا میں کھاؤں گی۔"

دوسری عورت نے ایک بھیانک چیخ ماری اور کہا۔ "مالاں! مالاں! اوپر والا حصہ میں کھاؤں گی۔"

پہلی عورت کی کھڑکھڑ کرتی آواز آئی۔ "اوپر والا حصہ آدھا تم کھاؤ گی' آدھا میں

کھاؤ گی۔"

اس کے ساتھ ہی دونوں عورتوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ ایسے رو رہی تھیں جس طرح کوئی عورت اپنے جوان بیٹے کی موت پر بین کرتی ہے۔ اس آواز سے میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میرا جسم اپنے آپ کانپنے لگا اور میں نے بھی بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ باہر آسمان پر بجلی کی طرح کوئی شے چمکی اور دیر تک چمکتی چلی گئی۔ اس کی روشنی میں' میں نے دیکھا کہ کھنڈر کے دروازے کے باہر وہی دو ڈراؤنی شکل اور سرکنڈوں ایسے سر کے بالوں والی عورتیں کھڑی ہیں' جن کے بت میں نے آدھے زمین سے باہر نکلے ہوئے دیکھے تھے۔ اس روشنی کی چمک میں ان کی آنکھیں ٹارچ کی لائٹ کی طرح چمک رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اگر میں وہاں سے نہ بھاگا تو یہ عورتیں مجھے زندہ ہڑپ کر جائیں گی۔ ان کے سوکھے بازو اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور ہاتھوں کے نوکیلے ناخن چھریوں کی طرح چمک رہے تھے۔ جیسے ہی بجلی کی چمک بجھی اور اندھیرا چھا گیا تو میں کھنڈر کے دروازے سے نکل کر دوسری طرف دوڑ پڑا۔ میرا خیال تھا کہ اس زمین پر طلسم کی وجہ سے میرے پاؤں بھاری ہو گئے ہوں گے اور میں دوڑ نہ سکوں گا لیکن جیسے زمین کا طلسم ختم ہو گیا تھا۔ میرے پاؤں آسانی سے دوڑ رہے تھے۔ مجھے اپنے پیچھے عورتوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ یہ چیخیں کبھی میرے بالکل قریب آ جاتیں اور کبھی بہت دور چلی جاتیں۔ میرا ذہن ماؤف ہونے لگا تھا۔ عورتوں کے رونے' چیخنے اور دردناک بین کرنے کی آواز میرے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ خوف کے مارے میرا برا حال ہو رہا تھا۔ لگتا تھا کسی بھی وقت میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا اور میں کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر گر پڑوں گا۔

دونوں عورتوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ آوازیں بالکل میرے قریب سے آ رہی تھیں اور میرے ساتھ ساتھ جیسے دوڑ رہی تھیں۔

"مالاں! مالاں! اس کو میں کھاؤں گی۔"

"مالاں! مالاں! اس کو تم نہیں کھاؤ گی اس کو میں کھاؤں گی۔"

"مالاں! مالاں!" پہلی عورت بولی۔ "اس کو آدھا تم کھاؤ گی۔ آدھا میں کھاؤں گی۔"

"مالاں! مالاں! اس کا اوپر والا حصہ میں کھاؤں گی۔"

"اس کا نیچے والا حصہ میں کھاؤں گی۔"

اس کے ساتھ ہی انہوں نے چیخیں مارنی اور واویلا کرنا شروع کر دیا۔ ان کی چیخوں کی آوازوں پر میں بھی چیخنے لگا۔ میری دوڑنے کی رفتار اپنے آپ تیز ہو گئی۔ موت میرے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ میں موت کے آگے آگے دوڑ رہا تھا۔ کسی بھی وقت وہ مجھے دبوچ سکتی تھی۔ میرے پاس نہ مجھے بچانے والا تعویذ تھا' نہ مجھے غائب کرنے والا طلسمی مہرہ تھا۔ میں دیوانہ وار دوڑ رہا تھا۔ عورتوں کے چیخنے اور واویلا کرنے کی دل فگار آوازیں میرے سر پر پہنچ گئی تھیں۔ اچانک میرے پاؤں بھاری ہونا شروع ہو گئے۔ خوف سے میرے پسینے چھوٹ گئے۔

عین اس وقت مجھے اپنے سامنے ایک بڑی نہر یا بڑا دریا دکھائی دیا۔ اس کی سطح پر سیاہ دھند چھائی ہوئی تھی۔ پانی کی سطح سیاہ شیشے کی طرح ساکن تھی۔ مجھے اپنی گردن پر کسی کے نوکیلے ناخن چبھتے ہوئے محسوس ہوئے۔ میرے حلق سے ایسی ڈراؤنی چیخ نکلی کہ میں اس آواز سے خود بھی ڈر گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے بوجھل قدموں کو پورا زور لگا کر گھسیٹا اور دریا یا بڑی نہر کے سیاہ پانی میں چھلانگ لگا دی۔ پانی نے مجھے اپنے اندر کھینچ لیا۔ سب آوازیں غائب ہو گئیں۔ پانی کے اندر جیسے کسی جانور نے میری دونوں ٹانگوں کے گرد اپنی لمبی دم ایسی ٹانگیں لپیٹ لی تھیں اور مجھے پانی میں نیچے ہی نیچے کھینچے لئے جا رہا تھا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ میں نے پوری طاقت سے جھٹک کر اپنی ٹانگیں چھڑوا لیں اور دریا کے اندر کسی تیز رفتار موج نے مجھے آگے کی طرف دھکیل دیا۔ میں تیزی سے ہاتھ پاؤں چلانے لگا۔ دوسرے لمحے میں نے پانی سے باہر سر نکالا۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔

خاموشی ہی خاموشی تھی۔ نہ عورتوں کی چیخوں کی آوازیں تھیں' نہ ان کے بین کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پانی کی تیز لہر مجھے دریا کے دوسرے کنارے کی طرف کھینچ

کر لئے جا رہی تھی۔ میں نے ہاتھ پاؤں چلانے بند کر دیئے اور اپنے آپ کو تیز رفتار لہر کے حوالے کر دیا۔ عجیب بات ہے کہ دریا کا پانی نیم گرم اور کڑوا تھا۔ دریا کی لہر مجھے کشتی کی طرح اوپر اٹھائے دوسرے کنارے کی طرف تیز رفتاری سے لئے جا رہی تھی۔ پھر اس لہر نے مجھے زور سے اچھال کر دوسرے کنارے پر پھینک دیا۔ میں اس قدر تھک گیا تھا کہ میرے بدن میں اٹھنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ میں کنارے کی ریت پر ویسے ہی پڑا رہا۔ فضا تاریک تھی۔ پھر وہی سناٹا چھا گیا تھا جو دریا کے دوسرے کنارے پر عورتوں کے بین کرنے کی آواز سے پہلے چھایا ہوا تھا۔ یا خدا! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ یہ میں کون سی آسیب زدہ دنیا میں آگیا تھا۔ یہ کرۂ ارض کی کوئی دنیا تھی یا عالم برزخ کا کوئی مقام تھا؟ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میرے اردگرد چار لمبے لمبے انسانی سائے نمودار ہو گئے ہیں۔ میں پوری آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اندھیرے میں وہ سیاہ ستونوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ پھر وہ مجھ پر جھک گئے۔ یہ دیکھ کر میرے ہوش گم ہونے لگے کہ ان چاروں انسانی سایوں کے سر غائب تھے۔ ان کے لمبے لمبے ہاتھ اور لمبی لمبی ٹانگیں تھیں اور لگتا تھا کہ ان کے جسموں پر سوائے کالے سیاہ بالوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ میرے جسم کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو گئی۔ میں اپنے ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اٹھ کر بھاگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ بغیر سر کے انسان نما دیو پیکر عفریت مجھ پر اسی طرح جھکے ہوئے تھے جیسے مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ پھر مجھے ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے بہت سے سانپ سیٹی بجا رہے ہوں۔ شاید وہ اپنی آواز اور اپنی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

اس کے فوراً بعد انہوں نے میرے جسم کے نیچے بازو ڈال کر مجھے اوپر اٹھا لیا اور لے کر ایک طرف کو چل پڑے۔ ان کے ہاتھوں اور بازوؤں کے لمس سے میرا جسم کسی پرانی لاش کی طرح اکڑ گیا تھا۔ وہ اپنے اپنے لمبے لمبے سیاہ بازوؤں پر اٹھائے مجھے اتنی تیزی سے لئے جا رہے تھے جیسے ہوا میں اڑ رہے ہوں۔ پھر وہ ایک پہاڑی پر چڑھنے لگے۔

پہاڑی کے اوپر سے کبھی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی اور کبھی گرم ہوا آنے لگتی تھی۔ پہاڑی کی چوٹی پر ایک غار تھا۔ وہ مجھے لے کر غار میں داخل ہو گئے۔ غار میں صرف اندھیرا اور سخت ناگوار بدبو تھی۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ میرے حلق سے ہلکی ہلکی کراہیں نکلنے لگیں۔ چاروں سر کٹے انسان نما عفریتوں نے سیٹیوں کی زبان میں پھر ایک دوسرے سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ غار میں تیزی سے چلے جا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ میرا سانس معمول پر آگیا اور ناگوار بو بھی ختم ہو گئی۔ لیکن فضا سرد ہونے لگی۔ سردی سے میرا جسم پہلے کانپنے لگا پھر برف کی طرح سن ہو گیا۔ غار ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

چاروں عفریت نما سر کٹے انسانوں نے آپس میں بات چیت کرنا بند کر دی تھی۔ وہ جیسے مجھے اپنے بازوؤں پر اٹھائے غار کی فضا میں پرواز کر رہے تھے۔ اچانک فضا میں ہلکی ہلکی گرمائش آنی شروع ہو گئی۔ جیسے قریب ہی کہیں آگ کا الاؤ روشن ہو۔ میرا برف ایسا جسم معمول پر آگیا اور میری سوچنے، محسوس کرنے کی صلاحیتوں نے پھر سے کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ کون سی مخلوق ہے؟ یہ مجھے کہاں لئے جا رہے ہیں؟ ان سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ غار کی تاریک فضا میں ہلکی ہلکی روشنی جھلکنے لگی۔ پھر ایک اونچی چھت والا دالان سا آگیا جس کی چھت پر ایک جانب سے کسی الاؤ کے شعلوں کی روشنی لہرا رہی تھی۔ ان سر کٹے عفریت نما انسانوں نے مجھے ایک چبوترے پر ڈال دیا۔ اس چبوترے پر لوہے کی موٹی موٹی میخیں ٹھکی ہوئی تھیں۔ ان میخوں کے ساتھ لوہے کی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں لوہے کی میخوں کے ساتھ زنجیروں سے کس کر اس طرح باندھ دیئے کہ میرے دونوں بازو اور دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔

میں نے دیکھا کہ میرے داہنی جانب دالان کے درمیان میں ایک گڑھا تھا جس میں آگ جل رہی تھی اور شعلے گڑھے سے باہر تک آ رہے تھے۔ چاروں سر کٹے عفریت میرے پاؤں کی طرف کھڑے ہو گئے۔ الاؤ کی روشنی میں، میں نے انہیں دیکھا۔ ان چاروں کے سر غائب تھے اور ان کے قد بڑے لمبے لمبے تھے۔ بازو اور ٹانگیں بھی لمبی تھیں

اور سارے جسم پر بال ہی بال تھے۔ یا خدا! یہ کون لوگ ہیں؟ چاروں سرکٹے میرے پاؤں کے قریب بالکل ساکت ہو کر ڈیڑھ ایک منٹ تک کھڑے رہے' پھرانہوں نے اپنے بازو اوپر اٹھا لئے۔ حلق سے سیٹی کی تیز آوازیں نکالیں۔ اگرچہ ان کے سر غائب تھے مگر سیٹی کی آوازیں ان کے حلق سے ہی نکل رہی تھیں۔ ان چاروں دراز قد سرکٹے انسانوں نے میرے اردگرد ایک قطار میں تین چکر لگائے اور غار میں اس طرف چلے گئے جس طرف سے وہ مجھے لے کر آئے تھے۔ میں چبوترے پر زنجیروں میں جکڑا پڑا تھا۔ یہ سوچ کر میری جان خشک ہو رہی تھی کہ ممکن ہے یہ میرا بھی سر قلم کر دیں۔ میں نے سامنے والی دیوار کو غور سے دیکھا۔ وہاں دیوار کے ساتھ چار بڑے سائز کے انسانی سر ٹنگے ہوئے تھے۔ الاؤ کی روشنی میں یہ سر مجھے کافی حد تک صاف نظر آ رہے تھے۔

ان کے سر کے بال غائب تھے۔ آنکھیں لاش کی آنکھوں کی طرح اندر کو پچکی ہوئی تھیں اور پوری طرح سے بند تھیں۔ لمبی ناک آگے کو مڑی ہوئی تھی۔ گالوں کی ہڈیاں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور سفید زبانیں باہر کو لٹکی ہوئی تھیں۔ یہ چاروں کے چاروں سر اس طرح سے کاٹے گئے تھے کہ ان کی خون آلود شہ رگیں نیچے لٹک رہی تھیں۔ ان سروں کو دیکھ کر میرے اوپر مزید دہشت طاری ہو گئی۔ کیا یہاں میرا بھی سر اسی بیدردی سے کاٹ کر لٹکا دیا جائے گا۔ یقیناً میرا یہی ہولناک انجام ہونے والا تھا۔ ورنہ ان عفریتوں کو مجھے زنجیروں میں جکڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی کہ اے خدا اگر میرا بھی انجام ہونا ہے تو اس سے پہلے کہ یہ لوگ میرا سر کاٹیں مجھے موت دے دے' تاکہ میں سر تن سے جدا ہونے کی اذیت سے بچ سکوں۔ غار کی فضا پر آسیب زدہ خاموشی طاری تھی۔ کسی کسی وقت الاؤ میں سے لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز آ جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ الاؤ کے شعلے مدہم پڑنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد صرف گڑھے کے اندر سے دہکتے انگاروں کی روشنی ہی باہر نکل رہی تھی۔ میرے بالکل سامنے دیوار پر ٹنگے ہوئے چاروں ڈراؤنے سر اور زیادہ ڈراؤنے ہو گئے تھے۔ کسی وقت مجھے لگتا ان کی زبانیں لمبی ہو کر زمین کو چھونے لگی ہیں۔ کسی وقت مجھے ڈراؤنے سر گھومتے ہوئے نظر

آنے لگتے۔

میں صرف اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ موت جس نے میرا سر تن سے جدا ہونے سے پہلے مجھے ایک انتہائی بھیانک اذیت سے نجات دلانی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ کو مرنے کے لیے تیار کر لیا۔ اتنے میں مجھے گہرے سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ آواز مجھے اپنے قریب سے سنائی دی تھی۔ یہ وہی قبرستان والی بھٹکتی روح کے سانس لینے کی آواز تھی۔ میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے ایسے لگا جیسے یہ بھٹکتی روح میری مدد کو وہاں آئی ہے۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "دوست! مجھے بچا سکتے ہو تو بچا لو۔"

اس کے جواب میں صرف سانس لینے کی آواز آتی رہی۔ میں نے ایک بار پھر التجا کی۔ "دوست! میری مدد کرو۔ میں بے قصور ہوں۔ مجھے بچا لو۔ مجھے بچا لو۔"

میرے دوسری بار رحم کی اپیل کرنے کے بعد گہرے گہرے سانس لینے کی آواز غائب ہو گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی میرے قریب سے گزر گیا ہے۔ مجھے لباس کی سرسراہٹ سنائی دی۔ میں نے سر اٹھا کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھا۔ اچانک میرے پاؤں کی زنجیر ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ ٹوٹ کر الگ ہو گئی۔ پھر دوسرے پاؤں کی زنجیر بھی اپنے آپ ٹوٹ کر الگ ہو گئی۔ بھٹکتی روح کو مجھ پر رحم آ گیا تھا۔ اس کے بعد میرے ایک ہاتھ کی زنجیر اور پھر دوسرے ہاتھ کی زنجیر بھی ٹوٹ کر الگ ہو گئی۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی میں زنجیروں سے آزاد ہوا سامنے والی دیوار پر لٹکتے انسانی سروں کے حلق سے تیز سیٹیوں کی آوازیں نکلنا شروع ہو گئیں۔

میں گھبرا کر چبوترے سے اترا اور غار میں دوڑنے لگا تو کسی نے میرا بازو پکڑ کر مجھے روک دیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ موت کی طرف مت جاؤ۔"

یہ بھٹکتی روح کی خشک آواز والی سرگوشی تھی۔ میں وہیں رک گیا۔ بھٹکتی روح کا ہاتھ ٹھنڈا تھا۔ وہ مجھے بازو سے پکڑ کر آہستہ سے کھینچتا ہوا بائیں جانب والی دیوار کے پاس

آیا۔ میرے کان میں سرگوشی ہوئی۔ "آنکھیں بند کرلو۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے پوری طرح سے آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ مجھے تھوڑا تھوڑا دکھائی دے رہا تھا۔ بھٹکتی روح مجھے دیوار کی طرف لے کر بڑھی۔ میں دیوار سے ٹکرانے کے خوف سے ذرا رکا تو بھٹکتی روح نے سرگوشی میں کہا۔ "آنکھیں بند رکھو۔"

میں نے پوری طرح سے آنکھیں بند کرلیں۔ دیوار پر لٹکے ہوئے ڈراؤنے انسانی سروں کی سیٹیوں کی آوازیں اب چیخوں میں بدل گئی تھیں۔ لیکن بھٹکتی روح مجھے دیوار میں سے گزار کر دوسری طرف لے جا چکی تھی۔ فضا ایک دم بدل گئی۔ پہلے فضا گرم تھی۔ اب فضا میں گرمی نہیں رہی تھی۔ فضا میں خنکی آ گئی تھی۔ مجھے بھٹکتی روح کی سرگوشی سنائی دی۔ "آنکھیں کھولو اور دفع ہو جاؤ۔"

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ چاروں طرف دن کی اجلی اور صحت مند روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی اور دھوپ کو دیکھ کر میری طبیعت ایک دم بشاش ہو گئی۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک منحوس آسیبی فضا سے جان چھوٹی۔ میں نے اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ میں یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا کہ میں تاریخ کے کس دور میں آگیا ہوں۔ کیا یہ میرا اپنا زمانہ اور اپنا وطن پاکستان ہے یا کوئی اور ملک یا کوئی اور زمانہ ہے۔ میں ایک سڑک کے کنارے درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ سڑک پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ مجھ پر مایوسی سی طاری ہو گئی۔ سڑک نے مجھے بتا دیا تھا کہ میں ابھی تاریخ کے کسی پرانے زمانے میں ہی ہوں اور یہ میرا اپنا بیسویں صدی عیسوی کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ میرے زمانے میں سڑکیں تارکول سے بنائی جاتی تھیں۔ پتھروں کو جوڑ کر نہیں بنائی جاتی تھیں، تو پھر یہ کون سا زمانہ ہو سکتا ہے۔ سڑک دور تک خالی تھی۔ سڑک کی دونوں جانب نیم کے گھنے درخت سایہ کئے ہوئے تھے۔ کھیت بھی خالی پڑے تھے۔ کوئی آدمی نظر آتا تو میں اس کے لباس سے اندازہ لگاتا کہ یہ کس زمانے کا لباس ہے۔ میں سڑک کے کنارے کنارے چل پڑا۔ ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ پیچھے سے گھوڑے کے

ٹاپوں کی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ دو گھوڑ سوار گھوڑے دوڑائے چلے آ رہے تھے۔ میرے قریب سے گزرنے لگے تو ان میں سے ایک تو آگے نکل گیا۔ ایک نے گھوڑے کو روکا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "کون ہو بے تم؟"

وہ اردو بول رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "مسلمان ہوں۔ یہ کون سا شہر ہے؟"

گھوڑ سوار نے تنگ پاجامہ اور پھولا ہوا کرتا یعنی انگرکھا پہن رکھا تھا۔ سر پر زرد رومال بندھا تھا۔ ایک ہاتھ میں بندوق تھی۔ وہ منہ زور گھوڑے کو موڑ کر میرے قریب لے آیا اور بولا۔ "ابے مسلمان ہو تو تم نے گوروں والی پتلون کیوں پہن رکھی ہے؟"

میرا گرم اوور کوٹ تو غائب ہو چکا تھا مگر پرانی قمیض اور پھٹی ہوئی پتلون باقی رہ گئی تھی۔ میں نے کہا۔ "میں بڑی دور سے آ رہا ہوں بھائی۔ مجھے بتا دو یہ کون سا شہر ہے؟"

گھوڑ سوار کے ماتھے پر تلک لگا ہوا تھا۔ وہ بولا۔ "ابے حرامی! تجھے معلوم ہی نہیں کہ یہ دلی شہر ہے اور انگریز گورے چن چن کر ہندوستانیوں کو قتل کر رہے ہیں۔ ابے جان بچا کر بھاگ جا یہاں سے۔"

اتنا کہہ کر گھوڑ سوار جو پوربیا لگتا تھا گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آگے نکل گیا۔ دلی شہر۔ انگریز گورے چن چن کر ہندوستانیوں کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ جملے میرے دماغ میں ابھی تک گونج رہے تھے۔ اچانک میں چونک سا گیا۔ کہیں یہ غدر کا زمانہ تو نہیں ہے؟ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو میں 1857ء کے زمانے میں تو نہیں پہنچ گیا؟ یہ پوربیا میرٹھ سے دلی آئی ہوئی ہندوستانی فوج کا سپاہی ہی ہو سکتا ہے اور اگر انگریز دلی کے ہندوستانیوں کو چن چن کر قتل کر رہے ہیں تو انگریز دلی پر قبضہ کر چکے ہیں اور جنگ آزادی ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہو چکی ہے اور مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے قید کر لیا ہو گا۔ ہم میں سے کون ہو گا جس نے جنگ آزادی، جس کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا تھا، کی تاریخ نہیں پڑھی۔ مجھے ایک ایک کر کے جنگ آزادی کی تاریخ کے تمام واقعات یاد آنے لگے۔ جب انگریز فوج ہندوستانیوں کی غداری کی وجہ سے دلی میں داخل ہو گئی تھی تو

شہر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو ہمایوں کے مقبرے سے انگریز گرفتار کر کے لے گئے تھے اور کمسن مغل شہزادوں کے سر کاٹ کر انگریزوں نے دلی کے خونی دروازے میں لٹکا دیئے اور بد قسمت بادشاہ کو لے جا کر مغل شہزادوں کے لٹکے ہوئے سر دکھائے تھے۔ انگریزوں اور اس کے اتحادی سکھوں کی فوج نے شہر میں لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ صرف مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا تھا اور مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ کر آگ لگائی جا رہی تھی۔ کیونکہ جنگ آزادی میں مسلمانوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ ہندوؤں کی اکثریت نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ مسلمان علمائے دین نے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور انہیں کفر کے خلاف حق کی آواز بلند کرنے کی پاداش میں توپوں کے آگے باندھ کر اڑا دیا گیا تھا اور بعض علمائے دین کو کالے پانی میں عمر قید کی سزا دی گئی تھی۔ یہ علمائے دین اسلام کے سچے جانباز تھے۔ ان میں مولوی فضل حق خیر آبادی اور مولانا محمد جعفر تھانیسری بھی تھے جنہیں کالے پانی کی سزا ہوئی تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اور پنجاب کے اس زمانے کے حکمران رنجیت سنگھ نے تو سکھوں کی فوج بھی انگریزوں کی مدد کے لیے بھیجی تھی۔

مجھے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ میں کون سے زمانے میں آ گیا ہوں مگر اب مجھے اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ پوربیا گھوڑ سوار مجھے خبردار کر کے میری نظروں سے اوجھل ہی ہوا تھا کہ پیچھے سے انگریزی فوج کا ایک گھوڑ سوار دستہ میرے سر پر پہنچ گیا۔ رسالے کے انگریزی کمانڈر نے مجھ سے پوچھا۔

"تم کون؟"

میں نے کہا۔ "صاب پردیسی ہوں۔"

انگریز بولا۔ "تم نے انگریزوں والا لباس پہنا ہے۔ تم نے انگریز کو قتل کر کے یہ پتلون اتارا ہو گا۔"

میں نے کہا۔ "نہیں صاب میں! نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

اس نے حکم دیا۔ "اس ہندوستانی کو گرفتار کر لو۔"

میں وضاحتیں کرتا ہی رہ گیا اور انگریزی رسالے کے ساتھ جو سکھ سپاہی تھے انہوں نے مجھے پکڑ کر میرے ہاتھ رسی سے باندھے اور گھوڑے پر ڈال لیا۔ رسالہ آگے چل پڑا۔

میں نے سکھ گھوڑ سوار کو پنجابی میں کہا کہ میں نے کسی انگریزی کو قتل نہیں کیا۔ میں پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ سکھ سپاہی نے مجھے غضب ناک سرخ آنکھوں سے گھور کر دیکھا اور پنجابی میں کہا کہ تم ہندو ہو کہ مسلمان؟ میں نے کہا۔ میں مسلمان ہوں اس پر سکھ سپاہی نے مجھے گالی دی اور کہا۔

"تمہیں تو ہم نہیں چھوڑیں گے۔ مسلمانوں نے بڑے انگریز مارے ہیں۔"

یہ رسالہ دلی کے لال قلعے کی طرف جا رہا تھا جس پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ راستے میں' میں نے مسلمانوں کی دکانوں اور مکانوں کو لٹتے ہوئے دیکھا۔ شہر مسلمانوں سے خالی ہو چکا تھا۔ مسلمان جانیں بچا کر بال بچوں کو سینے سے لگائے بھرے پرے گھر چھوڑ کر شہر سے نکل چکے تھے اور قافلوں کی شکل میں جدھر منہ اٹھا چل پڑے تھے۔ دلی شہر کے مکانوں سے کہیں کہیں دھواں اٹھ کر آسمان پر جمع ہو رہا تھا۔ مجھے لال قلعے کے ایک تہہ خانے میں قید کر دیا گیا۔ وہاں اور بھی مسلمان قید تھے اور اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے اپنی موت بھی سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ ایک تو میں نے جنگ آزادی میں پڑھ رکھا تھا کہ انگریز جس کو گرفتار کرتا تھا اسے فوراً یا تو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا تھا یا توپ کے آگے باندھ کر اڑا دیا جاتا تھا۔ کوئی مقدمہ وغیرہ نہیں چلتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ میرے پاس اپنی جان بچانے کے لیے طلسمی مہرہ بھی نہیں تھا۔ میری موت بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ یقینی تھی۔

قلعے کے تہہ خانے میں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ دن کتنا گزر چکا ہے۔ قیدیوں کو کھانے پینے کو بھی کچھ نہ دیا گیا۔ میرا خیال ہے مجھے تہہ خانے میں آئے بمشکل ایک گھنٹہ گزرا ہو گا کہ انگریز سپاہیوں کا ایک مسلح دستہ تہہ خانے میں آیا اور تمام قیدیوں کو بھیڑ

بکریوں کی طرح ہانک کر قلعے کے باہر لایا گیا' جہاں ایک چھکڑا تیار کھڑا تھا۔ چھکڑے کے آگے دو گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ بدنصیب مگر محب وطن قیدیوں کو جن کے ہاتھ پاؤں رسیوں میں بندھے ہوئے تھے' قطار کی شکل میں باہر لایا گیا اور چھکڑے میں سوار کرا دیا گیا۔ ان میں' میں بھی تھا۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ موت کے خوف سے میرے بدن پر ہلکا ہلکا لرزہ طاری تھا۔ اگر اس وقت مجھے کوئی آئینہ دکھاتا تو میری آنکھوں میں زرد حلقے پڑے ہوتے اور رنگ زرد ہوتا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر تھی۔ میں ایک بے مقصد موت مارا جا رہا تھا۔ میں نے کوئی قصور بھی نہیں کیا تھا۔ دوسرے قیدیوں کو کم از کم اتنی تسلی تو ضرور تھی کہ وہ وطن کی آزادی کی خاطر جان دے رہے ہیں اور جنگ آزادی کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا اور آنے والی نسلیں ان کا نام عزت و احترام سے لیں گی۔ ان کی یادگاریں بنائی جائیں گی مگر میں تو کسی گنتی میں ہی نہیں تھا۔ مجھے تو محض ایک اتفاق یا میری بدقسمتی وہاں لے آئی تھی۔

چھکڑے آج سے تقریباً ڈیڑھ دو سو سال کے پہلے کے دلی شہر کے بازاروں میں گزر رہے تھے۔ بازار سنسان پڑے تھے۔ صرف گورے' گورکھے اور سکھ ریاستوں کے فوجی سنگینوں والی لمبی لمبی بندوقیں کاندھوں سے لگائے پھر رہے تھے۔ گلیوں بازاروں میں دکانوں اور گھروں کا وہ سامان بکھرا پڑا تھا جنہیں لوٹنے والے بیکار سمجھ کر وہاں پھینک گئے تھے۔ میں نے بیسویں صدی یعنی سن 46-1945ء کی دلی بھی دیکھی تھی۔ وہ ماڈرن زمانے کی دلی تھی۔ یہ دلی اس سے بالکل مختلف تھی۔ کہیں کوئی بجلی کا کھمبا نہیں تھا۔ کہیں کوئی ٹیلی فون کے تاروں والا کھمبا نہیں تھا۔ کسی گھر کے اوپر ٹیلی ویژن کا انٹینا نظر نہیں آ رہا تھا۔ شہر صرف چاردیواری کے اندر آباد تھا۔ چار چار چھ چھ منزلہ پرانے اور ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے لکڑی کے جھکے ہوئے چھجوں والے مکان تھے۔ سڑک پر کہیں کوئی بس' رکشہ یا موٹر کار یا سائیکل یا موٹر سائیکل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شہری ہندو سکھ جو کہیں نظر آجاتے تھے تو ان کے لباس تنگ موری دار پاجامہ اور پھولا ہوا کرتا یا دھوتی کرتہ تھا اور سروں پر ہندوانہ ٹوپی تھی۔ ایک بازار کے چوک میں دو انگریز فوجی افسر

گھوڑوں پر سوار ایک طرف کھڑے تھے۔ ان کے قریب ہی دکانوں کے لوٹے ہوئے سامان کا ڈھیر لگا تھا۔

موت کے قیدیوں کا چھکڑا ایک میدان میں لایا گیا۔

یہاں ساتھ ساتھ ڈیڑھ دو سو سولیاں گڑھی تھیں۔ ان کے ساتھ پھندوں والے رسے لٹک رہے تھے۔ ہر سولی کے نیچے اونچا سٹول رکھا ہوا تھا۔ اس سٹول پر موت کے قیدی کو کھڑا کر کے اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا کس دیا جاتا اور پھر نیچے سے سٹول کھینچ لیا جاتا تھا۔ بدنصیب قیدی کو اس کے اپنے جسم کا زبردست جھٹکا لگتا تھا اور اس کی گردن کا منکہ ٹوٹ جاتا تھا اور اس کی لاش تڑپنے لگتی تھی۔ پھر خدا جانے کب تک اس کی لاش کو وہیں لٹکتے رہنے دیا جاتا تھا تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ ہر قیدی کو ایک ایک سولی کے نیچے رکھے ہوئے سٹول کے پاس جا کھڑا کر دیا۔ انگریز اور سکھ فوجی بندوقیں لے کر ارد گرد کھڑے ہو گئے۔

مجھے بھی ایک سولی کے نیچے سٹول کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ میں اپنی بہادری کی خواہ مخواہ تعریف نہیں کروں گا۔ سچ پوچھیں تو مجھ پر اس قدر موت کا شدید خوف طاری تھا کہ مجھے خدا بھی یاد نہیں رہا تھا۔ جسم سرد ہو چکا تھا۔ ہاتھ پاؤں پر رعشہ سا طاری تھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا تو ایسے محسوس ہوتا جیسے میں کانٹوں پر زبان پھیر رہا ہوں۔ سب قیدیوں کے ساتھ ایک ایک سکھ اور گورکھے فوجی نے مجھے بھی سٹول پر کھڑا کر کے میری گردن میں رسی کا پھندا ڈال کر اسے اچھی طرح سے کس دیا۔ رسی کو ایک گز ڈھیلا چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ جب میرے پاؤں کے نیچے سے دس فٹ اونچا سٹول گرا دیا جائے تو میرا پورا جسم نیچے گرے اور مجھے زبردست جھٹکا لگے اور میری گردن ٹوٹ جائے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب مجھے موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ میری گردن میں ایک گورکھے سپاہی نے پھندا ڈالا تھا۔ گورکھے نیپال کے رہنے والے تھے اور انگریز اپنی فوج میں انہیں ضرور بھرتی کیا کرتا تھا۔ آج بھی برطانیہ کی فوج میں ایک رجمنٹ گورکھوں کی ضرور ہوتی ہے جو اس پرانی روایت کو زندہ رکھنے کے لیے ہے۔ میری گردن میں پھندا ڈالتے ہوئے

گورکھے نے میرے کان میں کہا تھا۔

"تم وطن کی آزادی کے لیے جان دیتا ہے۔ بہادری سے مرنا۔"

مگر مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ مجھے صرف اس کی آواز کی گونج ہی سنائی دی۔ گورکھا نیچے اتر کر سٹول کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ہر موت کے قیدی کے سٹول کے پاس ایک ایک سپاہی کھڑا تھا۔ سامنے دس قدموں کی فاصلے پر ایک پلٹن بندوقیں اٹھائے اٹن شن کھڑی تھی۔ پلٹن کے آگے ایک انگریز فوجی افسر ہاتھ میں سفید رومال لئے کھڑا تھا۔ اس نے رومال ہلانا تھا اور سپاہیوں نے سولیوں کے نیچے قیدیوں کے پاؤں کے نیچے سے سٹول کھینچ دینے تھے اور بدقسمت قیدیوں نے پھانسی پر جھول جانا تھا۔

میں نے خوف کے مارے آنکھیں بند کرلی تھیں یا میری آنکھیں اپنے آپ بند ہو گئی تھیں۔ شاید اس لئے کہ میں اپنی لاش کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی تڑپتے اور جھولتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ فوج کا بینڈ بجنا شروع ہو گیا۔ عین اس وقت میرے کان میں کسی نے سرگوشی میں کہا۔ "تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اپنا منہ کھولو۔"

اچانک جیسے کسی نے میرے جسم میں طاقت کا انجکشن لگا دیا ہو۔ یہ بھٹکتی ہوئی روح کی سرگوشی تھی۔ میرا منہ اپنے آپ کھل گیا۔ بھٹکتی روح نے دوبارہ سرگوشی کی۔

"اپنا منہ بند کرلو۔"

میں نے منہ بند کر لیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرے منہ میں کسی نے طلسمی مہرہ رکھ دیا ہے۔ دوسرے لمحے میں غائب تھا۔ مجھے نہیں پتہ میری گردن میں سے پھندا کیسے نکل گیا یا میری گردن پھندے میں سے کیسے باہر نکل آئی۔ میرے پیچھے بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسیاں کیسے کھل گئیں یا ان رسیوں کے پھندوں میں سے میری دونوں کلائیاں کیسے باہر نکل آئیں۔ بہرحال میں نے دیکھا کہ میں اپنی سولی سے تین چار قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوں اور جس گورکھے سپاہی نے میری گردن میں پھندا ڈالا تھا اور جو سٹول کے پاس کھڑا انگریز افسر کے رومال ہلانے کا انتظار کر رہا تھا' اب وہ حیران پریشان کبھی پھانسی کے خالی پھندے کو دیکھتا تھا اور کبھی ادرگرد دیکھتا تھا۔ اس نے شور مچا دیا۔

"قیدی غائب ہو گیا۔ سر! قیدی غائب ہو گیا۔"

انگریز فوجی افسر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سولی کے پاس آیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہلے سولی کے خالی پھندے کو اور پھر ادرگرد دیکھنے لگا۔ اس نے چیخ کر کہا۔ "قیدی فرار ہو گیا' اس کو تلاش کرو۔"

دس بارہ گورکھے اور سکھ فوجی ایک دم بندوقیں تانے ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوئے مگر وہ مجھے کہاں تلاش کر سکتے تھے۔ میں تو ان کے پاس ہی کھڑا تھا۔ مگر غائب تھا اور وہ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ میں اگر غائب نہ ہوتا اور ظاہری حالت میں ہوتا تو اس وقت میری لاش سولی کے رسے سے لٹکی تڑپ رہی ہوتی۔ یہ سوچ کر میرے غیبی جسم میں بھی ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ میں وہاں سے چل پڑا۔ خداوند کریم نے عین وقت پر مجھے بچا لیا تھا۔ سچ ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس وقت سے آگے یا پیچھے موت کبھی نہیں آتی۔ میں چلتا ہوا میدان کے دوسرے کنارے کی طرف نکل گیا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "اے نیک روح! میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

بھٹکتی روح کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں سمجھ گیا کہ روح اپنا کام پورا کر کے رخصت ہو چکی ہے۔ طلسمی مہرہ میرے منہ میں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا محافظ تعویذ بھی میرے بازو کے ساتھ ہی بندھا ہوا تھا۔ طلسمی مہرے کے ساتھ تعویذ بھی واپس آ گیا تھا۔ مجھے بڑا اطمینان نصیب ہوا اور میں دل میں بار بار خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ اس بات کی بھی مجھے خوشی تھی کہ میں اپنی بیسویں صدی عیسوی کے زمانے کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ میرے اور میرے زمانے کے درمیان صرف ڈیڑھ پونے دو سو سال کا عرصہ حائل تھا۔ اللہ نے چاہا تو یہ بھی خیر خیریت سے طے ہو جانے والا تھا۔●

میری ایک جانب دلی شہر کی فصیل تھی۔ فصیل شہر کے باہر انگریزی فوج کے گھوڑ سوار دستے گشت لگا رہے تھے لیکن اب مجھے ان کی کوئی پروا نہیں تھی' وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ میں آزادی سے جہاں چاہوں جا سکتا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ جنگ آزادی

میں جب انگریزوں نے دلی پر قبضہ کر لیا تھا تو بادشاہ کو ہمایوں کے مقبرے سے انگریز گرفتار کر کے لے گئے تھے اور اس کے بعد انگریز جرنیل سانڈرس نے مغل شہزادوں کے سر کاٹ کر دلی کے خونی دروازے پر لٹکا دیئے تھے اور پھر طشت میں ڈال کر بادشاہ کو پیش کئے تھے۔ میں یہ معلوم کرنے کے لیے فصیل شہر کی طرف بڑھا کہ کہیں انگریزوں نے مغل شہزادوں کے سر کاٹ کر لٹکا تو نہیں دیئے؟

شہر کے جس دروازے کی طرف میں بڑھا معلوم نہیں اس کا نام کیا تھا مگر وہاں سکھ اور انگریز فوج بہت موجود تھی۔ میں تیز تیز چلتا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک چھکڑے پر مغل شہزادوں کو گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے' یہ کل تیں تیموری شہزادے تھے۔ جیسا کہ تاریخ میں لکھا ہے ان میں بادشاہ کے بیٹے' پوتے' نواسے اور داماد تھے۔ ان تمام کے تمام شہزادوں کو فصیل شہر کے دروازے کے نیچے کھڑا کر دیا گیا۔ ایک انگریز فوجی افسر جو سانڈرس ہی ہو سکتا تھا' تلوار نیام سے نکال کر ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک میرے اندر ایک ابال سا اٹھا اور میں ہوا میں تیرتا ہوا انگریز فوجی افسر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ میرا ارادہ سانڈرس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دینے کا تھا۔ میں یہ کام بڑی آسانی سے کر سکتا تھا کیونکہ انگریز فوجی افسر کو میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے سانڈرس کے ہاتھ سے تلوار چھیننے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا میرے غیبی ہاتھ کو کسی نے ایک جھٹکے سے پیچھے کر دیا۔ ساتھ ہی بھٹکتی روح کی غصے بھری آواز سنائی دی۔

"یہ کیا حماقت کرنے لگے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں مغل شہزادوں کو بچانا چاہتا ہوں اور اس انگریز فوجی کی گردن اڑانا چاہتا ہوں۔"

بھٹکتی روح نے پہلے سے زیادہ غصیلی آواز میں کہا۔ "تم کون ہوتے ہو قدرت کے نظام میں دخل دینے والے؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ تمہارے ایسا کرنے سے زمین پر قدرت کے عوامل کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا؟ واقعات و حادثات کی تمام کڑیاں

ایک دوسری سے الگ الگ ہو کر بکھر جائیں گی؟ خبردار! تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یہ سب کچھ تاریخ میں ہو چکا ہے۔ اس کو اسی طرح ہونے دو اور پیچھے ہٹ کر خاموش تماشائی بنے رہو۔ تمہارے ایسا کرنے سے آنے والے واقعات کی اور گزرے ہوئے واقعات کی تاریخ الٹ پلٹ ہو جائے گی۔ یہ تیموری شہزادے جنہیں تم زندہ حالت میں دیکھ رہے ہو یہ قتل ہو چکے ہیں۔ تم کوئی نئی چیز نہیں دیکھ رہے۔ تم وہی دیکھ رہے ہو جو پہلے وقوع پذیر ہو چکا ہے۔"

مجھے کسی نے سامنے سے بڑے زور سے دھکا دیا اور میں ہوا میں تیرتا ہوا بہت پیچھے چلا گیا۔ تب مجھے خیال آیا کہ بھٹکتی روح کی دلیل بڑی وزنی تھی۔ واقعی یہ تو سب کچھ جو میں دیکھ رہا ہوں تاریخ کے گزرے ہوئے واقعات ہیں۔ میں اگر چاہوں بھی تو انہیں وقوع پذیر ہونے سے نہیں روک سکتا۔ جو ہو چکا ہے وہ تو ہو چکا ہے۔ میں تو صرف ان واقعات کا عکس دیکھ رہا ہوں۔ ان واقعات کی چلتی ہوئی فلم دیکھ رہا ہوں۔

میں نے شہر کے دروازے کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ اس دوران انگریز فوجی افسر سانڈرس تیموری شہزادوں کی گردنیں اڑا چکا تھا اور کچھ کٹے ہوئے سر دروازے میں لٹکائے جا رہے تھے اور باقیوں کو تھال میں رکھ کر بادشاہ کو پیش کرنے کے لیے بھجوایا جا رہا تھا۔ سرد مہری اور سنگدلی کی اس سے زیادہ اور کیا مثال ہو سکتی تھی۔ خود مجھ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اور میں وہاں سے ہٹ گیا اور فصیل شہر کے ساتھ مشرق کی طرف چل پڑا۔ آگے کشمیری دروازہ تھا۔ انگریزوں نے توپوں کی گولہ باری سے اسی دروازے کی دیوار میں شگاف ڈالا تھا اور ان کی فوج شہر میں داخل ہو گئی تھی۔ کشمیری دروازے کی دیوار ابھی تک ٹوٹی ہوئی تھی۔ کشمیری دروازے کے باہر علی پور روڈ جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں قدسیہ گارڈن کے نام سے مشہور ایک تاریخی باغ ہے۔ یہ باغ وہاں موجود تھا۔ یہ باغ میں نے 1946ء میں دیکھا تھا۔ جنگ آزادی کے زمانے میں اس باغ کی حالت قدرے بہتر تھی اور وہاں انگریزوں کی فوج نے اپنا کیمپ لگا رکھا تھا۔ اس باغ کے چار قطعے تھے۔ تین بارہ دریاں تھیں اور ایک بارہ دری کے چھتے ہوئے دروازے کے اوپر شاہ نشین ہوا کرتی

تھی۔ میں باغ میں چلا گیا۔ انگریزی فوج کے سکھ انگریز اور گورکھے سپاہی وہاں پہرہ دے رہے تھے۔ اسی جگہ انگریزی فوج نے کشمیری دروازے کی دیوار توڑی تھی۔ مجھے چونکہ کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا اس لئے میں بے فکر ہو کر چلتا ہوا باغ کے سب سے پچھلے قطعے کی چھتی ہوئی بارہ دری کی ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہاں سے میں آگے اپنے زمانے میں کس طرح پہنچ سکتا ہوں۔

اس کا کوئی سبب قدرت کی جانب سے ہی بننا تھا۔ میرے بس کا یہ کام نہیں تھا۔ چونکہ اس زمانے میں کوئی موٹر کار' ٹرک اور رکشہ وغیرہ نہیں ہوتے تھے اس لئے باغ میں دن کے وقت بھی بڑی خاموشی تھی۔ اچانک مجھے کسی کے گہرے سانس لینے کی آواز آنے لگی۔ میں سمجھ گیا کہ بھٹکتی ہوئی روح ابھی تک میرے ساتھ ہے۔ میں نے سوچا کہ اس سے صلاح لینی چاہئے۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی ترکیب بتا دے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "نیک روح! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

بھٹکتی روح کی آواز آئی۔ "ہاں میں سن رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے دوبارہ تمہارے پاس آگیا ہوں کہ اس کے بعد میں کبھی تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔"

میں نے کہا۔ "تم نے مجھ پر بڑی مہربانیاں کی ہیں۔ ایک مہربانی اور کر دو اور مجھے میرے زمانے یعنی بیسویں صدی عیسوی کے پاکستان میں پہنچا دو۔"

بھٹکتی روح نے کہا۔ "یہ کام میرے اختیار سے باہر ہے لیکن میں تمہیں ایک مشورہ دے سکتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "تمہارا مشورہ بھی میری بڑی مدد کرے گا' یہ میں جانتا ہوں۔"

بھٹکتی روح نے کہا۔ "تم جہاں بیٹھے ہو اس کے اوپر ایک پرانی شہ نشین ہے جو سو سال سے بند پڑی ہے۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ویران شہ نشین ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ اس شہ نشین میں ایک میری طرح کی بھٹکتی ہوئی روح رہتی ہے۔ یہ روح ایک مغلیہ کنیز کی ہے جس کو بادشاہ کے حکم سے اسی شہ نشین میں اس وقت قتل کر دیا گیا تھا

جب وہ شہزادے یعنی ولی عہد بیٹے کے پاس بیٹھی راز و نیاز کی باتیں کر رہی تھی۔ اگر وہ کنیز کی روح تم پر مہربان ہو گئی تو وہ تمہیں بتا سکے گی کہ تم اگلے زمانے میں کیسے پہنچ سکتے ہو۔"

میں نے پوچھا۔ "مگر مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ شہ نشین میں کنیز کی روح موجود ہے؟"

بھٹکتی روح نے کہا۔ "کنیز کی روح اس عالم فانی میں میری طرح بھٹکتی پھرتی ہے۔ وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہی ہے۔ دن کے وقت وہ شہ نشین میں نہیں ہوتی اور زمین کے گرد دور دراز ملکوں کے چکر لگاتی رہتی ہے۔ صرف آدھی رات کے بعد اس شہ نشین میں آتی ہے۔ اس کی آمد کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ آتی ہے تو شہ نشین میں حنا کے عطر کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔ تمہیں اس وقت شہ نشین میں ہی ہونا چاہئے۔ کنیز کی روح تمہیں خوف زدہ کر کے وہاں سے نکالنے کی کوشش کرے گی اگر تم خوف زدہ نہ ہوئے اور اپنے ہوش و حواس کو اپنے قابو میں رکھا تو روح تم سے بات کرے گی۔ جب وہ تم سے بات کرے تو اسے اپنی کہانی بیان کر دینا۔ مجھے یقین ہے وہ تمہاری ضرور مدد کرے گی۔"

میں نے بھٹکتی روح کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں آج رات شہ نشین میں ہی رہوں گا اور کنیز کی روح سے ضرور ملاقات کروں گا۔ بھٹکتی روح بولی۔ "اور یاد رکھو۔ شہ نشین میں طلسمی مہرہ منہ سے نکال کر بیٹھنا۔ اگر غائب حالت میں بیٹھو گے تو کنیز کی روح تمہیں کوئی جادوگر سمجھ کر واپس چلی جائے گی اور پھر ایک مدت تک وہاں نہیں آئے گی۔"

میں نے کہا۔ "تم جس طرح کہہ رہے ہو میں اسی طرح کروں گا۔"

بھٹکتی روح نے گہرا سانس لیا اور کہا۔ "میں جا رہا ہوں اور اس کے بعد میری تیری ملاقات نہیں ہو گی۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "ابھی نہ جاؤ دوست! شاید مجھے تمہاری ضرورت پڑ

جائے۔"

اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے دو تین بار بھٹکتی روح کو آواز دی مگر وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو چکی تھی۔ میں نے سوچا کہ ابھی دن کا وقت ہے۔ اوپر چل کر شہ نشین کا جائزہ لینا چاہئے۔ چھتی ہوئی ڈیوڑھی میں سے ایک تنگ زینہ اوپر کو جاتا تھا۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا تو ایک ویران ویران سا کمرہ تھا جس کے فرش پر گرد جمی ہوئی تھی۔ دیواروں کا پلستر اکھڑا ہوا تھا۔ چھت کے قریب ایک مغلیہ طرز کا لمبا سا روشن دان تھا جس میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ یہ کھنڈر نما شہ نشین بالکل خالی پڑی تھی۔ میں اتر کر نیچے آگیا۔ مجھے رات کے وقت اس شہ نشین میں آنا تھا۔ ابھی دن کا دوسرا پہر گزر رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اتنی دیر میں قدسیہ باغ میں کہاں بیٹھا رہوں گا' ذرا دلی شہر کی سیر کرنی چاہئے۔ اگرچہ دلی میں قیامت برپا تھی اور شہر دلی تمام مسلمانوں سے خالی ہو چکا تھا اور قلعے کے باہر آزادی پرست مسلمانوں کو پھانسیاں دی جا رہی تھیں لیکن میں خاموش تماشائی بنے رہنے کے سوائے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ کسی واقعے کسی معاملے' کسی معاملے میں داخل نہیں دے سکتا تھا۔ کسی مسلمان کو سولی چڑھنے سے یا توپ دم ہونے سے نہیں بچا سکتا تھا۔ یہ میری مجبوری تھی۔

میں قدسیہ گارڈن سے نکل کر علی پور روڈ پر آگیا۔ ابھی اس سڑک کا نام علی پور روڈ نہیں رکھا گیا تھا۔ یہ نام بعد کے زمانے میں رکھا گیا تھا۔ ابھی سڑک کا کوئی نام نہیں تھا۔ مگر میں اس سڑک کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اگلے زمانے میں چل کر اسی سڑک پر آل انڈیا ریڈیو کے سٹوڈیوز اور دفاتر اور انگریزوں کا سیکرٹریٹ قائم ہونا تھا۔ ابھی یہ سڑک کچی تھی اور دور تک ویران پڑی تھی۔ عجب ذہنی تجربہ تھا جس میں سے میں گزر رہا تھا۔

میں علی پور روڈ پر جانے کی بجائے کشمیری دروازے میں سے شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ جگہ جگہ گھوڑ سوار گورے اور سکھ فوجی گشت لگا رہے تھے۔ اگر دس مکان تھے اور ان میں سے پانچ ملبے کا ڈھیر بنے ہوئے تھے۔ سڑک پر چیتھڑے اور ٹوٹا پھوٹا سامان بکھرا پڑا تھا۔ ایک گورا پلٹن دیکھی جو چھکڑے پر قیدیوں کو جکڑے موت کے میدان کی طرف

لئے جا رہی تھی۔ چلتا چلتا میں بادشاہی جامع مسجد کے سامنے آگیا۔ جامع مسجد کے اندر پناہ گزین مسلمانوں کا ایک ہجوم جمع تھا۔ مسجد کی سیڑھیوں پر گورکھے فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ ایک چوک میں مکانوں کے لوٹے ہوئے سامان کے ڈھیر لگے تھے اور انگریز فوجی ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں اسے نیلام کر رہے تھے۔ یہ مسلمانوں کے مکانوں سے لوٹا ہوا سامان تھا۔ میں ایک خاموش اور بے بس تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ بازار چتلی قبر بھی سنسان پڑا تھا۔ اکثر مکان ملبے میں تبدیل ہو چکے تھے۔

یہ عبرت کے مناظر تھے۔

مجھ سے مسلمانوں کی تباہی کے یہ منظر مزید نہ دیکھے گئے اور میں قدسیہ باغ میں واپس آگیا۔ ایک جگہ بہت بڑے بڑے سرو کے چھ سات درخت ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ میں ان کے درمیان بیٹھ گیا اور دن کے غروب ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ آخر سورج ڈھل گیا۔ شام کا اندھیرا چھا گیا۔ قدسیہ گارڈن میں جہاں انگریزوں کا کیمپ تھا' اس طرف لالٹینیں اور مٹی کے تیل کے لیمپ روشن ہو گئے۔ فصیل شہر کی جانب بھی کچھ دھیمی دھیمی روشنیاں ٹمٹمانے لگیں۔ میں سرو کے درختوں کے درمیان ہی بیٹھا رہا۔ جب رات کا پہلا پہر گزر گیا تو چھتی ہوئی بارہ دری کی سیڑھیاں چڑھ کر شہ نشین میں آیا اور جہاں دیوار میں چھت کے قریب لمبا روشندان تھا اس کے نیچے بیٹھ گیا۔ میں نے طلسمی مہرہ منہ سے نکال کر جیب میں رکھ لیا تھا اور اب نظر آنے لگا تھا۔

میرے پاس کوئی گھڑی وغیرہ نہیں تھی۔ اندازے سے ہی حساب لگاتا رہا کہ اب رات کا دوسرا پہر شروع ہو گیا ہے۔ اب رات کا دوسرا پہر ختم ہو گیا ہے اور تیسرا پہر شروع ہونے والا ہے اور رات آدھی گزر گئی ہو گی۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے آدھی رات واقعی گزر گئی اور مجھے حنا کے عطر کی معمولی سی خوشبو آئی اور پھر غائب ہو گئی۔ جیسے خوشبو کی پتلی سی لہر میرے قریب سے ہو کر گزر گئی ہو۔ میں چوکس ہو گیا۔ کنیز کی روح شہ نشین میں آ گئی تھی یا آ رہی تھی۔ گھپ اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا لیکن روحیں اندھیرے میں بھی دیکھ لیتی ہیں۔ ان کے لیے روشنی اور اندھیرا ایک برابر ہوتے ہیں۔

دوسری بار حنا کی خوشبو زیادہ گہری ہو گئی اور مسلسل آنے لگی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ کنیز کی روح شہ نشین میں پہنچ چکی ہے اور ضرور اس نے مجھے دیکھ لیا ہو گا اور اب وہ مجھے ڈرا دھمکا کر وہاں سے بھگانے کی کوشش کرے گی۔

O----------☆----------O

اچانک تیز ہوا کا تھپیڑا میرے چہرے سے ٹکراتا ہوا گزر گیا۔ دوسری بار پھر ہوا کا تھپیڑا زیادہ شدت کے ساتھ میرے جسم سے ٹکرایا اور میں بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سے ہل گیا مگر میں اپنی جگہ پر ثابت قدم ہو کر بیٹھا رہا۔ بھٹکتی روح نے مجھے کہا تھا کہ کنیز کی روح تمہیں ڈرائے گی دھمکائے گی اور اگر تم ثابت قدمی سے بیٹھے رہے تو وہ تم سے بات کرے گی۔

تیسری بار کنیز کی روح نے مجھے بڑے زور سے دھکا دیا اور میں بیٹھے بیٹھے دوسری طرف گر پڑا۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کنیز کی روح نے مجھے تین بار گرایا۔ تینوں بار میں اپنی جگہ پر واپس آ کر بیٹھ گیا۔ چوتھا وار کنیز کی روح نے یہ کیا کہ شہ نشین میں بڑی ڈراؤنی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ یہ چیخیں ایسی تھیں کہ میرا جسم خوف کے مارے کانپنے لگا مگر میں ضبط کر کے بیٹھا رہا۔ چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا اور میرے کانوں کے پردے جیسے پھٹنے لگے مگر میں اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس کے بعد سکون سا ہو گیا ہر طرف خاموشی چھا گئی چند لمحے یہ خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایک عورت کی نازک اور بڑی نرم آواز سنائی دی۔ "یہاں کس لئے آئے ہو؟ کام بتاؤ۔"

یہ کنیز کی روح کی آواز تھی۔ میں نے کہا۔ "میری کہانی بڑی لمبی ہے اگر تم

اجازت دو تو میں بیان کروں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ مجھ پر جو مصیبت آن پڑی ہے' اس میں سے تم ہی مجھے نکال سکتی ہو۔"

کنیز کی روح نے کہا۔ "تمہیں کہانی بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر لو۔ میں خود معلوم کر لوں گی کہ تم کس لئے میرے پاس آئے ہو۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میرا خیال ہے بمشکل ایک منٹ گزرا ہو گا کہ کنیز کی روح نے کہا۔

"اب تمہیں اپنی مصیبت کی داستان بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اگر تمہیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے تو میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ میری مدد کرو اور مجھے واپس میرے زمانے میں پہنچا دو۔"

کنیز کی روح کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی پھر بولی۔

"جو کام تم مجھ سے لینا چاہتے ہو اس پر میرا اختیار نہیں ہے۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "خدا کے لئے مجھے مایوس نہ کرو۔ اس وقت صرف تم ہی میری ایک امید ہو۔ اگر تم نے بھی انکار کر دیا تو خدا جانے مجھے کب تک اسی طرح بھٹکتے رہنا پڑے گا۔"

کنیز کی روح ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ اس بار اس کی خاموشی اتنی طویل ہو گئی کہ میں یہی سمجھا کہ وہ چلی گئی ہے۔ لیکن فضا میں حنا کے عطر کی خوشبو موجود تھی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ روح شہ نشین میں ہی ہے۔ میں نے کہا۔ "عزیز بہن! کیا تم چلی گئی ہو؟"

کنیز کی روح بولی۔ "تم نے مجھے بہن کہا ہے اب میں تمہاری ضرور مدد کروں گی اور مجھ سے جو کچھ ہو سکا کروں گی۔ مجھے ایک گھنٹے کی مہلت دو۔ تم اسی جگہ بیٹھے رہنا میں ایک گھنٹے سے بھی پہلے آ جاؤں گی۔"

اس کے فوراً بعد حنا کے عطر کی خوشبو غائب ہو گئی۔ کنیز کی روح جا چکی تھی میں امید اور ناامیدی کے عالم میں اندھیرے میں بیٹھا رہا۔ کبھی خیال آتا کہ کنیز کی روح مجھے واپس اپنے زمانے میں پہنچا دے گی۔ کبھی خیال آتا کہ وہ واپس آ کر معذوری کا اظہار کر دے گی۔ پھر میں کہاں جاؤں گا؟ مجھے وقت پر کوئی مشورہ دینے والی بھٹکتی روح بھی چھوڑ کر جا چکی ہے۔ اس ذہنی پریشانی کی کیفیت میں ایک گھنٹہ گزر گیا اور اچانک مجھے حنا کی خوشبو آنے لگی۔ پہلے ہلکی خوشبو آئی پھر خوشبو گہری ہو گئی۔ میں نے مضطرب سا ہو کر کہا۔

"عزیز بہن! کیا تم آ گئی ہو؟"

کنیز کی روح بولی۔ "ہاں میں آ گئی ہوں۔"

میں نے مزید صبر کے بغیر پوچھا۔ "کیا میری نجات کا کوئی ذریعہ بن گیا ہے۔"

کنیز کی روح نے کہا۔ "میں نے ایک ذریعہ ضرور تلاش کر لیا ہے۔ لیکن کامیابی یا ناکامیابی اب تمہاری قسمت پر منحصر ہے۔"

میں نے کہا۔ "تم مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہو گا۔ آگے میری قسمت۔"

کنیز کی روح نے کہا۔ "تمہاری مصیبتوں میں ایک خطرناک جادوگر کا بڑا گہرا ہاتھ ہے۔ اس جادوگر کا تعلق فرعون کے زمانے سے ہے۔ وہ تمہارا دشمن ہے اور تمہیں ہلاک کرنے کی کئی بار کوشش کر چکا ہے لیکن تمہارے بازو پر بندھے ہوئے تعویذ نے تمہیں ہر بار جادوگر کے حملے سے بچایا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ اس وقت بھی تمہاری تاک میں ہے۔ اگر تم ذرا غافل ہوئے تو وہ تم پر وار کرنے سے باز نہ آئے گا۔"

میں نے کہا۔ "یہ فرعون کاہن قابوس جادوگر ہے۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں اور ہرگز غفلت سے کام نہیں لوں گا۔"

کنیز کی روح نے کہا۔

"تو پھر سنو! یہاں سے جنوب کی طرف ایک چھوٹا ٹیلہ ہے۔ اس ٹیلے پر ملکہ نور جہاں کی بہن نورالنساء کے پرانے محل کا کھنڈر ـــــ کل اماوس کی رات ہے تم اس محل کی چھت پر جا کر بیٹھ جانا۔ جب رات گزر جائے گی تو وہاں ملکہ نورالنساء کی سواری

اترے گی۔ پریاں چھت پر ایک زرنگار تخت بچھا دیں گی۔ ملکہ اس تخت پر آ کر بیٹھ جائے تو تم اسے سلام کرنا اور کہنا کہ تمہیں مغل شہزادے کی چہیتی کنیز کی روح نے بھیجا ہے۔ جب تم بولو گے تو ملکہ نورالنساء کو تمہاری موجودگی کا احساس ہو جائے گا اور وہ تمہیں دیکھ لے گی۔ وہ تم سے پوچھے گی کہ تم کیا چاہتے ہو۔ تب تم اس کے آگے اپنی عرض بیان کرنا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں تمہارے بیسویں صدی عیسوی والے زمانے میں پہنچا دے گی۔ لیکن تمہارا بولنا بہت ضروری ہے۔ اگر تم نہیں بولو گے تو ملکہ نور کو تمہاری موجودگی کا بالکل علم نہیں ہو گا۔ اب تم جاسکتے ہو۔ اور یہاں رب تمہارا کوئی کام نہیں ہے۔"

اس کے ساتھ ہی حنا کے عطر کی خوشبو غائب ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ کنیز کی روح چلی گئی ہے۔ میں شہ نشین سے اتر کر قدسیہ باغ کے قطعے میں آ کر سرو کے درختوں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ چند قدموں کے فاصلے پر انگریزی فوج کا کیمپ ہے۔ رات کو سپاہی ضرور گشت کرتے ہوں گے۔ اگر کسی نے مجھے یہاں بیٹھے دیکھ لیا تو مشتبہ سمجھ کر پکڑ لے جائیں گے اور خوامخواہ کسی اور مشکل میں پھنس جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے جیب سے طلسمی مہرہ نکال کر منہ میں رکھا اور غائب ہو گیا۔

باقی کی ساری رات میں نے وہیں باغ میں گزار دی۔

جب صبح ہوئی تو اٹھ کر باغ سے باہر آ گیا اور شہر کے گرد و نواح میں سارا دن گھومتا پھرتا رہا۔ اس دوران میں نے باغ کے جنوب میں جا کر ٹیلے کے اوپر واقع ملکہ نورالنساء کے محل کا کھنڈر دیکھ لیا تھا۔ جب رات کا اندھیرا چھانے لگا تو میں محل کے کھنڈر کی چھت پر آ کر بیٹھ گیا۔ یہ اماوس کی رات تھی یعنی ایسی رات کہ جب چاند آسمان پر نہیں ہوتا اور رات بڑی اندھیری ہوتی ہے۔ واقعی رات بڑی تاریک تھی۔ آسمان پر تارے بھی بجھے بجھے سے لگتے تھے۔ محل کی چھت پر بھی اندھیرا تھا۔ ایک بار پھر انتظار کی گھڑیاں شروع ہو گئیں۔ کنیز کی روح نے تاکید کی تھی کہ محل کی چھت پر غیبی کی حالت میں نہ بیٹھنا۔ چنانچہ بیٹھنے سے پہلے میں نے طلسمی مہرہ منہ سے نکال کر جیب میں رکھ لیا تھا۔

کافی دیر تک بت بنا بیٹھا ملکہ نورالنساء کی سواری کا انتظار کرتا رہا۔ آخر مجھے دور سے ایسی آواز سنائی دی جیسے چھوٹے چھوٹے گھنگھرو چھنک رہے ہوں۔ میں ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔

ملکہ نورالنساء کی سواری آ رہی تھی۔

گھنگھروؤں کی جھنکار قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر اچانک اندھیرے آسمان پر ہلکی سی روشنی پھیل گئی۔ اس روشنی میں میں نے دیکھا کہ چار پریاں ایک تخت اٹھائے پرواز کرتی آ رہی ہیں۔ محل کے اوپر آ کر پریوں نے تخت چھت پر اتار دیا۔ تخت پر مخمل کا دو شالہ بچھا ہوا تھا۔ سرخ ریشمی تکیے لگے تھے مگر تخت خالی تھا۔ تخت چھت پر رکھنے کے بعد پریاں بڑے ادب کے ساتھ ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ اتنے میں پائیلوں کی جھنکار سنائی دی اور میں نے دیکھا کہ چھت کے زینے والے دروازے میں روشنی ہوئی اور ایک ملکہ عالیشان زر بفت کے لباس میں ' سر پر ہیرے موتیوں سے جڑا تاج پہنے نمودار ہوئی اور بڑے وقار سے قدم اٹھاتی تخت کی طرف بڑھی۔ یہ ملکہ نورالنساء ہی ہو سکتی تھی۔ چاروں پریوں نے جھک کر آداب کیا اور ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت کے پاس لے گئیں۔ ملکہ بڑے سکون اور اطمینان سے تخت پر بیٹھ گئی۔ کنیز کی روح نے کہا تھا کہ جیسے ہی ملکہ تخت پر بیٹھے تم اسے سلام کرنا اور اپنی غرض بیان کر دینا۔ چنانچہ جب ملکہ نورالنساء جو یقیناً ملکہ نورالنساء کی روح تھی تخت پر بیٹھ گئی تو میں نے اسلام و علیکم کہا۔ لیکن یہ دیکھ کر میرا رنگ اڑ گیا کہ میرے حلق سے آواز بالکل نہیں نکلی تھی۔ میں نے دوسری بار اسلام و علیکم کہا مگر اس بار بھی آواز نہ نکلی' میرے حلق میں الفاظ دب کر رہ گئے۔

میں گھبرا گیا۔ میں نے پوری طاقت کے ساتھ اونچی آواز سے اسلام و علیکم کہنا چاہا مگر اس بار بھی میری آواز نہ نکل سکی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے جادو کے زور سے میری آواز بند کر دی ہے اچانک میرا خیال کاہن جادوگر کی طرف چلا گیا۔ کنیز کی روح نے مجھے خبردار کیا تھا کہ یہ جادوگر تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کرے گا۔ اس نے میری آواز بند کر کے مجھے زبردست نقصان پہنچا دیا تھا۔ کنیز کی روح نے یہ بھی کہا تھا جب تک تم بولو گے نہیں ملکہ نور کی روح کو تمہارے وجود

کا احساس نہیں ہو گا تم اسے نظر نہیں آسکو گے۔ میں نے سوچا کہ میں اٹھ کر ملکہ کے تخت کے پاس جاتا ہوں شاید وہاں جا کر میری آواز واپس آ جائے۔ لیکن میرے دشمن جادوگر قابوس نے طلسم پھونک کر مجھے بیٹھے بیٹھے پتھر کر دیا تھا۔ میں نہ ہاتھ ہلا سکتا تھا' نہ جسم ہلا سکتا تھا۔ میری مدد کرنے والی روح میرے سامنے تخت پر بیٹھی تھی اور میرے بلانے کی منتظر تھی مگر میں اسے بلا نہیں سکتا تھا اور بغیر بلائے وہ میری مدد نہیں کر سکتی تھی۔

جادوگر قابوس نے مجھ پر عین وقت پر بڑا کاری وار کیا تھا۔ میں پتھر کا بت بنا چھت پر بیٹھا حسرت بھری نظروں سے ملکہ نور کو دیکھ رہا تھا۔ پریاں ملکہ نور کے بالوں میں پھول سجا رہی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر پورا زور لگا کر ملکہ کو سلام کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میری آواز بھی جیسے میرے ساتھ ہی پتھر بن چکی تھی۔ مجھے اپنی حالت پر رونا آگیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے پریوں نے ملکہ نور کے بالوں میں پھول سجانے کے بعد اس کا تخت اٹھایا اور آسمان کی طرف پرواز کر گئیں۔ میں حسرت ویاس کے ساتھ ملکہ کے تخت کو رات کی تاریکی میں گم ہوتے دیکھتا رہا۔ جیسے ہی ملکہ نور کی سواری میری نظروں سی اوجھل ہوئی میری آواز بھی واپس آ گئی اور میرا جسم بھی حرکت کرنے لگا۔ میں نے بے اختیار چیخ کر کہا۔ "منحوس جادوگر قابوس! تو جتنے چاہے مجھ پر طلسم آزمالے۔ یاد رکھ تو میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اپنے اللہ کے حکم سے میں تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر دکھا دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں محل کی چھت سے نیچے اتر آیا۔ جادوگر قابوس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ظاہر ہے وہ میرے آس پاس ہی تھا مگر میرے تعویذ کی وجہ سے وہ مجھ پر قاتلانہ حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن وہ مختلف طریقوں سے مجھے نقصان پہنچانے بلکہ ہلاک کروانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں بارہ دری کی شہ نشین میں جا کر کنیز کی روح سے دوبارہ مدد کا طلب گار ہوتا ہوں چنانچہ وہاں سے میں سیدھا قدسیہ باغ میں آگیا اور بارہ دری کی شہ نشین میں آ کر کنیز کی روح کو پکارا۔

"عزیز بہن! قابوس جادوگر مجھ پر وار کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے

مجھے ملکہ نور سے بات نہیں کرنے دی۔ میں تجھ سے مدد کرنے کی التجا کرتا ہوں۔"

حنا کے عطر کی خوشبو وہاں بالکل نہیں تھی۔ میں نے اس خیال سے کنیز کی روح کو پکارا تھا کہ شاید وہ جہاں بھی ہو میری آواز سن لے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ میں پکار پکار کر تھک گیا اور کنیز کی روح میری مدد کو نہ آئی۔ شاید وہ بھی بدنصیبی کی گھڑی میں میرا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ میں شہ نشین سے اتر کر باغ کے اندھیرے کونے میں ایک جگہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ یہی سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ خدا کے سوا میرا کوئی سہارا نہیں تھا۔ میں نے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی کہ اے دونوں جہانوں کے مالک! تو مسبب الاسباب ہے میری مدد فرما۔ رات وہیں بیٹھے بیٹھے گزر گئی۔ جادوگر قابوس اب کھل کر میری سامنے آگیا تھا۔ خداوند کریم نے تعویذ کے وسیلے سے مجھے اب تک جادوگر قابوس سے بچایا ہوا تھا۔ مجھے اب ہر قدم بے حد محتاط ہو کر اٹھانا تھا۔ جادوگر قابوس کسی بھی وقت مجھ پر حملہ کر سکتا تھا۔ وہ خود تو مجھ پر قاتلانہ وار نہیں کر سکتا تھا لیکن ایسے حالات پیدا کر دیتا تھا کہ میں ان حالات کا شکار ہو کر اپنے آپ موت کی آغوش میں چلا جاؤں۔

گورا فوج کا کیمپ مجھ سے تھوڑی دور باغ میں تھا۔ اچانک میرے پیچھے سے کسی نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں رعب دار آواز میں کہا۔

"کون ہو تم؟"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ دو گورے سپاہی بندوقیں تانے مجھے گھور رہے تھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ گورے سپاہی نے دوبارہ پوچھا۔

"تم کون؟ ادھر کیا کرتا ہے؟"

میں نے کہا "میں دوسرے شہر سے آیا ہوں' پردیسی ہوں۔"

گورے نے کہا۔ "ہم کو معلوم ہے کہ تم باغی فوج کا سپاہی ہے۔"

اس نے بندوق کا رخ میری طرف کر کے اپنے ساتھی گورے سے انگریزی میں کہا کہ اس کی تلاشی لو۔ میں ہوشیار ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس نے میری تلاشی لی تو اسے میری جیب سے طلسمی مہرہ ملے گا جس کو یہ لوگ کوئی قیمتی پتھر سمجھ کر اپنے قبضے میں کر لیں

گے اور میرے پاس اپنے بچاؤ کا جو آخری ذریعہ ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔ میں نے کہا۔

"جناب! میرے پاس کچھ نہیں ہے بے شک میری تلاشی لے کر دیکھ لو۔"

اور میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر طلسمی مہرہ نکالا اور اسے فوراً اپنے منہ میں رکھ لیا۔ طلسمی مہرہ منہ میں رکھتے ہی میں غائب ہو گیا۔ اب میں ان دونوں کو دیکھ رہا تھا مگر وہ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مجھے غائب ہوتے دیکھ کر دونوں گورے ڈر گئے۔ ایک نے کہا۔

"او مائی گاڈ! یہ کوئی جادوگر تھا۔"

اور دونوں گورے ادھر ادھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے وہاں سے بھاگ گئے۔

میں نے طلسمی مہرہ منہ سے نہ نکالا اور غیبی حالت میں ہی قدسیہ گارڈن سے نکل گیا۔ منزل ضرور میرے سامنے تھی لیکن اس منزل تک پہنچانے والا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یہ مجھے ڈیڑھ دو سو سال آگے کے زمانے کی طرف جانا تھا۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ اور یہ ایک آدمی کے بس کی بات بھی نہیں تھی' اس کے لئے کسی کا مافوق الفطرت عمل یا طلسم کی ضرورت تھی۔ جو میرے پاس نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے غائب ہی رہنا چاہیے اگرچہ جادوگر قابوس مجھے غیبی حالت میں ہی دیکھ سکتا تھا لیکن مجھے نفسیاتی اعتبار سے ایک تسلی سی رہتی تھی کہ شاید وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ میں نے طلسمی مہرہ اپنے منہ میں ہی رکھا۔ میں نے دلی شہر کی طرف جانے کی بجائے دریا کی طرف رخ کر لیا۔

دلی کے ساتھ دریائے جمنا بہتا ہے۔ میں علی پور روڈ پر سے ہوتا ہوا کافی آگے نکل گیا۔ دریا نظر آنے لگا۔ آج سے ڈیڑھ دو سو برس پہلے کا دریا اپنی قدرتی حالت میں تھا۔ آج تو دریا کے کنارے کئی نئی کالونیاں تعمیر ہو گئی ہیں اور دو بہت بڑے پل بھی ہیں۔ ایک پل پر سے ریل گزرتی ہے' دوسرے پل پر سے بسیں' رکشا اور پیدل لوگ گزرتے ہیں۔ مگر جس زمانے میں میں دریا کے پاس کھڑا تھا اس زمانے میں دریا پر صرف ایک ہی کشتیوں کا بنا ہوا پل تھا۔ دریا کے کنارے کوئی ماڈرن کالونی نہیں تھی۔ کوئی کارخانہ اور فیکٹریاں نہیں تھیں۔ ہوا بالکل صاف تھی۔ پٹرول اور جلے ہوئے ڈیزل کے دھوئیں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ میں دریا کے کنارے درختوں میں آ کر بیٹھ گیا۔ دریا بڑے سکون سے بہہ

رہا تھا۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو اٹھ کر آہستہ آہستہ چل پڑا۔ کچھ دور گیا تو مجھے کسی عورت کی نحیف سی آواز سنائی دی وہ کہہ رہی تھی۔ کوئی اللہ کا نیک بندہ مجھے پانی پلا دے۔ "کوئی اللہ کا نیک بندہ مجھے پانی پلا دے۔ کوئی اللہ کا نیک بندہ مجھے پانی پلا دے۔ بڑی پیاس لگی ہے۔"

ایک طرف درخت کے نیچے چھوٹی سی جھونپڑی تھی۔ آواز اسی جھونپڑی سے آ رہی تھی۔ میں جلدی سے اس جھونپڑی کی طرف گیا۔ جھونپڑی کا کوئی دروازہ نہ تھا۔ اندر ایک بوڑھی عورت چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ چارپائی کے پاس ہی مٹی کا ایک پیالہ پڑا تھا۔ عورت بیمار یا معذور لگتی تھی۔ کمزور آواز میں کہہ رہی تھی۔

"کوئی اللہ کا بندہ پانی پلا دے۔' پیاس لگی ہے۔ کوئی اللہ کا بندہ پانی پلا دے' پیاس لگی ہے۔"

میں نے سوچا اس معذور عورت کو میرا غیبی حالت میں دریا سے پانی لا کر پلانا مناسب نہیں۔ عورت کہیں ڈر نہ جائے۔ میں جلدی سے جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ ایک طرف ہو کر میں نے منہ میں سے طلسمی مہرہ نکال کر جیب میں رکھ لیا۔ میں اب نظر آ رہا تھا۔ میں دوبارہ جھونپڑی میں گیا اور عورت سے کہا۔

"اماں! میں پانی لاتا ہوں دریا سے۔"

میں نے پیالہ اٹھالیا۔ بوڑھی عورت نے سر ذرا اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولی۔ "اللہ تیرا بھلا کرے بیٹا۔ میں معذور ہوں' چارپائی سے اٹھ نہیں سکتی۔ مجھے پانی لا کر پلا دے۔"

میں نے کہا۔ "میں ابھی پانی لے کر آتا ہوں اماں۔ تسلی رکھ۔"

پیالہ لے کر میں دریا پر گیا اور پانی لے کر جھونپڑی میں واپس آ گیا۔ عورت بے چاری بہت بوڑھی 'ضعیف اور معذور تھی۔ میں نے اسے سہارا دے کر بٹھایا' اس نے دونوں ہاتھوں سے پانی سے بھرا ہوا پیالہ پکڑا اور آہستہ آہستہ پانی پینے لگی۔ خدا جانے وہ کب سے پیاسی تھی' سارا پیالہ پانی کا پی گئی۔ خالی دے کر بولی۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹا۔ تم رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔ پیالہ پانی سے بھر کر میری چارپائی کے پاس رکھ دو۔"

میں جلدی سے دریا پر گیا' پانی سے پیالہ بھر کر لے آیا اور اسے بوڑھی عورت کی چارپائی کے پاس رکھ دیا۔ بوڑھی عورت مجھے بار بار دعائیں دے رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"اماں! میرے حق میں دعا کرو کہ مجھے میری منزل مل جائے۔"

بوڑھی عورت نے نحیف آواز میں کہا۔

"بیٹا! میں بھی تیرے حق میں دعا کروں گی۔ لیکن اگر تم جوگی بابا کے پاس جاؤ تو وہ بڑے پہنچے ہوئے جوگی ہیں۔ انہیں کہنا مجھے مائی جی نے بھیجا ہے۔ جوگی بابا تمہاری مدد کریں گے۔"

میں نے سوچا کہ جب کام بن جانے کا وقت آتا ہے تو قدرت کوئی نہ کوئی سبب بنا دیتی ہے۔ شاید اس بوڑھی خاتون کے ذریعے میرا ہی کوئی سبب بن جائے۔ میں نے پوچھا۔

"اماں جی! یہ جوگی بابا کہاں ہوتے ہیں؟"

بوڑھی عورت نے رک رک کر بتایا۔

"بیٹا! میری جھونپڑی کے پیچھے ایک کوس کے فاصلے پر نیم کے درخت کا جھنڈ ہے وہاں ایک جھونپڑی ہے۔ جوگی بابا وہیں رہتے ہیں۔"

میں نے بوڑھی عورت کو سلام کیا تو وہ ایک بار پھر دعائیں دینے لگی۔ میں جھونپڑی سے نکل کر اس کے پیچھے کی طرف چل پڑا۔ امید کی ہلکی سی کرن نظر آئی تھی۔ خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ یا خدا! اس جوگی بابا کے وسیلے سے ہی میرا کوئی سبب بنا دے اور میں اپنی دنیا میں واپس چلا جاؤں۔ ساتھ ہی میرے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ پہلے مجھے غائب ہو کر جوگی بابا کے جھونپڑے میں جا کر جائزہ لینا چاہیے کہ یہ جوگی بابا کس قسم کا آدمی ہے۔ بس یونہی ایک خیال سا ذہن میں آ گیا۔ جب میری تسلی ہو جائے کہ جوگی بابا واقعی قابل اعتبار آدمی ہے تو جھونپڑی کے پیچھے جا کر طلسمی مہرہ منہ سے نکال لوں گا اور ظاہری شکل میں اس کے پاس جاؤں گا۔

میں نے وہیں جیب سے طلسمی مہرہ نکال کر منہ میں رکھ لیا اور غائب ہو گیا۔ غائب ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ میں بڑا ہلکا پھلکا ہو گیا تھا اور چلنے سے تھکان پیدا نہیں ہوتی تھی۔

ایک کوس کا فاصلہ میں نے منٹوں میں طے کر لیا۔ ایک جانب درختوں کے جھنڈ کے نیچے جھونپڑی دکھائی دی۔

میں جھونپڑی کی طرف بڑھا۔ اس جھونپڑی کا بھی دروازہ غائب تھا۔ میں نے دروازے میں کھڑے ہو کر اندر جھانک کر دیکھا ایک سفید بالوں والا بوڑھا جوگی لکڑی کے تختے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور جہاں میں کھڑا تھا اس طرف دیکھ رہا تھا۔ جھونپڑی میں جوگی بابا کے پاس مٹی کا صرف ایک پیالہ ہی پڑا تھا' اس کے سوا وہاں اور کوئی شئے نہیں تھی۔ میں جوگی بابا کو دیکھ کر اندازہ لگا رہا تھا کہ کیا یہ شخص واقعی کوئی پہنچا ہوا جوگی ہے کہ اتنے میں جوگی بابا نے کہا۔

"بیٹا! دروازے میں کیوں کھڑے ہو۔ اندر آ جاؤ۔"

میں ایک دم چونک پڑا۔ کیا یہ شخص مجھے دیکھ رہا ہے؟ مگر میں تو غائب تھا میں نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا کہ شاید پیچھے کوئی اور شخص کھڑا ہے جس سے جوگی بابا مخاطب ہے۔ جوگی بابا کی آواز آئی۔

"بیٹا! میں تم سے مخاطب ہوں۔ پیچھے کیا دیکھ رہے ہو۔ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں' میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ اور بتاؤ کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

مجھے فوراً یقین ہو گیا کہ یہ شخص بڑی کرنی والا ہے اور اس کے پاس طلسم کی طاقت ہے' یہ میری مدد کر سکتا ہے۔ میں جلدی سے اندر داخل ہو کر جوگی بابا کے پاس ادب سے بیٹھ گیا۔ جوگی بابا بالکل سیدھا میری طرف دیکھ رہا تھا کہنے لگا۔ "بیٹا! اپنے منہ سے مہرہ نکال لو۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے فوراً مہرہ منہ سے نکال کر جیب میں رکھ لیا اور ظاہری حالت میں آ گیا۔ میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"جوگی بابا! مجھے مائی جی نے آپ کے پاس بھیجا ہے' میں بڑی مشکل میں ہوں۔ میری مدد فرمائیں۔"

جوگی بابا نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں چپ ہو کر بیٹھا رہا۔ جوگی بابا شاید گیان دھیان میں چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور کہا۔

"بیٹا! میں نے دیکھ لیا ہے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو۔"

میں نے درخواست کی۔

"جوگی بابا! اگر آپ کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے تو میری مدد فرمائیں اور کسی طرح مجھے اس دنیا سے نکال کر واپس میری دنیا میں پہنچادیں۔"

جوگی بابا بولا۔

"بیٹا! یہ کام اتنا آسان نہیں ہے لیکن تمہیں مائی جی نے بھیجا ہے اور میں مائی جی کا بڑا احترام کرتا ہوں' اس کی بات ٹال نہیں سکتا۔ میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔"

میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ جوگی بابا نے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ پڑھتے پڑھتے اس کا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں جوگی بابا پر مرگی کا دورہ نہ پڑ جائے۔ وہ کانپ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں اور لمبا سانس لیا اور بولا۔ "تمہارے بازو پر بندھا ہوا تعویذ میرے عمل میں رکاوٹ بن گیا ہے۔ یہ تعویذ اتار کر مجھے دے دو۔"

میں تعویذ اتارنے لگا تھا کہ اچانک میں رک گیا۔ میرے دل نے کہا۔ یہ تعویذ اسے مت دینا' نہیں تو مارے جاؤ گے۔ میں نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور کہا۔

"جوگی بابا! جس نے مجھے یہ تمہیں تعویذ دیا تھا اس نے کہا تھا کہ یہ تعویذ اپنے بدن سے الگ کرو گے تو مر جاؤ گے۔ اس لئے میں یہ تعویذ نہیں دے سکتا۔ بے شک آپ اپنا طلسمی عمل نہ کریں۔"

جوگی بابا نے مجھے گھور کر دیکھا پھر مسکرایا اور کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! میں تمہاری خاطر یہ تکلیف برداشت کر لوں گا۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میں یہی سمجھوں گا کہ اپنے بیٹے کی مدد کرتے ہوئے مر گیا تھا۔"

میں نے کہا۔ "بابا! تم یہ خطرہ مول نہ لو۔ میں چلا جاتا ہوں۔"

جوگی بابا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے بٹھایا اور بولا "ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔ میں نے عمل شروع کر دیا ہے۔ اگر اب اسے ادھورا چھوڑا تو میرے ساتھ تمہاری جان بھی خطرے میں ہو گی' اس لئے بیٹھے رہو۔ مجھے عمل پورا کر لینے دو۔ تم ضرور اپنے زمانے اور اپنی دنیا میں واپس پہنچ جاؤ گے۔"

میں اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا۔ جوگی بابا نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور مجھے کہا۔

"جس وقت میں کہوں آنکھیں بند کر لو تو تم فوراً آنکھیں بند کر لینا۔"

میں نے کہا۔ "بہت اچھا بابا۔"

جوگی نے ایک بار پھر منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ میں اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر آہستہ آہستہ ایک بار تشنج کی حالت طاری ہونے لگی۔ جسم آہستہ آہستہ کانپنے لگا۔ اچانک اس نے بلند آواز میں کہا۔

"بیٹا! آنکھیں بند کر لو اور جب تک میں نہ کہوں آنکھیں مت کھولنا۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند کرتے ہی میرے ارد گرد جیسے تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ میں بڑا خوش ہوا۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ میں صدیوں کے طوفانوں میں سے گزر کر اپنے زمانے' اپنی دنیا میں پہنچ رہا تھا۔ میں منتظر تھا کہ جوگی بابا کس وقت مجھے آنکھیں کھولنے کو کہتا ہے۔ میں جون 1857ء کے سخت گرم موسم میں جوگی بابا کی جھونپڑی میں داخل ہوا تھا اور اب مجھے سردی لگنے لگی تھی۔ میرے جسم سے سرد ہوا ٹکرا رہی تھی۔ میرے سر پر پانی کی دو تین بوندیں بھی پڑیں۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ میں ضرور اپنی دنیا اور اپنے وطن پاکستان پہنچ گیا تھا۔ مگر میں ڈر کے مارے آنکھیں نہیں کھول رہا تھا کہ جوگی بابا کی اجازت کے بغیر آنکھیں کھول دیں تو کہیں یہ خواب

حقیقت میں بدلتے بدلتے ٹوٹ نہ جائے۔ میں بڑی شدت سے جوگی بابا کی اجازت کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ کب مجھے آنکھیں کھولنے کو کہتا ہے۔ مَیں جس ماحول میں آگیا تھا وہاں سخت سردی میں ہلکی پھلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔

اچانک مجھے گڑگڑاہٹ کی آواز آنے لگی۔ یہ آواز قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مَیں کسی سخت چیز پر بیٹھا ہوا ہوں۔ جوگی بابا نے ابھی تک مجھے آنکھیں کھولنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ گڑگڑاہٹ کا شور میرے بہت قریب آگیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی ریل گاڑی کے انجن کی زوردار سیٹی کی آواز آئی۔ مَیں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ یہ میری زندگی کا وہ لمحہ تھا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے موت کے منہ سے باہر کھینچ کر دوبارہ زندگی عطا کی تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی میں نے دیکھا کہ میں ریلوے لائن کے بالکل درمیان میں آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوں اور جس طرف میرا منہ ہے اس طرف سے ریل گاڑی دھڑ دھڑاتی' شور مچاتی' گڑگڑاہٹ کی مانند کسی دیو ہیکل بلا کی طرح میرے اوپر چڑھتی آرہی ہے۔ میرا اور ریل گاڑی کے دھواں اگلتے' بار بار سیٹیاں بجانے والے انجن کے درمیان بمشکل دس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ میں نے بیٹھے بیٹھے اپنے آپ کو ریلوے لائن کی دوسری طرف گرا دیا۔ میرے ریلوے لائن کی دوسری طرف گرتے ہی ریل گاڑی دھڑدھڑاتی ہوئی قیامت کے شور کے ساتھ ریل کی پٹڑیوں پر سے گزر گئی۔

مَیں ابھی تک ریلوے لائن کی دوسری طرف اوندھے منہ پڑا تھا اور میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا کہ جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر آجائے گا۔ ریل گاڑی ذرا آگے جا کر رک گئی تھی اور لوگ میرے اردگرد جمع ہو رہے تھے۔ ان کے چہرے اور لباس جانے پہچانے لگتے تھے۔ مَیں نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مَیں کہاں ہوں؟"

ریلوے گارڈ نے مجھے جھک کر دیکھا اور میرا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم لاہور میں ہو' پاکستان میں ہو۔ کیا تمہیں مرنے لی لئے کوئی دوسری ترکیب نہیں سوجھی؟"

مَیں نے ریلوے گارڈ کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ شاید اس لئے کہ میں اس کے بعد بے ہوش ہو چکا تھا۔ جب ہوش آیا تو میں کسی ہسپتال میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ میرا جسم سرخ کمبل سے ڈھکا ہوا تھا اور ایک نرس دوسری طرف منہ کئے ذرا جھکی ہوئی کچھ لکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"نرس کونسا ہسپتال ہے؟"

نرس نے جلدی سے مڑ کر میرے پاس آگئی اور کہنے لگی۔

"تھینک گاڈ تمہیں ہوش آگیا ہے' تم پندرہ دن سے بے ہوش پڑے تھے۔ یہ زید ہسپتال کا میڈیکل وارڈ ہے۔"

میں نے دیکھا کہ وارڈ میں دوسرے مریضوں کے بیڈ لگے ہوئے تھے۔ مَیں نے پوچھا۔

"سسٹر! آج کونسی تاریخ ہے؟"

نرس نے میری نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج دسمبر کی سولہ تاریخ ہے' تمہیں یکم دسمبر کو یہاں لایا گیا تھا۔ تم خودکشی کیوں کرنے لگے تھے؟"

مَیں نے پوچھا۔ "یہ کون سا سال ہے؟ میرا مطلب ہے یہ کونسی صدی عیسویں ہے؟"

نرس نے مجھے اس طرح گھور دیکھا جیسے اسے میری دماغی صحت پر شک ہو گیا ہو۔ کہنے لگی۔

"یہ 1996ء ہے' تم ٹھیک ہو ناں؟"

مَیں نے آنکھیں بند کرلیں اور دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنے لگا۔ یہاں تک میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ نرس بولی۔

"تمہیں ایک انجکشن لگے گا۔ میں انجکشن لے کر آتی ہوں۔"

نرس چلی گئی۔ میرے جسم پر ایسی نقاہت طاری تھی جیسے میں ایک ہزار میل

پیدل چلتا رہا ہوں۔ میں نے اپنے بازو کو ٹٹولا۔ مصری خاتون کا دیا ہوا تعویذ بدستور میرے بازو کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔

میں نے اپنی پتلون کی جیب کو ٹٹولا۔ میرا طلسمی مہرہ غائب تھا۔ پہلے میں طلسمی مہرہ اپنے اوورکوٹ کی جیب میں چھپایا کرتا تھا لیکن جب میں غدر کے زمانے میں نمودار ہوا تو وہ سخت گرمی کا موسم تھا۔ میں نے گرم اوورکوٹ اتار کر پھینک دیا تھا اور طلسمی مہرہ اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں رکھ لیا تھا۔ وہ مہرہ وہاں نہیں تھا' میں یہی سمجھا کہ طلسمی مہرہ تھا۔ طلسمی دنیا کے ختم ہونے کے ساتھ ہی وہ غائب ہو گیا ہو گا۔ اچانک مجھے کسی کے گہرے سانس لینے کی آواز آئی۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ مجھے نیک دل آمون کی روح کی سرگوشی سنائی دی۔

"تم خوش قسمت ہو کہ تم نے اپنا تعویذ جوگی بابا کو نہیں دیا۔ وہ بوڑھی عورت اور جوگی بابا سب جادوگر کاہن قابوس کے دو روپ تھے۔ تعویذ کے ہوتے ہوئے وہ تمہیں قتل نہیں کر سکتا تھا لیکن اس نے تمہیں جادو کی طاقت سے تمہاری دنیا میں پہنچا کر ریلوے لائن پر ایسی جگہ بٹھا دیا کہ جہاں سے دس پندرہ سیکنڈ کے بعد تیز رفتار ریل گاڑی گزرنے والی تھی۔ اس نے تمہیں ہلاک کر کے تم سے بدلہ لینے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر خدا نے تمہیں بچا لیا۔ یہ جادوگر قابوس کا تم پر آخری وار تھا جو خالی گیا۔ بس میں تمہیں یہی بتانے کے لئے اپنا اہرام چھوڑ کر آیا ہوں شاید اب میری تمہاری کبھی ملاقات نہ ہو۔"

نیک دل آمون کی روح کی سرگوشیاں ہسپتال کے میڈیکل وارڈ کی خاموشی میں گم ہو گئیں۔ میں نے جلدی سے پوچھا۔

"میرا طلسمی مہرہ غائب ہو گیا ہے' ایسا کیوں ہوا ہے؟"

اس کا مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ اتنے میں نرس آ گئی' اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سرنج تھی۔ وہ میرا بازو کمبل سے باہر نکال کر میری آستین اوپر کر کے بازو پر سپرٹ میں بھگوئی ہوئی روئی پھیرنے لگی۔ میں نے اس سے کہا۔

"سسٹر! میری پتلون کی جیب میں ایک نسواری رنگ کا منکا تھا۔ اسے تم نے کہیں

دیکھا ہے؟"

نرس بولی! "وہ پتھر کی گولی۔"

میں نے کہا! "ہاں ہاں وہی۔"

نرس نے کہا! وہ میں نے نکال کر تمہارے سرہانے کے نیچے رکھ دی تھی۔"

نرس ٹیکہ لگانے لگی تو میں نے بازو کھینچ لیا اور کہا۔

سسٹر ایک منٹ ٹھہرو۔ "میں پتھر کی گولی دیکھ لوں کہ ہے کہ نہیں۔

نرس نے پھر مجھے ایسی نظروں سے گھور کر دیکھا جیسے اسے میری ذہنی صحت پر شبہ پیدا ہو گیا ہو۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سرہانے کے نیچے ہاتھ پھیر کر دیکھا تو طلسمی مہرہ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے باہر نکال کر دیکھا۔ یہ میرا دیرینہ اور مصیبت کا ساتھی طلسمی مہرہ ہی تھا۔ میں نے بازو آگے کرتے ہوئے نرس سے کہا۔

"سسٹر اب بے شک انجکشن لگا دو۔"

جیسے ہی اس نے انجکشن کی سوئی میرے بازو کے ساتھ لگائی میں نے طلسمی مہرہ اپنے منہ میں رکھا اور دوسرے ہی لمحے غائب ہو گیا۔ میں نرس کے اس وقت کے چہرے کو نہیں بھول سکتا جب اس کے دیکھتے دیکھتے میں غائب ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ ایک دم پیلا زرد پڑ گیا۔ اس کے ہاتھ سے سرنج چھوٹ کر نیچے گر پڑی اور وہ چیخ کر دروازے کی طرف بھاگی۔ وارڈ کے سارے مریض اور دوسری نرسیں حیران پریشان ہو کر میرے بستر کی طرف دیکھنے لگیں جو بالکل خالی پڑا تھا۔ میں خاموشی کے ساتھ میڈیکل وارڈ سے باہر نکل گیا۔

اس وقت آمون کی نیک روح کا خیال آیا اور جو کچھ اس نے بتایا تھا اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا' جادوگر قابوس کی بدروح آخر وقت تک مجھے ہلاک کرنے کے لئے میرے پیچھے لگی رہی تھی۔ جوگی بابا اور بوڑھی عورت اس بدروح کے بچھائے ہوئے جال تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جوگی بابا نے مجھ سے میرا تعویذ طلب کیا تھا اگر میں اسے تعویذ دے دیتا تو وہ مجھے اسی جگہ اسی وقت ہلاک کر ڈالتا۔ لیکن میں نے اسے تعویذ نہیں دیا تھا اور اس نے مجھے ریلوے لائن کے عین درمیان میں لا کر بٹھا دیا جہاں سے دس سیکنڈ

بعد تیز رفتار ریل گاڑی میری موت بن کر گزرنے والی تھی۔ اسی لئے اس نے کہا تھا کہ جب تک میں نہ کہوں آنکھیں مت کھولنا۔ اگر میں تین سیکنڈ پہلے آنکھیں کھول کر اپنے اوپر آتی ہوئی ریل گاڑی کو نہ دیکھ لیتا تو اس وقت اپنی آپ بیتی کی یہ سطریں لکھنے کے لئے زندہ نہ ہوتا۔ میں ہسپتال سے نکل کر اپنے وطن پاکستان کے شہر لاہور میں بیسویں صدی کے زمانے میں واپس آ چکا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ خطرناک جادوگر قابوس کی بدروح میرے ساتھ ہی ماڈرن زمانے میں داخل ہو گئی ہوگی اور جہاں کہیں اسے موقع ملے گا مجھے اپنے جال میں پھنسا کر ہلاک کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔ بدروحیں کبھی معاف نہیں کرتیں اور وہ انتقام لے کر چھوڑتی ہیں۔ فی الحال میں اسی جگہ اپنی لکھی داستان ختم کرتا ہوں۔ اس کے بعد میرے ساتھ کیا ہوا کیسے کیسے ڈراؤنے اور آسیب زدہ حالات سے گزرا؟ یہ ایک الگ رونگٹ کھڑے کر دینے والی داستان ہے۔

آدھی رات کو برفباری میں میرے کاٹیج پر آکر مجھے اپنی آپ بیتی کا مسودہ دینے والے پراسرار شخص کا سرخ بال پوائنٹ سے لمبے لمبے شکستہ حروف میں لکھا ہوا مسودہ میرے سامنے پڑا تھا۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا۔ صبح کو میں نے آپ بیتی کا مسودہ پڑھنا شروع کیا تھا اور جب پڑھ چکا تو شام ہو چکی تھی اور کھڑکی سے باہر برف گرنے لگی تھی۔ زمان میرے لئے کافی بنا کر لے آیا۔ میں کافی پیتے ہوئے سوچنے لگا کہ میں اپنے پبلشر کو یہی آپ بیتی چھپنے کو دوں گا۔

چنانچہ اسی ہفتے میں پہاڑی کاٹیج چھوڑ کر لاہور آگیا اور یہ پراسرار آپ بیتی کا مسودہ اپنے پبلشر کے حوالے کر دیا۔

اس وقت مجھے خیال آگیا کہ جس رات یہ پراسرار شخص مجھے اپنی زندگی کی حیرت انگیز کہانی کا مسودہ دے کر باہر رات کے وقت برفباری میں غائب ہو گیا تھا تو ضرور اس نے طلسمی مہرہ منہ میں رکھ لیا ہو گا۔

اس بات کو اور اس کتاب کو چھپے تین مہینے گزر چکے ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ پراسرار شخص جس کا فرضی نام میں نے سلطان آپ کو بتایا ہے آج بھی پاکستان کے شہروں،

پارکوں، بازاروں اور گلی کوچوں میں چل پھر رہا ہو گا۔ اگر کبھی آپ کو پتہ چلے کہ فلاں جگہ ایک آدمی بیٹھے بیٹھے یا چلتے چلتے غائب ہو گیا ہے تو مجھے ضرور خط لکھ کر اطلاع کریں۔ میں اس پراسرار شخص سے ایک بار ملنا چاہتا ہوں۔

ختم شد